قال الله تبارك وتعالى

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ

کسبِ حلال اور راہِ اعتدال

از: مولانا ولی اللہ مظاہری صدیقی مہاجر مدینہ منورہ

ترجمہ

کتاب الکسب

تالیف

امام محمد بن الحسن الشیبانی

ناشر

(مولانا) محمد مدنی عفی عنہ

کتاب الکسب

تالیف : امام محمد بن حسن الشیبانیؒ

اردو ترجمہ و حواشی: مولانا ولی اللہ مظاہری صدیقی مدنی

قَالَ اللّٰہُ تبارکَ وتعالیٰ

یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ

حضرت امام محمد بن حسن صاحب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہما

کی تالیف لطیف

کتاب الکسب

کا بامحاورہ سلیس اردو ترجمہ بنام

کسبِ حلال اور راہِ اعتدال

از مولانا ولی اللہ مظاہری صدیقی مہاجر مدینہ منورہ

ناشر

(مولانا) محمد مدنی عُفی عنہٗ

نام کتاب

کتابُ الکسب

تالیف

حضرت امام محمّد بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

مولانا ولی اللہ صدیقی مظاہری

ناشر

محمّد مدنی عفی عنہٗ

ملنے کے پتے

مولوی اقبال نعمانی۔ آفیسرز کالونی۔ گارڈن روڈ۔ کراچی

مظہری کتب خانہ ۔ گلشن اقبال۔ کراچی

مکتبۃ الشیخ ۳/۳۶۷ بہادر آباد۔ کراچی

درخواستی کتب خانہ۔ بنوری ٹاؤن۔ کراچی۔

مکتبہ سید احمد شہیدؒ۔ ۱۰۔ الکریم مارکیٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

از حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدی صاحب مدظلہ

مدیر جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد یوپی

پیش لفظ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

اما بعد! انسان کو دنیا میں زندگی گذارنے کے لئے معاشی وسائل اختیار کرنا ضروری ہے، تاکہ وہ اپنے واجبی حقوق کو ادا کر سکے، لیکن ان معاشی وسائل میں اس قدر انہماک بھی مُضر ہے جس سے انسان اپنے مقصد وجود ہی سے غافل ہو جائے، اسلامی شریعت کی نظر میں دُنیا کا حصول صرف اسی حد تک مستحسن ہے جب تک یہ دُنیا انسان کی آخرت کی کامیابی کے لئے وسیلہ اور ذریعہ بنتی رہے۔ اور جب دُنیا معاصی اور سرکشی کا ذریعہ بن جائے تو پھر وہ سخت ترین وبال اور مصیبت بن جاتی ہے۔ الغرض اسلام نہ تو رہبانیت کی تعلیم دیتا ہے کہ آدمی بالکل دُنیا سے مُنھ موڑ کر اور حقوق و فرائض سے غافل ہو کر بیٹھ جائے اور نہ "معاش" میں اس قدر انہماک کی اجازت دیتا ہے کہ آدمی "معاد" سے بے پرواہ ہو جائے۔

فقہ حنفی کے مضبوط ستون حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے جامع رسالہ "الکسب" میں انہی موضوعات پر بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ کسب اگرچہ ایک نہایت اہم چیز ہے لیکن وہی مقصدِ زندگی نہیں ہے، اس سلسلہ میں جو ذیلی ابحاث آسکتی تھیں حضرت الامامؒ نے ان پر بھی مبسوط کلام

کیاہے، مسئلۂ رہبانیت کی تردید، فرقہ کرامیہ کی موشگافیوں کا جواب، غنا اور فقر کے درمیان افضلیت کی بحث وغیرہ وغیرہ اس طرح یہ مختصر رسالہ اپنے قارئین کو نہایت جامع معلومات فراہم کرتا ہے۔

ضرورت تھی کہ موجودہ دور میں جبکہ معاش کے مسئلہ میں بے اعتدالیاں بڑھتی جارہی ہیں اور ترفہ اور حرص کا دور دورہ ہے عوام اور خواص کے سامنے امام محمد رحمہ کے اس رسالہ کو شرح وبسط کے ساتھ پیش کیا جائے۔ الحمدللہ بفضلِ خداوندی اس اہم کام کو جناب مولانا ولی اللہ صدیقی زید لطفہ نے نہایت جانفشانی سے انجام دیا اور اصل رسالہ کے ترجمہ کے ساتھ حاشیہ میں حضرات اکابرؒ کے علوم سے استفادہ کرتے ہوئے نہایت ضروری معلومات جمع کردی ہیں، خاص کر علماء کی معاشی ذمہ داریوں اور توکل کے موضوع پر حکیمُ الامّت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اور دیگر اکابر علماءِ امت کی تحریرات واقعی قابلِ مطالعہ ہیں، رسالہ کے مترجم ومحشی لائقِ مُبارکباد ہیں اللہ تعالیٰ ان کی محنت کو قبول فرمائے اور جزائے خیرسے نوازے آمین۔

(حضرت مولانا) رشید الدین حمیدی (صاحب دامت برکاتہم)
مدیر جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی۔ مرادآباد یوپی (الہند)
نزیل حال مدینہ منورہ) یکم محرم الحرام ۱۴۱۷ھ

فہرست مضامین

مراجع وماخذ حواشی

۱۔ احیاء علوم الدین امام ابو حامد محمد بن غزالی رحمہ اللہ

۲۔ المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار فی تخریج ما فی الاحیاء من الاخبار علامہ زین الدین عبدالرحیم بن حسین عراقیؒ

۳۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ حافظ ابن حجر (شہاب الدین احمد بن علی بن محمد) عسقلانی

۴۔ الاسرار المرفوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ (المعرف بالموضوعات الکبریٰ) امام ملا علی قاریؒ (نور الدین علی بن محمدؒ)

۵۔ اسلام کا اقتصادی نظام حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ

۶۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر۔ حضرت مولانا ابو الحسن علی میاں صاحب ندوی مدظلہ

۷۔ ایضاح المسائل۔ مولانا مفتی شبیر احمد صاحب مدظلہ مفتی جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد۔

۸۔ بہشتی زیور۔ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ

۹۔ پیشہ رزق حلال اور ارباب علم وکمال۔ مولانا عبدالقیوم صاحب حقانی مدظلہ دارالعلوم اکوڑہ خٹک پاکستان۔

۱۰۔ تجلیات عثمانی۔ جناب پروفیسر انوار الحسن صاحب شیرکوٹی

۱۱۔ تفسیر ابن کثیر۔ امام حافظ ابو الفداء اسماعیل ابن کثیرؒ

۱۲۔ تفسیر عثمانی (فوائد القرآن) حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ

۱۳۔ تفسیر معارف القرآن۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع

صاحبؒ

۱۴۔ ترجمہ قرآن عزیز۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ

۱۵۔ جہان دیدہ۔ حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ۔

۱۶۔ دنیا و آخرت۔ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ

۱۷۔ فروع الایمان۔ ======

۱۸۔ فضائل صدقات۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مہاجر مدنیؒ

۱۹۔ فضائل تجارت۔ ======

۲۰۔ فضائل علم۔ حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری صاحب

۲۱۔ الفوائد۔ حافظ ابن قیم (شمس الدین محمد بن ابی بکر بن القیم الجوزیہ)

۲۲۔ العلم والعلماء۔ (مجموعہ ملفوظ حکیم الامت) مرتبہ مولانا محمد زید صاحب مظاہری جامعہ عربیہ ہتورا باندہ۔

۲۳۔ المختار فی الفتاویٰ۔ امام عبداللہ بن محمود بن مودود موصلیؒ

۲۴۔ المکاسب۔ امام حارث بن اسد بن محاسبیؒ سنہ ۲۴۳ھ۔

۲۵۔ مجمع الزوائد۔ امام حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمیؒ سنہ ۸۰۷ھ۔

۲۶۔ المطالب العالیہ بزوائد المسانید الثمانیۃ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ

۲۷۔ منتخب کنز العمال۔ امام علی بن حسام متقیؒ

۲۸۔ جواہر الفقہ۔ مجموعہ رسائل حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

۲۹۔ مشکوۃ المصابیح۔ امام محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی تحقیق الشیخ سعید اللحام۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام

علیٰ اشرف المرسلین وعلیٰ آلہ

وصحبہ وذریاتہ وازواجہ اجمعین۔

یہ حقیر مع اہلیہ اور غلامزادہ مولوی محمد عبداللہ قاسمی سلمہ کے عزیزم مولانا ولی اللہ صاحب مظاہری کے دولت خانہ (جو جبل احد کے بالکل دامن میں ہے) پر ۲ر محرم الحرام ۱۴۱۷ھ بروز دوشنبہ حاضر ہوا وہاں مولانا مسعود احمد صاحب بن حکیم مشتاق احمد صاحب میرٹھی سے ملاقات ہوئی جس سے بہت مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ ان کو بھی مسرور رکھے۔
آمین

وہاں ماشاء اللہ تعالیٰ حضرت امام محمد بن الحسن الشیبانی کی تصنیف لطیف "الکسب" نظر سے گزری جس کی جامعیت ونافعیت کے متعلق کچھ لکھنا بھی سوء ادب معلوم ہوتا ہے بس اتنا عرض کرتا ہوں کہ مسئلہ معاش کے سلسلہ میں نظام اسلام کو حضرت امام محمد اصغر رحمہ اللہ تعالیٰ نے نہایت حسن وخوبی سے واشگاف فرمایا ہے جو علماء کے لئے تحفہ اور قابل مطالعہ ہے۔

اب اس کی افادیت کو ہم جیسے اردو خوانوں میں عام کرنے کے لئے عزیزم مولانا ولی اللہ صاحب مظاہری سلمہ نے اس کا ترجمہ اردو زبان میں نہایت سلیس وواضح کردیا ہے اس کے ساتھ ہی ساتھ مزید توضیح کے لئے جا بجا اپنے اکابر متاخرین کی عبارات سے بھی اسے مزین

کردیا ہے جس کی وجہ سے اسلام کا اعتدالی نظام معاش بے غبار ہوکر عیاں ہوگیا ہے۔

پوری کتاب کا تو مطالعہ نہ کیا مگر جتنا پڑھا اس سے یہ اطمینان ہوا کہ انشاء اللہ تعالیٰ پورا ہی ترجمہ اور اضافہ صاف واضح اور نافع ہوگا اللہ تعالیٰ ایسا ہی فرمادے اور اللہ تعالیٰ اس کم سن عالم کی جد ومحنت کو قبول فرمائے اور مزید ایسے دینی وعلمی کام کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔
آمین

فقط والسلام

(حضرت مولانا) محمد قمر الزمان عفی عنہ الٰہ آبادی

(خلیفہ ومجاز وداماد حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ)

۴ر محرم الحرام ۱۴۱۷ھ

مقدمہ

الحمد لله رب العالمين الهادی الی الصراط المستقيم والصلوه والسلام علی رسوله الامين الداعی الی المنهج القويم وعلی آله وصحبه اجمعين ومن تبعهم باحسان الی يوم الدين۔

حق تعالیٰ شانہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح تمام نبیوں میں سب سے اعلیٰ مقام عطا فرمایا ہے اسی طرح آپ کی امت کو بھی اس وہاب ومنعم نے وہ مقام مرحمت فرمایا جو کسی دوسری امت کو نصیب نہیں ہوا۔ اس امت مرحومہ کے اعزاز واکرام میں اسے وہ امتیازات حاصل ہوئے جس سے اور تمام امتیں محروم ہیں۔

انہیں امتیازات کی بنا پر جب ہم "چودہ صدی پیشتر پھٹے پرانے کپڑوں' شکستہ حجروں اور ظاہری بے سروسامانیوں کے ساتھ عالم میں ظاہر ہوئے تو ایک اشارہ ابرو نے دنیا کی حکمرانیوں کے نقشے بدل دیئے' فارس کا زبرجدی تخت' قیصر کا بڑھتا ہوا اقتدار تہہ وبالا کردیا' اور بڑی بڑی ان طاقتوں کو زیر وزبر کردیا جو آراستہ سامانوں' رشک فردوس ایوانوں اور منظم فوجوں کے بل بوتے پر بڑھ کر اس کے سامنے آئیں"۔

مگر افسوس کہ زمانے کی رفتار کے ساتھ ہم اپنے ماضی کو فراموش کرتے چلے گئے' اور ان انعامات الیہ کو آج کل ہم اپنی

ترقیات میں سب سے بڑا مانع سمجھنے لگے' اور حد تو یہ ہے کہ اپنے پروردگار کے ان احسانات کو مضحکہ خیز نظروں سے دیکھنے والوں اور احکام ربانیہ کو نعوذ باللہ فرسودہ خیالات کا مجموعہ قرار دینے والوں کو آج دانشور' مفکر اور مصلح کا خطاب دیا جانے لگا ہے۔ قومی قیادت کی ذمہ داری جب ایسے نا اہلوں کے ہاتھ میں ہوگی تو پھر کس خیر کی امید ہوسکتی ہے پھر رعایا کا "الناس علی دين ملوكهم" کا مصداق بن کر مزید گمراہی کا شکار ہونا جس کا آج ہمیں کھلی آنکھوں مشاہدہ ہو رہا ہے ایک لازمی نتیجہ ہے حضور اکرم ﷺ کی یہ پیشگوئی آخر ایک نہ ایک دن پوری ہوکر رہے گی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے

ان الله لا يقبض العلم انتزاعا ينتزعه من العباد ولكن يقبض العلم بقبض العلماء حتی اذا لم يبق عالما اتخذ الناس رئوسا جهالا فسئلوا فافتوا بغير علم فضلوا واضلوا۔

(مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ: "کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہ اٹھائے گا کہ بندوں (کے سینوں اور دلوں) سے (یوں ہی) اٹھالیوے (کہ سب اہل علم زندہ رہیں اور بیٹھے بٹھائے یا سوتے ہوئے ان کے دلوں سے علم نکل کر روانہ ہوجائے) بلکہ اللہ تعالیٰ عالموں کو موت دیکر علم اٹھالیں گے۔ یہاں تک کہ جب کسی ایک عالم کو بھی نہ چھوڑیں گے تو لوگ

جاہلوں کو سرداری دے دیں گے (یعنی جاہلوں کو قاضی، مفتی، امام، مرشد بنالیں گے) ان (جاہلوں سے سوالات کئے جائیں جس پر یہ لوگ بغیر علم کے فتوے دیں گے اور (خود) گمراہ ہوں گے اور (دوسروں کو) گمراہ کریں گے"۔

وہ قوم جو صورت وسیرت ہر اعتبار سے غیر قوموں کے لئے ایک بے مثال نمونہ تھی جس کے اخلاق وکردار سے متاثر ہو کر لوگ اپنے آبائی مذاہب چھوڑ کر اور اپنے خاندانی روایات پر خاک ڈال کر ان کا دین اپنانے پر مجبور ہوتے تھے جس کی غیرت وخودداری اور بہادری وجوانمردی کے آگے بڑی بڑی سلطنتوں کے حوصلے پست ہوجاتے تھے آج ان انعامات الٰہیہ کی قدردانی نہ کرنے کی بنا پر جس بے بسی وبے حسی کا شکار ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ تمام شعبہ ہائے زندگی میں وہ غیروں کی سراپا محتاج ہوچکی ہے کیونکہ اس نے اپنے اسلاف کے طریقے کو چھوڑ کر ناخلف لوگوں کی پیروی کو مقصد زندگی بنالیا ہے۔

جن خدا فراموشوں کے متعلق پروردگار عالم کا ارشاد ہے:

والذین کفروا یتمتعون ویاکلون کما تاکل الانعام والنار مثوی لھم

(سورہ محمد [illegible])

ترجمہ: "اور جو لوگ کافر ہیں وہ (دنیا میں) عیش کررہے ہیں اور اس طرح (آخرت سے بے فکر ہوکر کھاتے پیتے) ہیں جس طرح چوپائے کھاتے ہیں (یعنی دنیا کا سامان برت

رہے ہیں اور مارے حرص کے بہائم کی طرح اناپ شناپ کھاتے چلے جاتے ہیں نتیجہ کی خبر نہیں کہ کل یہ کھایا پیا کس طرح نکلے گا) اور جہنم ہے ان لوگوں کا ٹھکانہ (یعنی اچھا چند روز مزے اڑالیں گے آگے ان کے لئے آگ کا گھر تیار ہے)"۔ (تفسیر عثمانی)

بلکہ ان لادین اور بے ضمیر وغیر مہذب قوموں کے قدم بقدم چلنے کو اپنا فخر سمجھ لیا اور خالق ومالک نے جن عادات واطوار سے منع فرمایا انہوں نے اسی کو اپنالیا اور جانوروں سے زیادہ بے راہ وبدچلن اقوام کی تہذیب وتمدن اور معاشی وسیاسی نظام کو اپنی فلاح وبہبود کا واحد ذریعہ تصور کرلیا، اور اپنی ناعاقبت اندیشی اور بے وقوفی سے ایسی بے غیرت قوم کو اپنا پیشوا مان لیا جسے اپنے خالق کے فرمان "لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم" کو اپنے لئے معراج کمال تصور کرنے کے بجائے انیسویں صدی کے ایک انسانیت فراموش انسان "ڈارون" کا نظریہ ارتقاء زیادہ پسندیدہ اور اقرب الی الحقیقت معلوم ہوا جس میں انسان ایک بہروپیہ کے طور پر "اموبا" سے "بندر" اور بندر سے انسان کا روپ دھارنے والی مخلوق قرار دیا گیا ہے۔ اور آج نام کا انسان اس مقام پر اتر آیا ہے کہ وہ اپنی اگلی زندگی (حیات برزخیہ واخرویہ اور جزا وسزا) کا انکار کرنے لگا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ "احسن تقویم" کے فطری تقاضوں پر عمل کرنے (یعنی اپنی صورت کو اس کی اصلی ہیئت پر برقرار رکھنے اور اپنی سیرت کو سیرت طیبہ کے نمونہ پر ڈھال کر ایک خوشگوار

وپروقار زندگی گزارنے) کا تصور ہی ختم کر بیٹھا۔ ایک اور عجیب بات یہ ہے کہ انسان کو انسانیت سے دور ہوتے چلے جانے کا احساس بھی نہیں رہا، چنانچہ وہ اپنی من مانی اور بے باکی میں کسی قانون اور کسی ضابطے کا پابند نہیں۔ بے شک اس نظریہ حیوانیت نوازی کی ارتقائی منزلیں طے کرتا ہوا انسان ایک روز ایسی ترقی معکوس کرے گا کہ اسفل السافلین ہی اس کا ٹھکانا بن جائے گا۔ چنانچہ ایسے ہی لوگوں کے لئے حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں :

ولقد ذرانا لجنهم كثيرا من الجن والانس
لهم قلوب لا يفقهون بها ولهم اعين لا يبصرون
بها ولهم آذان لا يسمعون بها اولئك كالانعام
بل هم اضل اولئك هم الغافلون۔

(الاعراف۔)

ترجمہ :"اور ہم نے پیدا کئے دوزخ کے واسطے بہت سے جن اور آدمی ان کے دل ہیں کہ ان سے سمجھتے نہیں اور آنکھیں ہیں کہ ان سے دیکھتے نہیں اور کان ہیں کہ ان سے سنتے نہیں، وہ ایسے ہیں جیسے چوپائے بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ وہی لوگ ہیں غافل"۔

یعنی دل، کان، آنکھ، سب کچھ موجود ہیں لیکن نہ دل سے آیات اللہ میں غور کرتے ہیں، نہ قدرت کے نشانات کا بنظر تعمق واعتبار مطالعہ کرتے ہیں اور خدائی باتوں کو "سمع قبول سنتے ہیں، جس طرح چوپائے جانوروں کے تمام ادراکات صرف کھانے پینے اور بہیمی

جذبات کے دائرہ میں محدود ہوتے ہیں، یہ ہی حال ان کا ہے کہ دل ودماغ، ہاتھ، پاؤں، کان آنکھ غرض خدا کی دی ہوئی سب قوتیں محض دنیوی لذائذ اور مادی خواہشات کی تحصیل وتکمیل کے لئے وقف ہیں۔ انسانی کمالات اور ملکوتی خصائل کے اکتساب سے کوئی سروکار نہیں، بلکہ غور کیا جائے تو ان کا حال ایک طرح چوپائے جانوروں سے بھی بدتر ہے، جانور مالک کے بلانے پر چلا آتا ہے اس کے ڈانٹنے سے رک جاتا ہے، یہ کبھی مالک حقیقی کی آواز پر کان نہیں دھرتے، پھر جانور اپنی فطری قوی سے کام لیتے ہیں جو قدرت نے ان کے لئے مقرر کردیا ہے، زیادہ کی ان میں استعداد ہی نہیں، لیکن ان لوگوں میں روحانی وعرفانی ترقیات کی جو فطری قوت واستعداد ودیعت کی گئی تھی اسے مہلک غفلت اور بے راہ روی سے خود اپنے ہاتھوں سے ضائع اور معطل کردیا گیا۔!

نیز ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

ارایت من اتخذ الهه هواه افانت تكون
عليه وكيلا ○ ام تحسب ان اكثرهم يسمعون او
يعقلون ان هم الا كالانعام بل هم اضل
سبيلا۔

(الفرقان۔ آیت ۴۴)

ترجمہ :"اے پیغمبر آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے، سو کیا آپ اس کی نگرانی کرسکتے ہیں یا آپ خیال کرسکتے ہیں

کہ ان میں اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں (مطلب یہ ہے کہ آپ ان کی ہدایت نہ ہونے سے مغموم نہ ہوجیے کیونکہ آپ ان پر مسلط نہیں کہ خواہی نخواہی ان کو راہ پر لائیں اور نہ ہدایت کی ان سے توقع کیجئے کیونکہ نہ یہ حق بات سنتے ہیں نہ عقل ہے کہ غور کریں) یہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں"۔ (خلاصہ تفسیر معارف القرآن)

"یعنی آپ ایسے ہوا پرستوں کو راہ ہدایت پر لانے کی کیا ذمہ داری کرسکتے ہیں جن کا معبود ہی محض خواہش ہو کہ جدھر خواہش لے گئی' ادھر ہی جھک پڑے' جو بات خواہش کے موافق ہوئی قبول کرلی' جو مخالف ہوئی رد کردی۔ آج ایک پتھر (اور معنوی اعتبار سے آج کل کے قوانین وضعیہ بھی اسی میں شامل ہیں کہ آج ایک قانون) اچھا معلوم ہوا اسے پوجنے لگے کل دوسرا اس سے خوبصورت مل گیا (اور معقول نظر آیا) پہلے کو چھوڑ کر اس کے آگے سر جھکا دیا۔

یعنی کیسی ہی نصیحتیں (انہیں) سنایئے یہ تو چوپائے جانور ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر انہیں سننے یا سمجھنے سے کیا واسطہ' چوپائے تو بہرحال اپنے پرورش کرنے والے مالک کے سامنے گردن جھکا دیتے ہیں۔ اپنے محسن کو پہچانتے ہیں' نافع و مضر کی کچھ شناخت رکھتے ہیں' کھلا چھوڑ دو تو اپنی

چراہ گاہ اور پانی پینے کی جگہ پہنچ جاتے ہیں لیکن ان بدبختوں کا حال یہ ہے کہ نہ اپنے خالق و رازق کا حق پہچانا نہ اس کے احسانات کو سمجھا نہ بھلے برے کی تمیز کی' نہ دوست دشمن میں فرق کیا۔ نہ غذائے روحانی اور چشمہ ہدایت کی طرف قدم اٹھایا بلکہ اس سے کوسوں دور بھاگے اور جو قوتیں خدا تعالیٰ نے عطا کی تھیں ان کو معطل کئے رکھا بلکہ بے موقع بصرف کیا' اگر ذرا بھی عقل و فہم سے کام لیتے تو اس کارخانہ قدرت میں بے شمار نشانیاں موجود تھیں جو نہایت واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی توحید و تنزیہ اور اصول دین کی صداقت و حقانیت کی طرف رہبری کررہی ہیں۔"

(تفسیر عثمانی سورہ فرقان)

ان غافلین و مفسدین کی پیروی کرکے دنیا ہی میں مسلمانوں کو جو کچھ مل رہا ہے وہ ایک عبرت لینے والے کی عبرت کے لئے بہت کافی ہے۔

بہرکیف ان خدائی اعزازات میں سے جو ہمیں حاصل ہوئے تھے ایک مایہ ناز اعزاز یہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے اس امت کو "امۃ وسطا" کا لقب عطا فرمایا ہے کہ یہ امت معتدل امت ہے ٹھیک سیدھی راہ پر ہے جس میں کچھ بھی کجی کا شائبہ نہیں اور افراط و تفریط سے بالکل بری ہے جس کی مکمل تصویر "خیر القرون" ہے۔ بے شک وہ دور انسانیت کے انتہائی عروج کا زمانہ ہے جب کہ صحابہ کرام نے

اپنی زندگی کو احکام شرعیہ کے سانچہ میں ڈھال کر ایک ایسا معاشرہ قائم فرمادیا جو قیامت تک ہر آنے والے کے لئے ایک بے مثال نمونہ بلکہ اس کے اوپر ایک حجت ہے کہ شریعت کے مطابق زندگی گزارنا کسی انسان کے لئے کوئی مشکل کام نہیں بلکہ انسان کی انسانیت برقرار رکھنے اور اسے ایک لازوال زندگی سے ہمکنار کرنے کے لئے اس کے سوا کوئی اور راستہ ہے ہی نہیں۔ اور یہی وہ صراط مستقیم ہے جس پر چل کر وہ اپنی انتہائی منزل "رضائے مولیٰ" کو پاسکتا ہے اور جہاں انسان کو ایسی بلندی کا حصول ہوتا ہے جس کا تصور ان انسانی دماغوں میں نہ سماسکتا ہے اور نہ ہی ان کانوں میں آسکتا ہے نہ ہی ان آنکھوں سے اس کا مشاہدہ ہوسکتا ہے۔

اس مکمل معیاری معاشرہ کے متعلق دارالعلوم دیو بند کے سابق مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

من کان مستنا فلیستن بمن قدمات فان الحی لا تومن علیہ الفتنة اولئک اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کانوا افضل ھذہ الامة ابرھا قلوبا واعمقھا علما واقلھا تکلفا اختارھم اللہ لصحبة نبیہ ولاقامة دینہ فاعرفوا لھم فضلھم واتبعوھم علی اثرھم وتمسکوا بما استطعتم من اخلاقھم فانھم کانوا علی الھدی المستقیم

(رواہ رزین ومشکوۃ شریف)

ترجمہ :- جسے دین کی راہ اختیار کرنی ہے وہ ان کی راہ اختیار کرے جو اس دنیا سے گزر چکے اور وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں جو اس امت کا سب سے افضل ترین طبقہ ہے قلوب ان کے پاک تھے علم ان کا گہرا تھا تکلف وتصنع ان میں کالعدم تھا اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی کی صحبت اور دین برپا کرنے کے لئے چن لیا تھا اس لئے انکی فضیلت وبرگزیدگی کو پہچانو ان کے نقش قدم پر چلو اور طاقت بھر ان کے اخلاق اور ان کی سیرتوں کو مضبوط پکڑو کہ وہی ہدایت کے سیدھے راستہ پر تھے۔"

ادھر یہ بھی ظاہر ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات اقدس زندگی کے ہر شعبہ کے ہر پہلو کی خیر کی جامع تھی اور ذات بابرکت کو حق تعالیٰ نے سارے ہی علمی وعملی کمالات کا منتہا اور آخری نقطہ فیض بنایا تھا' ممکن نہ تھا کہ امت کا ہر طبقہ جس کی قابلیتیں اور علمی وعملی صلاحیتیں کم وبیش اور متفاوت اور ذہنی پروازیں الگ الگ تھیں کسی طبقہ پر علم کا غلبہ' کسی پر زہد کا' کسی پر تقویٰ وطہارت کا غلبہ' کسی پر افادہ وارشاد کا' کسی پر خلوت پسندی کا' اور کسی پر جلوت آرائی کا۔ پھر معاشرتی لائنوں میں کسی میں تجارت کا ذوق اور کسی میں صنعت وحرفت کا' کسی میں ملازمت کا شوق اور کسی میں دوسرے کاروبار کا' ضروری نہ تھا کہ ہر ہر طبقہ نبوت کے ہر

ہر رخ کو پورے پورے غلبہ اور یکسانیت کے ساتھ اپنی اپنی مخصوص زندگیوں کا جوہر بنا سکے اور براہ راست اس تک پہنچ سکے۔ اس لئے حق تعالیٰ شانہ نے ان مظاہر نبوت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ہر ہر طبقہ کے افراد جمع فرما دیے تھے' ان میں امیر بھی تھے اور غریب بھی تاجر بھی تھے اور کاشتکار بھی' صناع بھی تھے اور اہل حرفہ بھی' مزدور بھی تھے اور سرمایہ دار بھی' قاضی و مفتی بھی تھے اور معلم و مدرس بھی' داعی بھی تھے اور مبلغ بھی' مجاہد بھی تھے اور غازی بھی' حکام بھی تھے اور محکوم بھی۔ ملازمت پیشہ بھی تھے اور یکسو بھی خلوت پسند بھی تھے اور جلوت دوست بھی' ارباب اقتدار بھی تھے اور پبلک مین بھی' صف شکن بھی تھے اور نفس کش بھی خواص بھی تھے اور عوام بھی' غرض ہر درجہ اور ہر لائن کے لوگ اس مقدس طبقہ میں من جانب اللہ مہیا تھے مگر قدر مشترک ان سب میں کمال دین کمال اخلاص کمال تقویٰ کمال اتباع سنت اور کمال محبت خدا و رسول ﷺ تھا جو روح کی طرح ان کے تمام عادات و افعال اور سارے ہی اخلاق و شمائل میں دوڑا ہوا تھا۔ جس سے وہ ہر وقت سرشار اور اس کے عرفانی نشہ میں مست اور مستغرق تھے' ان کی تجارت و ملازمت' صنعت و حرفت' دولت و شوکت' امارت و غربت' عبادت و ریاضت' جہاد و دعوت' دین و دیانت کے معیاری مقام سے ذرہ بھر بھی گری ہوئی یا ہٹی ہوئی نہ تھی اور بالفاظ دیگر اتباع و اخلاص کی وجہ سے سرتاپا دین ہی دین تھی اس لئے دین کے اتباع کے ساتھ دنیا کے جس طبقہ پر دین کا جو رنگ بھی غالب ہو اور وہ دیانت کے

جس رنگ میں بھی اپنی زندگی گزارنا چاہے اسے صحابہ کی زندگی میں وہ نمونہ مل جائے گا جو اس دائرہ کی سنت نبوی سے مستنیر ہوگا' اور اس کی پیروی کر کے ایک انسان جس شعبہ زندگی میں بھی بڑھنا چاہے اتباع سنت کے دائرہ سے باہر نہ ہوگا۔

پس حق تعالیٰ کا یہ کتنا بڑا فضل ہے اس جامع دین کے دریا کے جو مشرق و مغرب میں پھیلا ہوا ہے گھاٹ ہزاروں بنا دیئے جو ہر سمت اور ہر گوشہ میں ہیں ان کی سمتیں مختلف ہیں رخ الگ الگ ہیں لیکن پانی ایک اس کا ذائقہ ایک اور اس کی خوشبو واحد اگر اس عالمی دریا کا ایک ہی گھاٹ اور ایک ہی مشرب (جائے آب نوش) ہوتا اور مشرق و مغرب کے لوگ پابند کئے جاتے کہ وہ اسی ایک گھاٹ پر پہنچ کر پانی پئیں اور جمع کریں تو اس عالمی امت کیلئے زندگی دوبھر اور وبال جان ہو جاتی' اس لئے حق تعالیٰ نے صحابہ کی زندگی کے اتنے ہی نمونے بنا دیئے جتنے زندگی کے گوشے اور اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے رخ ہو سکتے ہیں تاکہ اپنے اپنے ذوق کے مطابق ہر ہر امتی ان مختلف الجہات مشربوں اور رخوں سے اسلام کا آب حیات پیتا رہے اور اپنی روح کو سیراب کرتا رہے"۔ (ماخوذ از تقریظ بر ترجمہ حیاۃ الصحابہ ج۳)

بلاشبہ یہی وہ معیاری معاشرہ ہے جس کی پیروی ہمیں اس ذلت و پستی سے نجات دلا سکتی ہے جس میں آج ہم اپنے خود ساختہ معیار زندگی اپنانے کی وجہ سے گرفتار ہیں اور ہماری زندگی کا ہر شعبہ بدنظمی اور افراتفری کا شکار ہے۔ اکثر لوگ تو معاد و آخرت کو بھلا کر

صرف معاش کے جال میں پھنس گئے ہیں اور ان کی علمی وعملی تحقیقات اور غور و فکر کا دائرہ صرف معاشیات ہی تک محدود ہو کر رہ گیا ہے، بلکہ بعض بے دین تو وہ ہیں جنہوں نے سرے سے تقدیر و توکل کا ہی انکار کردیا ہے اور مادی اسباب کو خدا بنا رکھا ہے۔ اور کچھ ناواقف ایسے بھی ہیں جنہوں نے تقدیر و توکل کو اپنی کم ہمتی اور بیکاری کا بہانہ بنالیا ہے حالانکہ دنیا میں اتنا انہماک کہ آدمی آخرت سے غافل ہو کر دنیا ہی کو اصل مقصد سمجھ لے سراسر غلط ہے۔ اور دنیا سے اتنا کنارہ کشی اختیار کرنا کہ رہبانیت تک پہنچ جائے یہ بھی تعدی اور ظلم ہے۔

چنانچہ اسی معاشی بے اعتدالی کی اصلاح کے متعلق حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام "رہبانیت" کا مخالف ہے اور انسان کی معاشی سرگرمیوں کو جائز و مستحسن بلکہ بسا اوقات واجب اور ضروری قرار دیتا ہے۔ انسان کی معاشی ترقی اس کی نگاہ میں پسندیدہ ہے اور "کسب حلال" اس کے نزدیک "فریضة بعد الفريضة" کا مقام رکھتا ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے ساتھ یہ حقیقت بھی اتنی ہی واضح ہے کہ اسلام کی نظر میں انسان کا بنیادی مسئلہ معاش نہیں! اور نہ معاشی ترقی اس کے نزدیک انسان کا مقصد زندگی ہے معمولی سمجھ بوجھ سے یہ حقیقت سمجھ میں آسکتی ہے کہ کسی کام کا جائز و مستحسن ہونا

ایک الگ بات ہوتی ہے اور اس کا مقصد زندگی ہونا بالکل جدا چیز ہے۔

اسلام کے معاشی مسائل پر بحث کرتے وقت بہت سی الجھنیں اور غلط فہمیاں انہی دونوں چیزوں کو خلط ملط کرنے سے پیدا ہوتی ہیں اس لئے پہلے ہی قدم پر اس بات کا صاف ہوجانا ضروری ہے۔

درحقیقت اسلامی معاشیات اور مادی معاشیات کے درمیان گہرا بنیادی اور دور رس فرق یہی ہے کہ مادی معاشیات میں معاش انسان کا بنیادی مسئلہ اور معاشی ترقیات اس کی زندگی کا منتہائے مقصود ہیں اور اسلامی معاشیات میں یہ چیزیں ضروری اور ناگزیر سہی لیکن انسان کی زندگی کا اصل مقصد نہیں۔ اس لئے جہاں قرآن کریم میں "رہبانیت" کی مذمت اور "وابتغوا من فضل اللہ" کے احکام ملتے ہیں جہاں ہمیں تجارت کے لئے "فضل اللہ" اموال کے لئے "خیر" اور "التی جعل اللہ لکم قیاما" خوراک کے لئے "الطیبات من الرزق" لباس کے لئے "زینۃ اللہ" اور رہائش کے لئے "سکن" کے احترامی القاب ملتے ہیں وہاں دنیوی زندگی کے لئے "متاع الغرور" کے الفاظ بھی آتے ہیں ان سب کے لئے "الدنیا" کا لفظ بھی ملتا ہے جو اپنے لغوی مفہوم کے اعتبار سے کچھ اچھا تاثر نہیں دیتا اور قرآن کریم کے

مجموعی اسلوب سے اس کی دناءت وحقارت سمجھ میں آتی ہے۔ کوتاہ نظری اس موقع پر تضاد کا شبہ پیدا کر سکتی ہے' لیکن درحقیقت اس کے پیچھے اصل راز یہی ہے کہ قرآن کریم کی نظر میں تمام وسائل معاش انسان کی رہگذر کے مرحلے ہیں' اس کی اصل منزل درحقیقت ان سے آگے ہے اور وہ ہے کردار کی بلندی (یعنی ایمان پر جمنا' اور اعمال صالحہ طاعات و عبادات پابندی سے ادا کرنا) اور اس کے نتیجہ میں آخرت کی فلاح و بہبود' انسان کا اصل مسئلہ اور اس کی زندگی کا مقصود اصلی انہی دو منزلوں کی تحصیل ہے لیکن چونکہ ان دو منزلوں کو دنیا کی شاہراہ سے گذرے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا اس لئے وہ تمام چیزیں بھی انسان کے لئے ضروری ہو جاتی ہیں جو اس دنیوی زندگی کے لئے ضروری ہوں۔

چنانچہ جب تک وسائل معاش انسان کی اصل منزل کے لئے رہگذر کا کام دیں وہ "فضل اللہ' خیر' زینۃ اللہ" اور "سکن" ہیں لیکن جہاں انسان اسی رہگذر کی بھول بھلیوں میں الجھ کر رہ جائے اور اس پر اپنی منزل مقصود کو قربان کر ڈالے یا بالفاظ دیگر وسائل معاش کو "رہ گذر" بنانے کے بجائے اپنی منزل مقصود کے راستہ میں رکاوٹ بنا دے تو پھر یہی "وسائل معاش" "متاع الغرور اور فتنۃ اور عدو بن جاتے ہیں قرآن

کریم نے ایک مختصر جملے وابتغ فیما آتاك اللہ الدار الاخرۃ ولا تنس نصیبک من الدنیا۔ (قصص) میں اسی بنیادی حقیقت کو بیان فرمایا ہے (جواہر الفقہ : اسلام کا نظام تقسیم دولت)۔

حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی رحمتہ اللہ علیہ اسلام کے "معاشی نظام" کی اہمیت اور اخلاقی و مذہبی نظام سے اس کی وابستگی پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"اسلام کا معاشی نظام" ایک ایسے ہمہ گیر فلسفہ پر قائم ہے جس کا نام اسلام ہے جو عالمگیر دعوت اور ہمہ گیر انقلاب کا داعی ہے اور دنیائے انسان کی صرف معاشی صلاح و فلاح کا ہی خواہشمند نہیں بلکہ روحانی' مذہبی' اخلاقی' سیاسی' معاشرتی اور معاشی غرض کہ ہر قسم کی دینی و دنیوی فلاح و بہبود اور رشد و ہدایت کا علمبردار ہے۔ اور اس طرح ایک وسیع و مکمل نظام کائنات کا مدعی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انسان کا منتہائے مقصد صرف دنیوی ترقی و کمال ہی نہیں بلکہ سعادت ابدی اور رضائے الٰہی اس کی حیات کا کعبہ مقصود ہے اس لئے وہ ہر شعبہ زندگی کے لئے ایک "صالح نظام اجتماعی" کا طالب ہے اور ان ہی شعبہ ہائے زندگی کا ایک شعبہ "صالح نظام معاشی" بھی ہے۔

نیز اس کا دعویٰ ہے کہ "انسان" دنیا میں خدا کا

نائب اور خلیفہ ہے اس لئے اس کا فرض ہے کہ وہ حاکم مطلق (اللہ تعالیٰ) کی نگرانی میں ایسی حکومت برپا کرے جو "حکومت الٰہیہ" کہلا سکے اور جس کا واضع قوانین انسان نہیں بلکہ خود احکم الحاکمین ہو۔ اور ان قوانین کی تنفیذ اس کے نائب "خلیفہ" کے ہاتھ میں ہو۔ اور یہ حکومت اگر ایک جانب خالص روحانی اور اخلاقی برتری کی معلم ہو تو دوسری طرف عالم و کائنات کی سیاسی، مدنی اور معاشی ترقی و کمال کی حامل ہو۔

غرض ایسے "نظام صالح" کا قائد ہو کہ جس کی بدولت ساری کائنات نسل و قوم اور ملک و وطن کے محدود دائروں سے آزاد ہو کر یکساں طور پر عدل و نصفت، امن و طمانینت اور خوشحالی و معاشی رفاہیت سے مالا مال ہو کر اس اعتراف پر مجبور ہو جائے کہ وہ ابدی سعادت کے حصول میں بھی اس کو اپنا راہنما اور قائد تسلیم کرنے لگے گویا اس کا "معاشی نظام" اس حیثیت سے ایک فلسفیانہ علم و فن نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو اس کی کاوشوں اور علمی و عملی موشگافیوں میں الجھا کر اصل مقصد سے محروم کر دے بلکہ یہ "معاشی نظام" شعبہ ہے ایک مکمل نظام کا اور آلہ و وسیلہ ہے مقصد حقیقی کے حصول کی آسانی راہ کا۔

بہرحال جب کہ اسلام کی دعوت اور اس کا پیغام

کائنات کے تمام شعبہ ہائے زندگی پر حاوی اور اس کا طریقہ کار ہمہ گیر اور عالمگیر وحدت اجتماعی کا مبلغ ہے اور اس لئے اس کی رشد و ہدایت نہ صرف دنیوی زندگی تک محدود بلکہ "سعادت دارین" سے وابستہ اور قائم ہے اور دنیوی زندگی کی سعادت ابدی سعادت کے لئے "ذریعہ و وسیلہ" ہے تو بلا شبہ اس کے لئے کسی طرح یہ موزوں نہیں تھا کہ وہ زندگی کے اس مخصوص شعبہ "معاشی نظام" کو اپنے مکمل نظام سے علیحدہ کر کے ایک خاص محدود نظریہ اور خاص عنوان کے ساتھ ایک علیحدہ نظام کی حیثیت دیتا۔ بے شبہ وہ ایک "صالح معاشی نظام" کا مالک ہے مگر وہ نظام بھی تمام دوسرے نظامہائے زندگی کے اصول و آئین اساسی کی طرح ایک مکمل نظام قانون (قرآن عزیز) کا جز ہے اور اس سے علیحدہ اپنی مستقل زندگی نہیں رکھتا۔" (اسلام کا اقتصادی نظام صفحہ ۲۴)۔

مسند الہند شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمتہ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب حجتہ اللہ البالغہ میں "صالح اقتصادی نظام کی ضرورت" پر بحث کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"جب پارسیوں اور رومیوں کو حکومت کرتے صدیاں گذر گئیں اور دنیوی عیش کو انہوں نے اپنی زندگی بنا لیا اور آخرت کو بھلا دیا اور شیطان نے ان پر غلبہ کر لیا تو اب ان کی تمام زندگی کا حاصل یہ بن گیا کہ وہ عیش پسندی

کے اسباب میں منہمک ہو گئے اور ان میں کا ہر شخص سرمایہ داری اور تمول پر فخر کرنے اور اترانے لگا۔ یہ دیکھ کر دنیا کے مختلف گوشوں سے وہاں ایسے ماہرین جمع ہو گئے، جو بیچارے عیش پسندوں کو داد عیش دینے کے لئے عیش پسندی کے نئے نئے طریقے ایجاد کرنے اور سامان عیش مہیا کرنے کے لئے عجیب و غریب دقیقہ سنجیوں اور نکتہ آفرنیوں میں مصروف نظر آنے لگے اور قوم کے اکابر اس جدوجہد میں مشغول نظر آنے لگے کہ اسباب عیش میں کس طرح وہ دوسرے پر فائق ہو سکتے ہیں اور ایک دوسرے پر فخرو مباہات کر سکتے ہیں۔

حتیٰ کہ ان کے امراء اور سرمایہ داروں کے لئے یہ سخت عیب سمجھا جانے لگا کہ ان کی کمر کا پٹکا یا سر کا تاج ایک لاکھ درہم سے کم قیمت کا ہو۔ یا ان کے پاس عالی شان سربفلک محل نہ ہو جس میں پانی کے حوض ہوں، سرد و گرم حمام بے نظیر پائیں باغ ہوں' اور ضرورت سے زیادہ نمائش کے لئے بیش قیمت سواریاں حشم و خدم اور حسین و جمیل باندیاں موجود ہوں اور صبح و شام رقص و سرود کی محفلیں گرم ہوں' اور جام و سبو سے شراب ارغوانی چھلک رہی ہو اور فضول عیاشی کے وہ سب سامان مہیا ہوں جو آج بھی عیش پسند بادشاہوں اور حکمرانوں میں دیکھتے ہو۔ اور جس کا ذکر قصہ طولانی کے

مترادف ہے۔

غرض یہ غلط اور گمراہ کن عیش ان کے "نظام معاشی" کا اصل الاصول بن گیا تھا اگر ان کے دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاتے تو بھی یہ باتیں ان سے نکلنے والی نہ تھیں۔ اور کیفیت یہ ہو گئی تھی کہ یہ صرف نواب اور امراء کے طبقہ ہی کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ پوری مملکت میں ایک عظیم الشان آفت اور وباء کی طرح سرایت کر گیا تھا۔ اور عوام و خواص شہری و دیہاتی امیر و غریب کوئی شخص ایسا باقی نہ رہا تھا جس پر یہ عیش و آرام ان کے دست بہ گریباں نہ ہوا ہو اور ان کو تھکا تھکا کر بے انتہا مصائب اور رنجشوں میں نہ پھنسا دیا ہو۔ (۱☆)

(۱☆) اگر حالات کا جائزہ لیا جائے تو آج بھی دنیا واپس اسی راستہ پر آرہی ہے بلکہ بعض اعتبار سے یہ اپنے پیش رووں پر بھی بازی لے جا رہی ہے۔ آج کل کے ذرائع ابلاغ (ٹی وی' ڈش انٹینا' جرائد و اخبارات نیز جدید رسائل و ماہنامے) ان تباہیوں کے پھیلانے میں جو کردار ادا کر رہے ہیں وہ تمام دنیا کے سامنے ہے' شاہ صاحب کے اس مضمون کا ایک ایک حرف بغور پڑھنے اور اپنا محاسبہ کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم ان چیزوں میں پھنس کر دین سے کتنے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

اس لئے کہ ایسی مفرطانہ عیش پرستی کے لئے زیادہ

سے زیادہ رقوم اور آمدنی درکار تھی اور اس کے لئے ضروری تھا کہ کاشتکاروں، تاجروں اور پیشہ وروں نیز اس طرح کے دوسرے کارپردازوں پر طرح طرح کے ٹیکس عائد کئے جائیں اور انہیں خوب تنگ کیا جائے۔ اگر یہ لوگ ٹیکس دینے سے انکار کریں تو حکام کو ان سے لڑنا پڑے اور انہیں سخت سے سخت سزائیں دی جائیں۔ اور اگر یہ ان کے احکام کی تعمیل کریں تو حکام ان کا حشر گدھوں اور بیلوں جیسا کئے رکھیں کہ جو آبپاشی اور ہل چلانے اور اناج کی کٹائی میں ہر وقت لگے رہتے ہیں اور مالک کی مطلب برآری کے کام آتے ہیں کہ انہیں ایک گھڑی بھی فرصت نہیں ملتی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اپنی اخروی سعادت و فلاح کی طرف متوجہ ہونے سے بالکل ہی کورے ہو گئے اور اس مرتبہ تک پہنچنے کے قابل بھی نہ رہے اور نوبت بایں جارسید کہ اکثر بڑے بڑے ممالک میں کوئی ایک بھی ایسا شخص نہیں ملتا تھا جسے دین کا کچھ اہتمام اور خیال ہوتا۔ اور نیز یہ بیجا تعیش ایسے ہی لوگوں سے معاشرے میں جڑ پکڑا تھا جن کے پیشے کی انتہائی جولانگاہ کھانے پینے اور عمارت کی درستگی (جیسی سطحی چیزیں) تھیں اور جنہیں ان پیشوں سے کوئی سروکار نہ تھا جن پر نظام عالم کی بنیاد قائم ہے۔

اور عام طور سے وہ لوگ جو امراء و حکام کی جی

حضوری میں لگے رہتے وہ بھی ان سب امور میں انہی کی نقل کرتے ورنہ ان کو امراء و حکام کی خدمت میں باریابی نہ ہوتی۔ نہ امراء کی نگاہ میں ان کی کوئی وقعت ہوتی۔ اور جمہور کی حالت یہ تھی کہ وہ بادشاہوں (کے خزانوں) پر بار ہو گئے اور ان پر وہ مختلف طریقوں سے مسلط رہتے۔ مثلاً ایک طبقہ جہاد کئے بغیر باپ دادا کے نام پر مجاہدین کے نام سے وظیفہ خوار کر رہا ہے۔ تو دوسرا مدبرین مملکت کے نام سے پل رہا ہے کوئی بادشاہ اور امراء کی خوشامد میں قصہ خوانی کر کے شاعری کے نام سے وظیفہ پا رہا ہے کہ بادشاہوں کی عادت ہے کہ وہ ایسوں کو نوازا کرتے ہیں اور کوئی صوفی اور فقیر بن کر دعاگوئی کے زمرہ میں مالی استحصال کر رہا ہے کہ ایسے درویشوں کی خبرگیری نہ کرنا بادشاہوں کے لئے عیب ہوا کرتا ہے اور اس طرح وہ ایک دوسرے کی تنگ دلی کا باعث ہوتے"۔

(خلاصہ یہ کہ کسب معاش کے بہترین طریقوں کا فقدان تھا) ان کا ذریعہ معاش چاپلوسی، مصاحبت، چرب زبانی اور دربارداری ہی پر منحصر تھا۔ اور یہ ایک ایسا فن بن گیا تھا جسے ان کے افکار عالیہ اور ذہنی نشوونما کی تمام خوبیاں مٹا کر انہیں پست اور ارذل زندگی پر قانع کر دیا تھا۔ پس جب یہ فاسد مادہ وباء کی طرح پھیل گیا اور لوگوں کے دلوں تک سرایت کر گیا تو ان کے نفوس دنائت و خست سے بھر گئے اور ان کی طبائع اخلاق صالحہ سے نفرت کرنے لگیں ....

آخر جب اس مصیبت نے ایک بھیانک شکل اختیار کرلی اور بیماری انتہائی شدید ہو گئی تو خدا تعالٰی اور ملائکہ مقربین نے ان پر اپنا غصہ ظاہر فرمایا خدا تعالٰی کی مرضی ہوئی کہ اس مہلک مرض کا ایسا علاج ہو کہ فاسد مادہ جڑ سے اکھڑ جائے اس کا قلع قمع ہو جائے اس واسطے اس نے ایک نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا جس کا عجم اور روم سے کسی قسم کا میل جول نہ تھا۔ ان کی رسوم کو اس نے بالکل اختیار نہ کیا خدا تعالٰی نے اس ہستی کو اخلاق کریمانہ کے لئے میزان بنا دیا جس کو ان طریقوں کی پوری شناخت تھی جو خدا تعالٰی کے نزدیک پسندیدہ و ناپسندیدہ تھے اس نے عجمیوں کی رسموں کی مذمت بیان کی (یعنی عجم اور روم کے تمام رسم و رواج کو فنا کر دیا) اور دنیوی زندگی میں مستغرق و مطمئن ہو جانے کی قباحتیں ظاہر کیں۔

اس پیغمبر کے دل میں خدا تعالٰی نے القاء فرمایا کہ لوگوں پر وہ امور حرام کر دے جس کے عجمی لوگ خوگر ہو گئے تھے اور وہ امور ان میں مایہ ناز ہو گئے تھے۔ (یعنی وہ تمام اسباب جو عوام اور جمہور پر معاشی دستبرد کا سبب بنتے اور مختلف عیش پسندیوں کی راہیں کھول کر حیات دنیوی میں بیجا انہماک کا باعث ہوتے ہیں) مثلاً (مردوں کے لئے) حریر و دیباج کے نازک کپڑے نیز ارغوانی لباس، سونے چاندی کے زیورات (اور تمام انسانی نفوس کے لئے خواہ مرد ہو یا عورت) ہر قسم کے چاندی اور سونے کے برتن اور ایسے کپڑے جن پر تصویریں بنی ہوئی ہوں اور مکانوں میں فضول زیبائش و نمائش وغیرہ (کہ یہی فاسد نظام کے ابتدائی منازل اور معاشی نظام کی تباہی کا منشاء و مولد

ہیں)۔

اور خدا تعالٰی نے مقرر کیا کہ اس (نبیؐ) کی دولت (سلطنت) سے ان کی دولتوں (سلطنتوں) کا استیصال کردے اور اس کی ریاست سے ان کی ریاستوں کو نیست و نابود کر دے اس کے وجود سے کسریٰ ہلاک ہو گیا اب اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا اور نیز اس کے ذریعے قیصر بھی ہلاک ہو گیا اب کوئی قیصر نہ ہوگا۔"

اسی طرح تدابیر کے قیام پر بحث کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحب ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

> "سمجھنا چاہئے کہ انبیاء کی بعثت اگرچہ اصلاً بالذات عبادت کے طریقوں کی تعلیم دینے کے لئے ہوا کرتی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ ارادہ بھی شامل ہوتا ہے کہ خراب رسومات کی بیخ کنی ہو جائے اور تدابیر کے طریقوں پر لوگوں میں آمادگی پیدا ہو (یعنی رسوم فاسد کو فنا کر کے اجتماعی زندگی میں بہترین نظام کا قیام اسی منشاء میں شامل ہے)۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "بعثت لمحق المعازف" (1☆) "کہ میں آلات لہو و لعب کو معدوم کرنے کے لئے پیدا ہوا ہوں" نیز ارشاد فرمایا: "بعثت لاتمم مکارم الاخلاق" (2☆) "میں اخلاق کریمانہ کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔

جاننا چاہیے کہ خدا تعالٰی کی مرضی اس میں نہیں کہ

(اسباب) و تدابیر متروک کر دی جائیں۔ انبیا علیہم السلام میں سے کسی نے بھی ایسا حکم نہیں دیا ہے۔ ان لوگوں کا گمان بالکل بیہودہ ہے جو پہاڑوں کی طرف بھاگ جاتے ہیں اور برائی بھلائی میں لوگوں سے بالکل میل جول ترک کر دیتے ہیں اور وحشیانہ زندگی بسر کرتے ہیں اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکا رد کیا ہے جو دنیا سے کنارہ کرتے ہیں آپ نے فرمایا ہے۔

"مابعثت بالرھبانیة وانما بعثت بالملة الحنیفیة السمحة" (3☆)

ترجمہ: "میں رہبانیت سکھانے کے لئے مبعوث نہیں ہوا ہوں بلکہ ایک مذہب سراپا راستی اور آسان کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں۔

ہاں انبیاء علیہم السلام کو حکم دیا گیا ہے کہ تدابیر و منافع میں اعتدال پیدا کردیں کہ نہ ایسا ہو کہ خوشحالی اور رفاہیت کے دلدادہ لوگوں کی حالت دولت و ثروت کی ہوس میں بڑھتے بڑھتے سلاطین عجم کی طرح ہو جائے اور نہ ایسی گراوٹ ہو کہ (اسباب و تدابیر کو خیرباد کہہ کر) لوگ تمدن سے بیزار دہقان اور وحشی ہو کر رہ جائیں (یعنی اس مقدس ہستی کی تعلیم میں رہبانیت کو اخلاقی حیثیت نہیں دی گئی بلکہ انسانوں کے باہم اختلاط و اجتماع کی زندگی کو ترجیح دی گئی ہے اور اسباب کے اختیار میں بھی افراط و تفریط کے بجائے اعتدال و میانہ روی اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے)۔

پس اس مقام پر دو متعارض قیاس کام کر رہے ہیں ایک یہ کہ

ترفہ (خوشحالی و آسودگی) ایک عمدہ اور محبوب شے ہے اس لئے کہ (اگر وہ صحیح اصول پر قائم ہے) تو اس کی بدولت انسان کا مزاج درست ہو جاتا ہے اور اس سے اخلاق میں راستبازی پیدا ہوتی ہے نیز اس سے انسان میں وہ اوصاف پیدا ہوتے ہیں جس سے وہ اپنے تمام ابنائے جنس میں ایک ممتاز حیثیت حاصل کرلیتا ہے۔ اور سوء تدبیر سے غباوت (یعنی مزاج میں اختلال) اور مجبورانہ افلاس وغیرہ کا سامنا ہوتا ہے۔

دوسرے یہ کہ یہی ترفہ ایک بری شے ہے کیونکہ اس میں باہمی جھگڑے ہوا کرتے ہیں لوگوں سے میل جول اور شراکت ہوتی ہے محنتیں بھگتنی پڑتی ہیں۔ تھکاوٹ کا سامنا ہوتا ہے اور (سب سے زیادہ قابل تشویش امر یہ ہے کہ) یہ یاد الٰہی سے اعراض کا سبب بنتا ہے اور اس عارضی خوشحالی کی لگن میں) لوگ اخروی سعادت کی تدبیر سے بے فکر ہو جاتے ہیں (یعنی یہ روحانی زندگی سے غفلت کا سبب بن جاتا ہے) لہٰذا پسندیدہ راہ یہ ہے کہ اسباب و تدابیر کو باقی رکھیں اور ان کے ساتھ اذکار و آداب کو پیوند کریں اور عالم آخرت کی جانب متوجہ ہونے (اور رشتہ بندگی خدا سے جوڑے رکھنے) کے لئے فرصت کے متلاشی رہیں" (اسلام کا اقتصادی نظام (4☆) صفحہ ۲۴-۳۰ نقلا من حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۰۵)

(1☆) یہ حدیث پوری یوں ہے' عن ابی امامة رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالٰی بعثنی رحمة للعالمین وھدی للعالمین وامرنی ربی عزوجل بمحق المعازف والمزامیر والاوثان والصلب وامر الجاھلیة وحلف ربی عزوجل بعزتی لایشرب عبد من

عبیلی جرعۃ من خمرالا سقیتہ من الصدید مثلھا ولایترکھا من مخافتی الا سقیتہ من حیاض القدس رواہ احمد (المشکوۃ ، الحدود ، بیان الخمر ، فصل ۳)

(۲☆) ان اللہ بعثنی لتمام مکارم الاخلاق و کمال محاسن الافعال رواہ فی شرح السنہ (المشکوۃ ، فضائل سید المرسلین فصل ۲)

(۳☆) عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ قال خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سریۃ فمر رجل بغار فیہ شی من ماء و بقل فحدث نفسہ بان یقیم فیہ ویتخلی من الدنیا فاستاذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلک فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لم ابعث بالیھودیۃ ولا بالنصرانیۃ ولکنی بعثت بالحنیفیۃ السمحۃ والذی نفس محمد بیدہ لغدوۃ او روحۃ فی سبیل اللہ خیر من الدنیا ومافیھا ولمقام احدکم فی الصف خیر من صلاتہ ستین سنۃ رواہ احمد (المشکوۃ ، الجہاد فصل ۳)

(۴☆) یہ مضمون مولانا حفظ الرحمن کی کتاب "اسلام کا اقتصادی نظام" سے ماخوذ ہے مگر بعض مواقع میں اصل کتاب حجۃ اللہ البالغہ اور اس کا ترجمہ (از مولانا عبدالحق صاحب حقانی رحمۃ اللہ علیہ) سامنے رکھ کر کچھ تغیر واقع ہوا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ انسان کے مسئلہ معاش کا تعلق اسلام کے اس معاشی و اقتصادی نظام سے ہے جو اس کے نظام ہائے زندگی کا ایک اہم رکن ہے اور ایک صحیح معاشی نظام کے قیام و استحکام کے لئے افراد اور قوم کے باہمی تعاون اور اشتراک عمل کی ضرورت ہے اور چونکہ انسان کے انفرادی حالات متفاوت ہوتے ہیں نیز ماحول اور کسی کام سے اس کی طبعی مناسبت نیز قوم اور ملک کے مصالح کے اعتبار سے احکام متعلقہ بھی متفاوت ہوتے ہیں اس لئے ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ فکر معاش

میں لگنے یا بالفاظ دیگر اسلام کے معاشی نظام کا رکن بننے سے قبل کچھ اصول و ضوابط مقرر ہوں جسے سامنے رکھ کر اسے اپنے لئے صحیح راہ متعین کرنا آسان ہو۔

چنانچہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع کی اہمیت اور ماحول کی کج روی کے پیش نظر اپنی یہ کتاب "الکسب" تصنیف فرمائی ہے جس میں ایک طرف تو قرآن و سنت کی روشنی میں ملت کے ہر فرد کو اس کی انفرادی و اجتماعی ذمہ داریوں کا خصوصاً جو اس نظام سے متعلق ہیں احساس دلایا ہے۔ نیز کسب حلال کے درجات و مراتب اور اسے خرچ کرنے اور جمع کرنے کے آداب سے روشناس کرایا ہے اور نیز اہل دولت و ثروت کو ان کے فرائض اور اہل غربت کو ان کے واجبات یاد دلائے ہیں تاکہ دولت اور غربت کے درمیان (باوجود اس فطری تفاوت کے جو کہ ایک ناگزیر امر ہے) اخلاقی عدم توازن کی فضا قائم نہ رہ سکے۔ کہ نہ تو سرمایہ دار اور دولتمند طبقہ سرکشی و طغیانی پر اتر آئے اور احتکار و اکتناز، اسراف و تبذیر اور بخل و تقتیر اور تفاخر و تکاثر جیسی برائیوں کا مرتکب ہو اور حقوق اللہ و حقوق العباد سب کو پامال کر ڈالے اور نہ ہی غریب اور پسماندہ طبقہ فقروفاقہ اور کسمپرسی اور احساس کمتری میں مبتلا ہو کر اپنی شخصیت کو فراموش کر بیٹھے اور غلامانہ ذہنیت کے ساتھ یا تو اہل دولت کا دست نگر بنا رہے یا ان کے خلاف بغض و حسد اور انتقام کا جذبہ اپنے سینے میں لئے موقع کی تلاش میں رہے اور موقع ملنے پر حلال و حرام کی پرواہ کئے بغیر مال و دولت پر ٹوٹ پڑے اور اس طرح دونوں طبقہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دے کر خسرالدنیا والاخرہ کا مصداق بنے۔

بلکہ دونوں اخلاص و للہیت اخلاق و مروت عدل و انصاف صبر و شکر،
قناعت و سخاوت، شفقت و رحمت اور باہمی اخوت و مواسات کی بنیاد پر
ایک دوسرے کا خیال رکھیں اور تعاون علی البر کا فریضہ انجام دیں۔

اور دوسری جانب امام صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے کسب حلال میں
لگنے نہ لگنے سے متعلق جو بعض مکاتب فکر میں افراط و تفریط پائی جاتی ہے
ان کی اصلاح فرمائی ہے اور ان کے دلائل کے تسلی بخش جواب دے کر
انہیں راہ اعتدال پر آنے اور خود ساختہ معیار زندگی سے منہ موڑ کر اسوہ
حسنہ کی پیروی اختیار کرنے کی تلقین فرمائی ہے تاکہ امت مرحومہ کا ہر فرد
"صراط مستقیم" پر چل کر دنیا میں "حیات طیبہ" اور آخرت میں "حیات
مرضیہ" سے سرفراز ہو۔

حضرت امام محمد بن الحسن شیبانی رحمتہ اللہ علیہ کی شخصیت محتاج
تعارف نہیں یہ امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے ان بلند
پایہ شاگردوں میں سے ہیں جن کی رائے فقہ حنفی کے لئے سند ہے اور ان
کی کتاب کی تشریح بھی ایسی شخصیت نے کی ہے جو اپنے زمانہ کے مایہ ناز
مرجع الخلائق فقیہ اور زاہد تھے جنہیں ہم شمس الائمہ فخرالاسلام ابوبکر محمد
بن ابی سہل علامہ سرخسی کے نام سے جانتے ہیں۔

حالات حاضرہ میں ایسی کتاب وقت کی ایک اہم ضرورت تھی چنانچہ
ہمارے محسن و مربی استاد محترم و برادر معظم حضرت مولانا قاری حسان احمد
صاحب مظاہری دامت برکاتہم کو اس کتاب کا ترجمہ کرنے کا خیال پیدا
ہوا۔ تاکہ ہمارے اردو داں طبقہ کو بھی امام صاحب کی اس کتاب سے
استفادہ کا موقع ملے اور انہوں نے ہماری استعداد کی پختگی کی خاطر اس

ناچیز اور برادر مکرم جناب قاری عبداللہ صاحب مظاہری کو اس کے ترجمہ
پر مامور فرمایا۔ دونوں نے مل کر ۱۴۰۳ھ میں ہی اس کی ابتداء کر دی تھی
مگر چونکہ وہ ہماری طالب علمی کا زمانہ تھا اس لئے اس میں وقتاً فوقتاً
انقطاع ہوتا رہا اور مشاغل کے ہجوم کی وجہ سے ہمارے بھائی جان زیادہ
ساتھ نہ دے سکے تو اس کی تکمیل خود مجھے کرنی پڑی تاآنکہ بحمد اللہ ۱۴۰۹ھ
میں یہ ترجمہ مکمل ہوا۔

پھر ۱۴۱۰ھ میں تعلیم سے فراغت کے بعد خیال ہوا کہ اس پر نظر
ثانی کروں لیکن میں نے اس کام کو دوبارہ نئے سرے سے شروع کیا اور
صرف ترجمہ پر اکتفا کرنے کے بجائے موقع کے مناسب ائمہ سلف صالحین
کی تشریحات اور متقدمین و متاخرین علمائے راسخین کی تحقیقات کا اضافہ
بھی کر دیا۔

مجھے اس بات کا احساس ضرور ہے کہ تصنیف و تالیف ایک اہم
ذمہ داری ہے اس کے ساتھ اپنی بے مائیگی اور ناتجربہ کاری ہے اس لئے
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ ترجمہ کرتے وقت میں نے اس بات کا
خاص خیال رکھا ہے کہ ترجمہ بامحاورہ اور سلیس ہو اور اضافہ و تحقیق کے
وقت علمائے اعلام کے اقوال کا سہارا لیا ہے مگر پھر بھی بعض مواقع میں
مجھے اظہار خیال کی نوبت آئی ہے جس میں احتمال خطا بھی ممکن ہے لہٰذا
ارباب علم سے مخلصانہ درخواست ہے کہ وہ ان پر مطلع ہو کر اس ناچیز کو
بھی متنبہ فرمائیں اور مفید مشوروں سے رہنمائی فرمائیں وما توفیقی
الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔ اللھم لا تجعل الدنیا اکبر
ھمنا ولا مبلغ علمنا۔ ونسالک الھدیٰ والتقیٰ والعفاف

والغنٰی ۔ ونسالک علما نافعا ورزقا حلالا طیبًا و تجارۃ لن تبور۔ وصلی اللہ تعالٰی علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد وآلہ وصحبہ وسلم تسلیما کثیرا۔

بندہ ولی اللہ صدیقی

جمادی الاٰخرہ ۱۴۱۵ھ مدینہ منورہ

مقدمہ الکتاب

الحمدللہ رب العالمین وصلی اللہ علٰی سیدنا محمد و آلہ وصحبہ اجمعین۔ حضرت امام اجل (عارف و) زاہد شمس الائمہ فخر الاسلام علامہ ابو بکر محمد بن ابی سہل سرخسیؒ نے اپنی مرویات شاگردوں کو املاء کراتے ہوئے ارشاد فرمایا: "جب میں نے تمہاری فرمائش پر اپنی استطاعت کے مطابق تمام آثار مشہورہ کے ساتھ نیز امام محمد رحمتہ اللہ علیہ کی تصنیفات میں مذکورہ اشاروں کی نشاندہی کرتے ہوئے حاکم شہید کی مختصر نامی کتاب کی شرح تمہیں املا کرادی تاکہ وجوہ ترجیح نیز طریقہ ہائے استنباط تمہارے سامنے کھل کر ظاہر ہو جائیں تو مجھے مناسب معلوم ہوا کہ ساتھ ساتھ تمہیں ایک اور کتاب یعنی "الکسب" (۱☆) کی شرح بھی املا کرادوں جسے محمد بن سماعہ رحمہ اللہ حضرت امام محمد رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب "المختار" کے مصنف علامہ مجد الدین ابو الفضل عبداللہ بن محمود بن مودود موصلی حنفی م ۶۸۳ھ نے اپنی کتاب کی شرح "الاختیار تعلیل المختار" میں اس کتاب کا خلاصہ بروایت محمد بن سماعہ ہی نقل کیا ہے جس سے ایک تو یہ واضح ہوتا ہے کہ اس کتاب کی نسبت امام محمدؒ کی طرف بالکل درست ہے اور دوسرے یہ کہ زیر نظر کتاب امام محمدؒ کی اصل کتاب کی شرح ہے نہ کہ خلاصہ کتاب ہے جیسا کہ بعض عصر حاضر کے محققین کی رائے ہے۔ واللہ اعلم ۱۲

اگرچہ یہ کتاب حضرت امام صاحبؒ کی جملہ تصانیف میں سے ہے مگر چونکہ (امام صاحب کے مشہور شاگردوں میں سے) ابو حفص اور ابو

سلیمان جوزجانی میں سے کسی نے بھی امام محمدؒ سے اس کتاب کی سماعت نہیں کی۔ (نیز یہ امام صاحبؒ کی آخری تصانیف میں سے ہے) لہٰذا یہ کتاب زیادہ شہرت نہ پا سکی اور اسی وجہ سے حاکم شہید رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب "المختصر" میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں فرمایا۔

بہر کیف اس کتاب مستطاب میں وہ علوم ہیں جن سے نہ لاعلم رہنا کسی طور سے مناسب ہے اور نہ ہی ان سے پہلو تہی کرنے کی کوئی گنجائش ہے۔ اور اگر اس کتاب سے استفادہ کرنے والوں کے لئے اس میں سوائے اس ترغیبی مضمون کے اور کچھ نہ ہوتا کہ وہ بھی اپنی ضروریات کے لئے کمانے والوں کے شرکائے کار ہو کر رہیں اور اپنی کوشش وپیروی اور قوت بازو سے اپنے معاش کا بندوبست کریں تو بھی اس قسم کے علم کی اشاعت ہر فرد پر واجب تھی۔

اور ہمارے امام صاحب رحمہ اللہ نے اسی موضوع کو قرآن واحادیث کی روشنی میں بیان فرمایا ہے لہٰذا ہم انہی مرویات کو تبرکاً بعینہٖ نقل کریں گے ساتھ ہی ساتھ اہل اصول نے اس سے متعلق جو اظہار رائے فرمایا ہے اسے بھی درج کریں گے نیز جو معانی ومطالب اپنے خیال میں مناسب ہوں گے اسے بھی شامل کردیں گے۔

باب (لفظ اکتساب کا معنی)

اہل لغت کے محاورہ میں "اکتساب" کے مفہوم سے "مال کا حلال ذرائع سے حاصل کرنا" اور ویسے یہ لفظ درحقیقت تمام قسم کی کمائی کو

شامل ہے چنانچہ (حلال کمائی سے متعلق) حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

انفقوا من طیبات ما کسبتم

(البقرہ نمبر ۲۶۷)

ترجمہ: "خرچ کرو عمدہ چیز کو اپنی کمائی میں سے"۔

اور (دوسرے معنی میں) حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم

(شوریٰ۔ نمبر ۳۰)

ترجمہ: "اور جو پڑے تم پر کوئی سختی سو وہ بدلہ ہے اس کا جو کمایا تمہارے ہاتھوں نے"۔

یعنی گناہ کرنے کی وجہ سے اس جگہ ارتکاب معاصی کو کسب (کمائی) سے تعبیر کیا گیا۔

نیز آیت سرقہ میں ارشاد ہے:

جزاء بما کسبا۔

ترجمہ: بدلہ ان کی کمائی کے۔ (المائدہ۔ نمبر ۳۸)

"(یعنی انہوں نے جو ممنوعہ عمل کا ارتکاب کیا اس کی وجہ سے")۔

تو معلوم ہوا کہ اس لفظ کا استعمال موقع اور محل کے اعتبار سے ہر جگہ ہوسکتا ہے ہاں مگر جب مطلق لفظ کسب استعمال ہو تو اس سے مراد مال ودولت کی کمائی ہی ہوتی ہے۔

کسب معاش کی ترغیبات

پھر امام محمد رحمہ اللہ نے کتاب کی ابتداء اپنے اس ارشاد سے فرمائی :

"حلال کمائی کی طلب ہر مسلمان پر اسی طرح فرض ہے جیسا کہ علم دین سیکھنا فرض ہے"۔

اور انہی الفاظ کے ساتھ ایک مرفوع روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

طلب الکسب فریضة علی کل مسلم (عہ)

....

(عہ) :۔ طلب الحلال واجب علی مسلم رواہ فی الجامع الصغیر ص۵۲۷۲۔

ترجمہ : "حلال کمائی کی طلب ہر مسلمان پر فرض ہے"۔

نیز ایک روایت میں ہے :

طلب الکسب بعد الصلاۃ المکتوبة الفریضة بعد الفریضة (عہ)

....

(عہ) :۔ طلب الحلال فریضة بعد الفریضہ

اخرجه الطبرانی والبیہقی فی الشعب کذا فی المغنی ۱/۱۶۱۔

(ف) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :

"مطلب یہ ہے کہ حلال مال کا حاصل کرنا فرض ہے بعد اور فرضوں کے یعنی ان فرضوں کے بعد جو ارکان اسلام ہیں جیسے نماز روزہ وغیرہ یعنی مال حلال کی طلب فرض تو ہے مگر اس فرض کا مرتبہ دوسرے فرض سے کم ہے جو کہ ارکان اسلام ہیں اور یہ فرض اس کے ذمہ ہے جو مال کا ضروری خرچ کیلئے محتاج ہو مثلاً صاحب جائیداد ہے یا اور کسی طرح سے اس کو مال مل گیا تو اس کے ذمہ یہ فرض نہیں رہتا اس لئے کہ مال کو حق تعالیٰ شانہ نے حاجتوں کے رفع کرنے کے لئے پیدا کیا ہے تا کہ بندہ ضروری حاجتیں پوری کر کے اللہ تعالیٰ شانہ کی عبادت میں مشغول ہو کیونکہ بغیر کھائے پیئے عبادت نہیں ہو سکتی پس مال مقصود لذاتہ نہیں بلکہ مطلوب لغیرہ ہے سو جب ضرورت کے قابل میسر ہو گیا تو خواہ مخواہ حرص کی وجہ سے اس کو طلب کرنا اور بڑھانا نہیں چاہئے بلکہ مال کی حرص خدا تعالیٰ سے غافل کرنے والی اور اس کی کثرت گناہوں میں مبتلا کرنے والی ہے خوب سمجھ لو"۔

(بہشتی زیور ص۵)

ترجمہ : "حلال کمائی کی تلاش فرض نماز کے بعد ایسا ہی فریضہ ہے جیسے ایک

فرض کے بعد دوسرا فرض"۔

نیز ارشاد نبویؐ ہے:

طلب الحلال کمقارعة الابطال ومن بات ناویا من طلب الحلال بات مغفورا لہ (عہ)

....

(عہ) :۔ روی مثلہ فی منتخب کنز العمال بھامش مسند احمد ۲۰۹/۲۔ ورواہ البیہقی فی الشعب (کذا فی حاشیة الحث علی التجارة ص۳۰) ورواہ فی الجامع الصغیر ص۲/۵۲ بلفظ "طلب الحلال جھاد"۔

ترجمہ : "حلال کمانا ایسا ہے جیسے بہادروں سے مقابلہ اور جس نے حلال کی طلب میں گھر سے دور رات گزاری تو اس کی رات مغفرت کے ساتھ گزری"۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کمانے کی اہمیت

امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حلال کمائی کو (نفلی) جہاد سے افضل قرار دیتے تھے چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے:

"میں اللہ تعالیٰ کے فضل (یعنی روزی) کی تلاش میں گھومتا ہوا مرجاؤں یہ میرے لئے زیادہ اس سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ راہ خدا میں (نفلی) جہاد کرتا ہوا مارا جاؤں"۔ (عہ)

....

(عہ) :۔ ذکر مثلہ ابن الجوزی فی مناقب عمر معلقة (کذا فی الحث علی التجارة) والمشھور عنہ "واللہ لان اموت فی وجہ من ھذہ الوجوہ ابتغی بمالی من فضل اللہ احب الی من ان اموت علی فراشی ولو قلت انھا شھادة لرایت انھا شھادة۔ رواہ الخلال فی الحث علی التجارة ص۱۰۔

نیز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے:

"اطلبوا الرزق فی خبایا الارض۔ یعنی تم اپنی روزی کو زمین کے پوشیدہ خزانوں میں تلاش کرو۔

نیز آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے لایقعد احدکم عن طلب الرزق۔ یعنی تم میں سے کوئی شخص بھی طلب رزق کی جدوجہد میں پست ہو کر نہ بیٹھ جائے۔

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ سید مرتضیٰ زبیدی شرح احیاء العلوم میں حضرت عمرؓ کے اس ارشاد کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ای لا بد للعبد من حرکة ومباشرة سبب من الاسباب یتحصل بہ طریق الوصول الی الرزق۔

ترجمہ : "ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ جائز اسباب معیشت میں سے کسی سبب اور وسیلہ کو ضرور اختیار کرے کہ جس سے وہ رزق حاصل کرسکے"۔

(اسلام کا اقتصادی نظام ص ۶۳)

کیونکہ حق تعالیٰ شانہ نے قرآن پاک میں ان لوگوں (کے ذکر) کو راہ خدا میں جہاد کرنے والوں سے مقدم فرمایا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وآخرون یضربون فی الارض یبتغون من فضل اللہ وآخرون یقاتلون فی سبیل اللہ

(سورہ مزمل نمبر ۲۰)

ترجمہ : "اور کتنے لوگ پھریں گے ملک میں ڈھونڈتے اللہ کے فضل کو اور کتنے لوگ لڑتے ہوں گے اللہ کی راہ میں"۔

خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کے نزدیک محنت مزدوری کرنے والوں کا مقام

ایک حدیث شریف میں وارد ہے :

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صافح سعد بن معاذ یوما فاذا یداہ قداکنبتا فسالہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک فقال اضرب بالمر والمسحاۃ فی نخیلی لانفق علی عیالی فقبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدہ وقال کفان یحبھما اللہ تعالیٰ۔

ترجمہ : "نبی کریم ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ایک روز مصافحہ فرمایا تو آپ کو ان کے ہاتھوں میں سختی محسوس ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے اس کا

سبب دریافت فرمایا انہوں نے عرض کیا کہ میں اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے کے لئے اپنے باغ میں کدال اور پھاوڑے چلاتا ہوں تو حضور اکرم ﷺ نے ان کا ہاتھ چوم لیا اور فرمایا یہ ہتھیلیاں اللہ تعالیٰ کو بھی پیاری ہیں"۔ (عہ)

....

(عہ) :۔ ذکرہ ابن حجر فی الاصابۃ ۳۶٫۳۔

اور یہ سعد بن معاذؓ وہ مشہور صحابی نہیں جو کہ اوس کے سردار تھے۔

علامہ غزالی رحمہ اللہ نے احیاء العلوم میں اسی سلسلہ کی ایک روایت طبرانی سے نقل فرمائی ہے کہ :

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جالسا مع اصحابہ ذات یوم فنظروا الی شاب ذی جلد وقوۃ وقد بکر یسعی فقالوا ویح ھذا لوکان شبابہ وجلدہ فی سبیل اللہ فقال صلی اللہ علیہ وسلم لاتقولوا ھذا فانہ ان کان یسعی علی نفسہ لیکفھا عن المسالۃ ویغنیھا عن الناس فھو فی سبیل اللہ وان کان یسعی علی ابوین ضعیفین اوذریۃ ضعاف لیغنیھم ویکفیھم فھو فی سبیل اللہ وان کان یسعی تفاخرا وتکاثرا فھو فی سبیل الشیطان۔

(احیاء ۲/۷۰)

ترجمہ : "ایک روز حضور اکرم ﷺ صحابہ کے ہمراہ تشریف فرما تھے کہ صحابہ کی نظر ایک نوجوان تندرست زور آور پر پڑی جو سویرے سویرے کاروبار کے لئے جا رہا تھا۔ صحابہ نے کہا برا ہو اس کا (کاش کہ) اس کی جوانی اور تندرستی راہ خدا میں کام آتی تو نبی کریم ﷺ نے (حاضرین کے اس تبصرے کو سن کر) ارشاد فرمایا ایسا مت کہو۔ کیونکہ اگر وہ اپنی حاجت براری کیلئے کوشش کر رہا ہے تاکہ سوال کرنے اور لوگوں کا دست نگر بننے سے اپنے آپ کو بچا سکے تو یہ راہ خدا ہی میں ہے نیز اگر وہ ضعیف العمر والدین یا کم سن بچوں کی ضروریات پوری کرنے اور محتاجگی رفع کرنے کے لئے کوشاں ہے تو یہ بھی راہ خدا میں ہے اور اگر اس کا مقصد اس تگ و دو سے محض مال و دولت کی فراوانی اور فخر و غرور ہے تو پھر (بلاشبہ) یہ شیطانی راہ پر گامزن ہے۔"

نیز حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ نے فضائل تجارت میں اس مضمون کی متعدد روایات جمع فرمائی ہیں چنانچہ ایک روایت ابو داود' نسائی اور ترمذی کے حوالہ سے نقل فرمائی ہے :

عن انس رضی اللہ عنہ ان رجلا من الانصار انی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فساله فقال اما فی بیتک شیء ؟قال بلی حلس نلبس بعضه ونبسط

بعضه وقعب نشرب فيه من الماء قال ائتنى بهما فاتاه بهما فاخذهما رسول الله ﷺ بيده وقال من يشترى هذين؟ قال رجل انا آخذهما بدرهم قال رسول الله ﷺ من يزيد على درهم؟ مرتين او ثلاثا قال رجل انا آخذهما بدرهمين فاعطاهما الانصارى وقال اشتر باحدهما طعاما فانبذه الى اهلك واشتر بالآخر قدوما فائتنى به فاتاه به فشد فيه رسول الله ﷺ عودا بيده ثم قال اذهب فاحتطب ولا ارينك خمسة عشر يوما ففعل فجاء وقد اصاب عشره دراهم فاشترى ببعضها ثوبا وببعضها طعاما فقال رسول الله ﷺ هذا خير لك من ان تجىء المسالة نكتة فى وجهك يوم القيامة

(از فضائل تجارت ص۲۵)

ترجمہ : "حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک انصاری صحابی نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور کچھ مال کا سوال کیا آپ نے فرمایا تمہارے گھر میں کچھ نہیں؟ ان انصاری نے عرض کیا ہاں ہے' ایک ٹاٹ ہے جس کا کچھ حصہ کو پہنتا ہوں اور کچھ کو بچھا کر سوتا ہوں اور ایک پیالہ ہے جس میں پانی پیتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا ان دونوں کو لے آؤ وہ انصاری لے آئے حضور اقدس ﷺ نے ان

دونوں چیزوں کو ہاتھ میں لے کر فرمایا ان کو کون خرید تا ہے؟ ایک آدمی نے کہا ان دونوں کو ایک درہم میں لے لوں گا حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ایک درہم سے زیادہ میں کون لے گا؟ دو تین دفعہ یہ اعلان فرمایا ایک آدمی نے عرض کیا میں دو درہم میں لے لوں گا آپ نے وہ دونوں درہم لے کر انصاری کو عطا فرمادیئے اور فرمایا کہ ایک درہم سے کچھ کھانے کی چیز خرید کر گھر والوں کے پاس پھینکو اور دوسرے کی کلہاڑی خرید کر میرے پاس لے آؤ وہ لے آئے تو حضور اقدس ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اس میں دستہ لگایا اور ان انصاری سے فرمایا جاؤ لکڑیاں کاٹو اور بیچو اور دیکھو پندرہ دن تک تمہیں میں ہرگز نہ دیکھوں ان انصاری نے ایسا ہی کیا پھر پندرہ دن بعد اس حال میں آئے کہ دس درہم نفع کما چکے تھے بعض کا کپڑا خریدا اور بعض درہم کے کھانے کی چیزیں خریدیں اس پر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا یہ تمہارا خود محنت کر کے کمانا تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ قیامت کے دن اس حال میں آؤ کہ سوال کا داغ تمہارے چہرہ پر ہو۔

....

(ف) :۔
حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ضروری اخراجات کے لئے کمانے پر انسان کو اونچا مرتبہ حاصل ہوتا اور بلاشبہ ایسا اعلیٰ مرتبہ کسی

فریضہ کی ادائیگی پر ہی حاصل ہوتا ہے۔

کمائی اور فرض عبادات کے درمیان تعلق

نیز چونکہ کمائے بغیر آدمی فرائض کی ادائیگی تک پہنچ ہی نہیں سکتا (یعنی فرض عبادت کے ادا کرنے کی اہلیت پیدا کرنے میں معاشی سرگرمیوں کا براہ راست دخل ہے) لہٰذا یہ ایسا ہی ہے جیسے نماز کے لئے طہارت (شرط ہے) اس کی وضاحت کی کئی صورتیں ہیں :

ایک یہ کہ انسان فرض عبادات بجالانے کے قابل اسی وقت ہوتا ہے جب کہ اس کے اندر قوت عمل موجود ہو اور یہ عادہ خوراک سے ہی حاصل ہوتی ہے' اور خوراک حاصل کرنے کے طریقے تو متعدد ہیں جیسے محنت مزدوری سے کمانا یا زور زبردستی سے کسی کے مال پر قبضہ جمالینا یا لوٹ مار کرکے پیٹ پالنا مگر لوٹ کھسوٹ تو عتاب الٰہی کا موجب ہے اور زور زبردستی سے کسی کا مال ہتھیالینا بھی فتنہ انگیزی ہے اور یہ بھی حق تعالیٰ شانہ کی ناراضگی کا سبب ہے لہٰذا (حلال طریقہ سے) خوراک حاصل کرنے کے لئے ایک یہی راہ متعین ہے کہ آدمی محنت مزدوری کرے۔ اور نفس کا خیال رکھنے کے متعلق خود حضور اکرم ﷺ نے تاکید ارشاد فرمائی ہے چنانچہ آپ کا ارشاد ہے :

نفس المومن مطیتہ فلیحسن الیھا۔ (عہ)

....

(عہ) :۔ لم اجد بھذا لفظ وانما وجدت فی مسند احمد ۱۷۵،۲ بلفظ یا حمزہ نفس تحییھا

احب الیک ام نفس تمیتها قال بل نفس احییها قال علیک بنفسک۔ ورواہ ایضا فی المطالب العالیہ ۲ر۱۸۷۔

ترجمہ : "مومن کا نفس اس کی سواری ہوتا ہے تو اسے چاہئے کہ اس کے ساتھ احسان کا معاملہ کرے"۔

یہاں احسان کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس کی ضروریات مہیا کرے اور اس سے اسے محروم نہ کرے۔ اور ایسا کرنا بغیر کمائے ناممکن ہے۔

نیز اس کی وضاحت کی ایک صورت یہ ہے کہ اتنا ہر شخص جانتا ہے کہ نماز بغیر طہارت کے نہیں ہو سکتی ہے اور اس کے واسطے پانی مہیا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ کوزہ (پیالہ لوٹا وغیرہ) ہو یا ڈول رسی وغیرہ ہو تا کہ کنویں سے پانی لیا جاسکے۔ نیز اسے اس طرح بھی سمجھنا چاہئے کہ نماز بغیر ستر پوشی کے ممکن نہیں اور لباس ہی ستر پوشی کے کام آتا ہے اور اس کا حصول بھی عادہ کمانے پر ہی موقوف ہے اور (یہ قاعدہ ہے کہ) جس شے پر کسی فرض کی ادائیگی موقوف ہو وہ بذات خود فرض ہو جاتی ہے۔

کمانا انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے

کسب حلال تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے اور انبیاء و مرسلین کی اتباع اور ان کے طریقے پر چلنے کا ہمیں حکم ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

فبهداهم اقتده

(انعام ۹۰)

ترجمہ : "سو تو چل ان کے طریقے پر"۔

اور سب سے پہلے جنہوں نے محنت مشقت سے روزی کمائی وہ ابو البشر حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام ہیں جس کے ثبوت میں حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے :

فلا یخرجنکما من الجنة فتشقی۔

(سورہ طہ ۱۱۷)

ترجمہ : "سو کہیں (شیطان) تمہیں جنت سے نہ نکلوا دے پھر مصیبت (اکتساب معاش) میں پڑ جاؤ (آخر کھانے پینے رہنے سہنے کی تدبیریں کرنی پڑیں گی)

....

(ف) : لفظ تشقی شقاوت سے مشتق ہے یہ لفظ دو معنی میں مستعمل ہے ایک شقاوت آخرت دوسرے شقاوت دنیا یعنی جسمانی مشقت و مصیبت، اس جگہ یہی دوسرے معنی مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ پہلے معنی میں کسی پیغمبر کے لئے تو کیا کسی مسلمان کے لئے بھی یہ لفظ نہیں بولا جا سکتا اس لئے فراء نے اس شقاوت کی تفسیر یہ کی ہے :

ھو ان یاکل من کد یدہ۔

یعنی شقاوت سے مراد اس جگہ یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں کی محنت سے خوراک حاصل کرنا پڑے گی۔" (قرطبی)

یہی مفہوم جمہور مفسرین نے لکھا ہے۔ (معارف

(القرآن ۱۳۴/۶)

کمانا اور تجارت کرنا منصب نبوت کے منافی نہیں

کفار یہ کہتے تھے کہ اگر یہ (یعنی نبی کریم ﷺ) پیغمبر ہوتے تو عام انسانوں کی طرح کھاتے پیتے نہیں اور کسب معاش کیلئے بازاروں میں نہ پھرتے۔ اس اعتراض کی بنیاد پر بہت سے کفار کا یہ خیال ہے کہ اللہ کا رسول انسان نہیں ہو سکتا فرشتہ ہی رسول ہو سکتا ہے جس کا جواب قرآن کریم میں جا بجا آیا ہے اور سورہ فرقان میں اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ جن انبیاء کو تم بھی نبی و رسول مانتے ہو وہ بھی تو انسان ہی تھے انسانوں کی طرح کھاتے پیتے بازاروں میں پھرتے تھے جس سے تمہیں یہ نتیجہ نکال لینا چاہئے تھا کہ کھانا پینا اور بازار میں پھرنا منصب نبوت اور رسالت کے خلاف نہیں۔ حق تعالیٰ شانہ نے حضورؐ کی نسبت اعتراض کرنے والوں کا قول نقل فرمایا کہ:

وقالوا مال هذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق۔

(سورہ فرقان/۷)

ترجمہ: "یہ کافر لوگ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت) یوں کہتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہوا کہ وہ (ہماری طرح) کھانا بھی کھاتا ہے اور (انتظام معاش کے لئے ہماری ہی طرح) بازاروں میں چلتا پھرتا ہے"۔

پھر حق تعالیٰ شانہ نے اس کا جواب یوں ارشاد فرمایا:

وما ارسلنا قبلک من المرسلین الا انهم لیاکلون الطعام ویمشون فی الاسواق۔

(فرقان/۲۰)

ترجمہ: "ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے سب کے سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں (کسب معاش کے لئے) چلتے پھرتے تھے"۔

مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ تمام انبیائے کرام کھانا کھاتے اور کمانے اور تجارت کے لئے بازار جایا کرتے تھے اور یہ ان کی شان اور منصب نبوت کے خلاف نہ تھا۔ (تفسیر ابن کثیر ۳/۲۹۴)

بعضے پیغمبر اور بزرگوں کے ہاتھ کے ہنر کا بیان

حضرت آدم علیہ السلام نے کھیتی کی ہے اور آٹا پیسا ہے اور روٹی پکائی ہے۔ حضرت ادریس علیہ السلام نے لکھنے کا اور درزی کا کام کیا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے لکڑی تراش کر کشتی بنائی ہے جو بڑھئی کا کام ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام تجارت کرتے تھے۔ حضرت صالح علیہ السلام بھی تجارت کرتے تھے۔ حضرت ذوالقرنین جو بہت بڑے بادشاہ تھے اور بعضوں نے ان کو پیغمبر بھی کہا ہے وہ زنبیل بنتے تھے جیسے یہاں ڈلیا ٹوکریاں ہوتی ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھیتی کی ہے اور تعمیر کا کام کیا ہے خانہ کعبہ بنایا تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام تیر بنا کر نشانہ لگاتے تھے۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے سب فرزند بکریاں چراتے تھے اور ان کے بال بچوں کو فروخت کرتے

تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے غلہ کی تجارت کی ہے جب قحط پڑا تھا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے ہاں اونٹ بکریوں کے بچے بڑھتے تھے اور کھیتی ہوتی تھی۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے یہاں بکریاں چرائی جاتی تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کئی سال بکریاں چرائی ہیں اور ان کے نکاح کا یہی مہر تھا۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے تجارت کی ہے۔ حضرت الیسع علیہ السلام کھیتی کرتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے جو کہ لوہار کا کام ہے۔ حضرت لقمان علیہ السلام بڑے حکمت والے عالم ہوئے ہیں بعضوں نے ان کو پیغمبر بھی کہا ہے۔ انہوں نے بکریاں چرائی ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام زنبیل بنتے تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک دوکاندار کے ہاں کپڑے رنگے تھے۔ ہمارے پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کا بلکہ سب پیغمبروں کا بکریاں چرانا ابھی بیان ہوچکا اگرچہ ان پیغمبروں کا گذران ان چیزوں پر نہ تھا مگر یہ کام کئے تو ہیں ان سے عار تو نہیں کی اور بڑے بڑے عالم جن کی کتابوں کا مسئلہ سند ہے ان میں سے کسی نے کپڑا بنا ہے کسی نے چمڑے کا کام کیا ہے کسی نے جوتی سینے کا کام کیا ہے کسی نے مٹھائی بنائی ہے پھر ایسا کون ہے جو ان سب سے توبہ توبہ عزت دار ہے۔ (بہشتی زیور ۱۰؍۲۰)

سلف صالحین کے کاروبار

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم ۲؍۹۵ میں لکھا ہے کہ سلف صالحین اور بزرگان دین کا ذریعہ معاش اکثر مندرجہ ذیل کاروباروں میں سے کوئی

ایک ہوا کرتا تھا۔ نگینوں اور جواہرات کا کاروبار، تجارت، مزدوری، درزی کا پیشہ، جراب موزے اور جوتے وغیرہ تیار کرنا، لحم فروشی، آہنگر سوت کاتنا، بحر و بر کے شکار اور ان کی خرید و فروخت اور کاغذ سازی وغیرہ۔

اور علامہ سمعانیؒ کی کتاب "الانساب" سے مولانا عبدالقیوم حقانی نے اپنی کتاب "پیشہ رزق حلال اور ارباب علم و کمال" میں کسانوں، چرواہوں، دستکاروں، صنعت والوں، تاجروں، کاریگروں، پارچہ بانوں، پارچہ فروشوں، درزیوں، دھوبیوں، روغن سازوں، قصابوں، حلوائیوں، آٹا پیسنے والوں، صابن سازوں، صیقل گروں، شیشہ تیار کرنے والوں، لوہاروں، بڑھیوں، لکڑہاروں، شکار کرنے والوں، جراب موزے تیار کرنے والوں اور مزدوروں کے پیشوں سے منسلک علماء، فقہاء، محدثین، مفسرین اور ائمہ اسلام کی ایک طویل فہرست نقل کی ہے۔ من شاء فلیراجعہ۔ ۱۲۔

ابن قتیبہ نے اپنی کتاب المعارف "فصل فی صناعات الاشراف" کے تحت متعدد صحابہ و اشراف عرب کا ذکر کیا جن کا کسی نہ کسی پیشہ اور کاروبار سے تعلق تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عثمان غنیؓ اور حضرت طلحہؓ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ پارچہ فروشی سے منسلک تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تیر تیار کیا کرتے تھے اور حضرت زبیرؓ نیز حضرت عمرو بن العاصؓ لحم فروشی (قصائی) کا کام کرتے تھے۔ حضرت عثمان بن طلحہ جنہیں خانہ کعبہ کی کنجی کی تولیت حاصل تھی وہ درزی کا کام کرتے تھے۔ اسی طرح ابن قتیبہ نے اس فصل کے ذیل میں اور بھی متعدد

صحابہ و اشراف قریش کے کاروبار کا ذکر فرمایا ہے۔ (نقلا عن حاشیہ کتاب الکسب)

علامہ غزالیؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت لقمان حکیمؒ کی اپنے بیٹے کو ایک نصیحت یہ بھی تھی کہ بیٹا! حلال کمائی سے فقر اور تنگ دستی پر مدد حاصل کرنا کیونکہ فقر سے تین برائیاں آتی ہیں۔ دین میں کمزوری، عقل میں کمی، اور مردانگی کا فقدان اور ان سب سے بھاری یہ کہ لوگ ایسے شخص کو بے حقیقت اور نکما خیال کرتے ہیں۔ نیز امام غزالی نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابو قلابہ نے ایک شخص سے فرمایا کہ تمہیں تحصیل معاش میں لگا دیکھ کر مجھے اس سے زیادہ خوشی ہوگی کہ میں تمہیں کسی مسجد میں گوشہ نشین دیکھوں۔

روایت ہے کہ امام اوزاعیؒ نے ایک بار حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کو دیکھا کہ لکڑی کا گٹھا سر پر لادے چلے جا رہے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا اے ابو اسحٰق (حضرت ابراہیم کی کنیت) آپ کب تک اس طرح بوجھا ڈھو ڈھو کر گزارہ کریں گے اس محنت مشقت کو رہنے دیجئے آپ کے ساتھی لوگ آپ کی ضروریات کا بندوبست کرنے کو بہت کافی ہیں۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا ابو عمر! مجھے اس سے معاف رکھ، میں نے سنا ہے کہ جو شخص طلب حلال کے لئے شرمندگی اٹھاتا ہے اس کے لئے جنت واجب ہے!۔

حضرت ابو سلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ عبادت نہیں کہ تم تو اپنا پیر سمیٹ لو اور دوسرے تمہارے کھانے پینے کا انتظام کریں بلکہ اپنی روزی روٹی کا انتظام خود کرو پھر عبادت میں لگو۔

اسی نوع کی متعدد روایات نقل کرنے کے بعد امام غزالی فرماتے ہیں جس کے پاس موروثی مال نہ ہو اسے اس مشکل سے کسب اور تجارت ہی نجات دلا سکتے ہیں۔ (احیاء العلوم ۲/۷۲)

....

(ت) :۔ روایت میں آتا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے انہیں گندم لا کر دی اور کہا کہ اس کی کاشت کیجئے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اسے بویا اور پانی سے سینچا پھر (تیار ہونے پر) اسے کاٹا پھر اسے روندا اور پیسا اور اس کی روٹی پکائی۔ جب روٹی پک کر تیار ہوئی تو عصر کا وقت ہو چلا تھا اتنے میں جبریل امینؑ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ پروردگار عالم کا سلام قبول کیجئے اور رب کریم کا یہ حکم ہے کہ اگر آج آپ روزہ رکھ لیں تو آپ کی لغزش معاف ہو جائے گی اور آپ کی سفارش آپ کی ذریت کے حق میں قبول ہوگی۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے روزہ رکھ لیا مگر آپ اس فکر میں ضرور تھے کہ کسی طرح جلد اس روٹی کا مزہ چکھ لیں کہ آیا اس روٹی میں جنتی کھانے کا سا مزہ ہے یا نہیں۔ اسی وقت سے ہر روزہ دار عصر کے بعد کھانا کھانے کے لئے بے چین و بے قرار ہونے لگا۔

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام بڑھئی کا کام کرتے اور اپنی کمائی سے خورد و نوش کا انتظام فرماتے تھے۔ اور حضرت ادریس علیہ السلام درزی کا کام کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پارچہ فروشی فرماتے تھے چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے :

علیکم (عه) بالبز فان اباکم کان بززا۔

(عه) :۔ فی کنز العمال ۴٫۲۲ علیکم بالبز فان فیہ تسعة اعشار البرکة (ح ک) وروی ابو نعیم فی الحلیة ۹٫۱۳ عن اسحٰق بن یسار انه کان یمر بالبزازین فیقول الزموا تجارتکم فان اباکم ابراهیم علیه السلام کان بززا۔ (الحث علی التجارة ص۳٦)

ترجمہ : "کپڑے کی تجارت کو لازم پکڑو کیوں کہ تمہارے ابا (حضرت ابراہیم علیہ السلام) پارچہ فروشی فرماتے تھے"۔

حضرت داؤد علیہ السلام بھی اپنی قوت باز سے کما کر کھاتے تھے۔ چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ آپ (بادشاہ وقت ہونے کے باوجود) اکثر بھیس بدل کر نکلا کرتے اور اپنی رعایا سے بادشاہ وقت (یعنی اپنے) اخلاق اور معاملات کے متعلق دریافت فرماتے۔ ایک بار حضرت جبرئیلؑ ایک نوجوان کی شکل میں ان سے مل گئے آپ نے انہی سے عرض کیا کہ اگر ان میں ایک کمی نہ ہو تو وہ بہت ہی اچھا آدمی ہے آپ نے پوچھا وہ کیا بات ہے انہوں نے کہا کہ وہ بیت المال سے گزارہ کرتے ہیں حالانکہ لوگوں میں بہترین شخص وہ ہے جو خود کما کر کھائے' یہ سن کر حضرت داؤد علیہ السلام اپنی عبادت گاہ کی طرف گریہ کناں لوٹے اور دعا کرنے لگے کہ اے میرے پروردگار مجھے کوئی ایسا ہنر نصیب فرما جو مجھے بیت المال سے مستغنی کردے چنانچہ حق تعالیٰ شانہ نے انہیں زرہ کی صنعت نصیب فرمائی اور ان کے ہاتھوں میں لوہے کو اس قدر نرم کردیا کہ جیسے

لوگوں کے لئے گوندھا ہوا آٹا۔

ارشاد باری ہے :

والنا له الحديد۔

(السباء۔ ۱۰)

ترجمہ : اور ہم نے نرم کردیا اس کے آگے لوہا"۔ (ف ۱)

(ف ۱) :۔ یعنی حضرت داؤد علیہ السلام کے حق میں ہم نے لوہے کو موم کی طرح نرم کردیا۔ بدون آگ اور آلات صناعیہ کے لوہے کو جس طرح چاہتے توڑ موڑ لیتے تھے اور اس کی زرہیں تیار کرکے فروخت کرتے تھے۔ تا قوت بازو سے کما کر کھائیں بیت المال پر اپنا بار نہ ڈالیں۔ کہتے ہیں کہ کڑیوں کی زرہ پہلے ان ہی سے نکلی کہ کشادہ رہے۔ حق تعالیٰ نے ان کو ہدایت فرمائی کہ فراخ وکشادہ زرہیں تیار کرو اور اس کے حلقے اور کڑیاں ٹھیک اندازہ سے جوڑو جو بڑی چھوٹی اور پتلی موٹی ہونے کے اعتبار سے متناسب ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

مولانا مفتی شفیع صاحب فرماتے ہیں :

"اس سے معلوم ہوا کہ صنعت میں ظاہری خوشحالی کی رعایت بھی پسندیدہ چیز ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے خاص ہدایت فرمائی ہے۔

بعض حضرات نے قدر فی السرد کی تفسیر میں تقدیر سے مراد لیا ہے کہ اس کی صنعت کے لئے ایک مقدار

وقت کی معین کرلینا چاہئے۔ سارے اوقات اس میں صرف نہ ہوجائیں تاکہ عبادت اور امور سلطنت میں اس کی وجہ سے خلل نہ آئے اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ صنعت کار اور محنت کش لوگوں کو بھی یہ چاہئے کہ عبادت اور اپنی معلومات حاصل کرنے کے لئے اپنے کام سے کچھ وقت بچایا کریں اور اوقات کا انضباط رکھیں۔

صنعت وحرفت بڑی فضیلت کی چیز ہے

آیت مذکورہ سے ثابت ہوا کہ اشیائے ضرورت کی ایجاد وصنعت ایسی اہم چیز ہے کہ حق تعالیٰ نے خود اس کی تعلیم دینے کا اہتمام فرمایا اور اپنے عظیم الشان پیغمبروں کو سکھلایا حضرت داؤد علیہ السلام کو زرہ سازی کی صنعت سکھانا اسی آیت سے ثابت ہوا۔ حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کی صنعت اسی طرح سکھائی گئی۔

واصنع الفلک باعیننا ووحینا۔

ترجمہ: کشتی ہمارے روبرو یعنی ہماری حفاظت ونگرانی، ہمارے حکم اور تعلیم والہام کے موافق تیار کرو۔ (عثمانی)

یعنی ہمارے سامنے کشتی بناؤ اور سامنے بنانے کا مطلب یہی ہے کہ جس طرح ہم بتلاتے ہیں اسی طرح بناؤ۔ اسی طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام کو بھی مختلف صنعتیں

سکھانا بعض روایات سے ثابت ہے۔

الطب النبوی امام شمس الدین ذہبیؒ کی طرف منسوب کتاب میں تو ایک روایت یہ نقل کی ہے انسانی زندگی کے لئے جتنی اہم اور ضروری صنعتیں ہیں مثلاً مکان بنانا، کپڑا بننا، درخت بونا، کھانے کی چیزیں تیار کرنا، حمل ونقل کے لئے پہیوں کی گاڑی بنا کر چلانا وغیرہ یہ سب ضروری صنعتیں اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی انبیاء علیہم السلام کو سکھلائی تھیں۔

....

(ت) :۔ نیز ارشاد ہے:

وعلمناه صنعة لبوس لكم

(انبیاء۔ ۸۰)

ترجمہ: اور ہم نے ان کو زرہ (بنانے) کی صنعت تم لوگوں کے (نفع کے) واسطے سکھلائی"۔

چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام زرہیں بنا بنا کر ایک ایک زرہ بارہ بارہ ہزار میں فروخت فرماتے تھے اور اس سے اپنی ضروریات اور صدقہ وخیرات کا بندوبست فرماتے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کھجور کے پتوں کی ٹوکریاں تیار کرکے کسب فرماتے۔

حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کی سوت کی کمائی

پر گزارہ فرماتے نیز کبھی کوئی گندم کا خوشہ مل جاتا تو اسے اٹھا کر نوش فرما لیتے۔ یہ بھی کسب ہی میں شمار ہے۔

اور ہمارے سردار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کسی زمانہ میں بکریوں کی رکھوالی فرمائی تھی۔ چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک بار صحابہ سے فرمایا کہ "میں نے عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرائی تھی اور کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس سے پروردگار عالم نے بکریاں نہ چروائی ہوں"۔ (ع)

....

(ع) :۔ فی صحیح البخاری کتاب الاجارۃ ما بعث اللہ نبیا الارعی الغنم فقال اصحابہ وانت؟ فقال کنت ارعاھا علی قراریط لاھل مکۃ (المشکوۃ، البیوع، الاجارۃ)

حضرت سائب بن شریک اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ حضور اقدس ﷺ ایک زمانہ میں میرے کاروبار کے شریک اور حصہ دار تھے اور آپ اتنے اچھے شریک تھے کہ نہ کبھی آپ نے کوئی فریب دیا نہ ہی کبھی مخاصمت کی نوبت آئی۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ یہ شراکت کس چیز میں تھی انہوں نے کہا چمڑے کے کاروبار میں۔

امام محمدؒ کتاب مزارعہ میں ذکر فرماتے ہیں کہ مقام جرف (مدینہ منورہ) میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کاشت کاری فرمائی تھی تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ کمانا اور محنت مزدوری کرنا انبیاء کرامؑ کی سنت ہے۔

کمائی کے طریقے : کمانے کے طریقے دو ہیں ایک کمائی تو وہ ہے جس سے انسان کو ثواب حاصل ہو دوسرے وہ کمائی جسے وہ اپنے سر کے اوپر لادتا ہے۔ حصول ثواب کے لئے کمانا یہ ہے کہ آدمی شریعت کے جائز کردہ طریقوں سے اپنی ضروریات کا بندوبست کرے اور بوجھ لادنے والی کمائی سے مراد یہ ہے کہ آدمی سرکشی اختیار کرلے (جس میں ممنوع طریقوں سے حصول زر کی کوشش کرنا شامل ہے) اس سے آدمی گناہ گار ہوتا ہے۔ مثلاً چوری کرنا وغیرہ اور کمائی کی یہ دوسری قسم متفقہ طور پر ناجائز و حرام ہے۔ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد گرامی ہے

ومن یکسب اثما فانما یکسبہ علی نفسہ

(سورہ نساء۔ ۱۱۱)

ومن یکسب خطیئۃ ثم یرم بہ بریئا فقد احتمل بہتانا واثما مبینا۔

(سورہ نساء۔ ۱۱۲)

ترجمہ : اور جو گناہ کماتا ہے تو وہ فقط اپنے ہی سر اس کا بار لیتا ہے۔" (ف)

"اور جو شخص چھوٹا گناہ کرے یا بڑا گناہ پھر اس کی تہمت کسی بے گناہ پر لگادی سو اس نے بڑا بھاری بہتان اور صریح گناہ اپنے (سر کے) اوپر لاد لیا"۔

....

(ف) :۔ ان آیات کا پس منظر یہ ہے کہ منافق اور ضعیف الاسلام لوگوں میں جب کوئی کسی گناہ کا مرتکب ہوتا تو سزا اور بدنامی سے بچنے کے لئے حیلے گھڑتے اور آپ کی خدمت میں ایسے انداز سے اس کا اظہار کرتے کہ آپ انکو بری سمجھ جائیں بلکہ کسی بری الذمہ کے ذمہ تہمت لگا کر اس کے مجرم بنانے میں سعی کرتے اور رل مل کر باہم مشورہ کرتے چنانچہ ایک دفعہ یہ ہوا کہ ایک ایسے ہی مسلمان نے دوسرے مسلمان کے گھر میں نقب دیا ایک تھیلا آٹے کا اور اس کے ساتھ کچھ ہتھیار چرا کر لے گیا۔ اس تھیلے میں اتفاقا سوراخ تھا چور کے گھر تک رستہ میں آٹا گرتا گیا۔ چور نے یہ تدبیر کی کہ مال اپنے گھر میں نہ رکھا بلکہ رات ہی میں وہ مال لے جاکر ایک یہودی کے پاس امانت رکھ آیا جو اس کا واقف تھا صبح کو مالک نے آٹے کے سراغ پر چور کو جا پکڑا مگر تلاشی پر اس کے گھر میں کچھ نہ نکلا ادھر چور نے قسم کھالی کہ مجھ کو کچھ خبر نہیں۔ آٹے کا سراغ آگے کو چلتا نظر آیا تو مالک نے اسی سراغ پر یہودی کو جا پکڑا اس نے مال کا اقرار کرلیا کہ میرے گھر میں موجود ہے مگر میرے پاس تو رات فلاں شخص امانت رکھ گیا ہے میں چور نہیں ہوں' مالک نے یہ قضیہ حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچایا چور کی قوم اور اس کی جماعت نے اتفاق کیا کہ جس طرح ہوسکے اس پر چوری ثابت نہ ہونے دو۔ یہودی کو چور بناؤ۔ چنانچہ یہودی سے جھگڑے اور آپ کی خدمت میں چور کی براءت پر قسمیں کھائیں گواہی دی قریب تھا کہ یہودی چور سمجھا جائے اور مجرم قرار دیا جائے اس پر حق سبحانہ نے متعدد آیتیں

نازل فرمائیں اور حضرت رسول مقبول ﷺ کو اور سب کو متنبہ فرمادیا کہ چور یہی مسلمان ہے یہودی اس میں سچا اور بے قصور ہے اور ہمیشہ کے لئے ایسے لوگوں کی قلعی کھول کر سب کو متنبہ کردیا ....
(تفسیر عثمانیؒ)

(ت) :۔ اور سلف وخلف کے تمام فقہاء کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ مذکورہ بالا دونوں قسموں میں سے پہلی قسم کی کمائی صرف جائز ہی نہیں بلکہ بوقت ضرورت فرض ہے۔

مخالفین کسب کے دلائل

بعض بے مایہ وکم علم لوگ نیز تصوف کی طرف منسوب ہونے والے بعض ناواقف لوگوں کا خیال یہ ہے کہ "کمانا حرام ہے۔ بوقت ضرورت ہی جائز ہوتا ہے جیسا کہ مردار کھانا انتہائی مجبوری میں جائز ہوجاتا ہے"۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ کمانا توکل کے خلاف ہے اور اگر خلاف نہیں تو کم از کم توکل میں نقصان کا باعث ضرور ہے۔ حالانکہ ہمیں توکل کرنے کا حکم ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مومنین۔
(مائدہ۔ ۲۳)

ترجمہ : اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو اگر تم ایمان دار

ہو"۔ (ف)

(ف) :۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت شریفہ کے تحت فرماتے ہیں کہ :

"معلوم ہوا کہ اسباب مشروعہ کو ترک کرنا توکل نہیں۔ توکل یہ ہے کہ کسی نیک مقصد کے لئے انتہائی کوشش اور جہاد کرکے پھر اس کے مثمر ونتیج ہونے کے لئے خدا پر بھروسہ رکھے' اپنی کوشش پر نازاں اور مغرور نہ ہو۔ باقی اسباب مشروعہ کو چھوڑ کر خالی امیدیں باندھتے رہنا توکل نہیں تعطل ہے۔"

(تفسیر عثمانی سورہ مائدہ)

(ت) :۔ پس جو شیء اس مامور بہ توکل کے منافی یا اسمیں خلل انداز ہو وہ حرام ہوگی۔ نیز اس کے توکل کے منافی ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

لو توکلتم علی اللہ حق التوکل لرزقکم کما یرزق الطیر تغدو خماصا وتروح بطانا۔

(رواہ الترمذی وابن ماجہ المشکوۃ الرقاق فصل ۲)

ترجمہ : اگر تم واقعی اللہ تعالیٰ پر ایسا بھروسہ کرو جیسا کہ کرنا چاہئے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اسی طرح رزق نصیب

فرمائیں گے جس طرح پرندوں کو رزق عطا فرماتے ہیں کہ پرندے صبح صبح خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو خوب پیٹ بھر کے لوٹتے ہیں"۔ (ف)

(ف) :۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد میں یہ بیان فرمایا ہے کہ پرندے رزق کی تلاش میں صبح کو نکلتے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عملی طور پر بحر وبر میں تجارت وغیرہ کے لئے سفر اختیار فرماتے تھے نیز وہ اپنے کھجور کے باغات میں خود محنت کیا کرتے تھے' اور یہی حضرات ہمارے لئے بہترین نمونہ ہیں"۔

(احیاء العلوم ۲/۲۷۲)

(ت) :۔ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وفی السماء رزقکم وما توعدون ○

(الذاریات ۲۲)

ترجمہ : اور آسمان میں ہے تمہارا رزق اور جو کچھ تم سے وعدہ کیا جاتا ہے"۔

اس آیت شریفہ میں کسب کی مشغولی سے باز رہنے کی ترغیب ہے' نیز یہ واضح کیا گیا ہے کہ جو مقدر ہے وہ لامحالہ مل کر رہے گا۔

نیز ارشاد ہے :

وامر اھلک بالصلوۃ واصطبر علیھا

لا نسألک رزقا نحن نرزقک۔

(طہٰ ۱۳۲)

ترجمہ :"اور اپنے متعلقین (اہل خاندان یا مومنین) کو بھی نماز کا حکم کرتے رہئے اور خود بھی اس کے پابند رہئے ہم آپ سے (ایسے) معاش (کمانا) نہیں چاہتے (جو طاعت ضروریہ سے مانع ہو) معاش تو آپ کو ہم دیں گے (یعنی مقصود اصلی اکتساب نہیں بلکہ دین اور اطاعت ہے)۔"

آیت کا روئے سخن تو حضور ﷺ کی جانب ہے مگر مقصود آپ کی امت ہے جنہیں نماز اور صبر کا حکم ہے نیز حصول رزق کے لئے کمانے میں لگنے سے باز رہنے کا بھی حکم ہے۔

نیز ارشاد ہے :

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔

(الذاریات ۵۶)

ترجمہ :"اور میں نے جن وانس کو (دراصل) اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں"۔

اور کمانے میں آدمی مشغول ہوکر کسی کام کا نہیں رہتا نہ اسے گھر والوں کی اصلاح کا موقع ملتا ہے نہ ہی کسی عبادت میں لگنے کی فرصت ملتی ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے :

ما اوحی الی ان اجمع المال واکون من

التاجرین وانما اوحی الی فسبح بحمد ربک وکن من الساجدین واعبد ربک حتی یاتیک الیقین۔

(قال العراقی رواہ ابن مردویہ فی التفسیر من حدیث ابن مسعودؓ بسند فیہ لین- (المغنی ۲-۵۲)

ترجمہ :"یعنی مجھے یہ وحی نہیں آئی کہ میں مال و دولت اکٹھا کیا کروں بلکہ وحی یہ آئی ہے کہ "اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہئے اور نمازیں پڑھنے والوں میں رہئے اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہئے یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو جائے"۔ (ف)

(ف) :۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ فضائل تجارت میں اس حدیث کے تحت حضرت تھانویؒ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں :

"مطلب یہ ہے کہ حاجت سے زیادہ دنیا میں مشغول نہ ہو کیونکہ بقدر ضرورت معاش کا بندوبست کرنا سب پر واجب ہے' ہاں جس میں توکل کی قوت ہو اور سب شرائط توکل کی اس میں جمع ہوں ایسا شخص البتہ سب کام چھوڑ کر محض عبادت علمیہ و عملیہ میں مشغول ہوجائے"۔

(فضائل تجارت)

فضائل کسب اور ان کے خلاف روایتوں کے درمیان امام غزالیؒ کی تطبیق

امام غزالی رحمہ اللہ نے فضائل کسب پر متعدد آیات وروایت نقل کرنے کے بعد حدیث شریف (ما اوحی الی ان اجمع المال.....الحدیث) نیز حضرت سلمان فارسیؓ کی وصیت کہ "اگر کسی کو موقع ہو کہ وہ حج کرتا ہوا یا راہ خدا میں جہاد کرتا ہوا یا اپنے خالق ومالک کی مسجد آباد کرتا ہوا مرے تو اسے چاہئے کہ ایسا ہی کرے مگر تاجر اور خائن بن کر نہ مرے"۔ بیان فرمائی ہے پھر ان دونوں کے درمیان ظاہری تفاوت کا جواب یوں تحریر فرمایا ہے کہ ان مختلف احادیث وروایات کے درمیان جمع کی صورت یہی ہے کہ اسے مختلف حالات ومواقع پر محمول کیا جائے چنانچہ تجارت (کاروبار) کو ہم مطلقاً ہر شی سے افضل قرار نہیں دیتے بلکہ تجارت (اور معاشی سرگرمیوں) سے مقصود یا تو قدر کفایت ہے یا مال ودولت (کی فراوانی) یا قدر کفایت سے کچھ زیادہ۔

تو اگر اس سے مقصود قدر کفایت سے زیادہ کی ہوس ہے تاکہ ذخیرہ اندوزی کی جائے اور اس میں سے صدقہ وخیرات نہ کیا جائے تو ایسا کرنا بے شک مذموم وناپسندیدہ ہے کیونکہ دنیا پر گرنا اسی کو کہتے ہیں اور حب دنیا ہر برائی اور ہر خرابی کی جڑ ہے۔ اگر اس کے ساتھ ساتھ آدمی ظالم اور خائن بھی ہے تو یہ خود انتہائی ظلم اور فسق ہے۔ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی وصیت میں جو ارشاد ہے کہ "تاجر اور خائن ہو کر نہ مرنا" اس سے مراد ایسا ہی شخص ہے

اور تاجر سے آپ کی مراد حصول زر کی دھن میں لگا رہنے والا ہے لیکن اگر کاروبار سے کسی کا مقصد صرف یہ ہو کہ وہ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات کا بندوبست کرسکے تو اگرچہ وہ مانگ کر ضروریات مہیا کرنے پر قادر ہو پھر بھی اس کے لئے یہی افضل ہے کہ وہ سوال کی ذلت سے بچنے کے لئے تجارت اور کاروبار کرے۔ نیز اگر اسے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں پڑتی لوگ خودبخود اسے دے جایا کرتے ہیں تو بھی تجارت ہی افضل ہے کیونکہ اگرچہ یہ شخص بزبان قال لوگوں سے سوال نہیں کرتا مگر اسے ملتا اسی لئے کہ وہ لسان حال سے مانگنے والا ہوتا اور لوگوں میں اپنے فقروفاقہ کا اعلان کرنے والا ہوتا ہے۔ پس سوال سے دامن بچانا اور اخفائے حال بیکاری وبے روزگاری سے بدرجہا بہتر ہے بلکہ دیگر عبادات بدنیہ میں مشغول ہونے والے سے افضل ہے۔

کسب سے مستثنیٰ اشخاص

اور کمائی سے الگ تھلگ رہنا تو فقط چار قسم کے آدمیوں کے لئے افضل ہے:

ایک وہ شخص جو عبادات بدنیہ کے لئے فارغ ہو، دوسرے وہ شخص جو مقامات سلوک طے کرنے میں مصروف ہو۔ اور باطنی احوال کی درستگی میں لگا ہو اور احوال ومکاشفات کے علوم سے منسلک ہو۔ تیسرے وہ عالم دین جو علوم دینیہ کی تعلیم وتعلم اور نشروتبلیغ میں ہمہ

تن معروف ہو۔ اور لوگوں کی دینی ضروریات اس سے وابستہ ہوں جیسے مفتی، مفسر، محدث اور ان کے ہم پایہ لوگ۔

چوتھے وہ شخص جو مسلمانوں کے معاملات دنیویہ کے انتظامات کے لئے وقف ہو جیسے بادشاہ، قاضی، گواہ وغیرہ۔

ان مذکورہ لوگوں کی ضروریات اگر مسلمانوں کے مصالح کے لئے جمع شدہ مال جیسے بیت المال یا اوقاف وغیرہ سے پوری ہوجاتی ہے تو ان حضرات کا انہی اشغال واعمال میں لگے رہنا معاشی سرگرمیوں میں مشغول ہونے سے افضل ہے۔ اور اسی وجہ سے حضور ﷺ پر یہ وحی نازل ہوئی کہ آپ اپنے رب کی تسبیح وتحمید میں مشغول رہیں اور نماز پڑھنے والوں میں رہیں اور یہ وحی نازل نہیں ہوئی کہ آپ تاجر بنیں کیونکہ حضور اقدس ﷺ کی ذات والا صفات مذکورہ بالا چاروں اوصاف کی بوجہ اکمل جامع تھی بلکہ آپ کی ذات گرامی منصب رسالت کی مزید بیشمار ذمہ داریوں کی حامل تھی۔ اور انہی وجوہات کی بنا پر صحابہ کرامؓ نے متفقہ طور پر حضرت ابو بکر صدیقؓ کو خلیفہ المسلمین بننے کے بعد تجارت سے کنارہ کشی کا مشورہ دیا (اور ضروری اخراجات کے لئے بیت المال سے وظیفہ جاری کیا گیا) کیونکہ آپ کا تجارت اور معاشی سرگرمیوں میں حصہ لینا فرائض خلافت اور امور سلطنت میں خلل کا باعث ہوجاتا۔ لہٰذا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے قدر کفایت وظیفہ لینا قبول فرمالیا اور اسے تجارت میں لگنے سے اولیٰ سمجھا۔ پھر وفات کے قریب اگرچہ وظیفہ بیت المال کو واپس کردینے کی وصیت فرما گئے تھے مگر دوران

خلافت آپؓ نے اسے افضل ہی سمجھا تھا۔

اور اگر ان مذکورہ اقسام کے لوگوں کا کام بیت المال یا اوقاف کے بجائے صدقہ وزکوٰۃ پر چلتا ہے بشرطیکہ بغیر سوال کے یہ انہیں حاصل ہوجاتا ہے تو بھی ان کا اپنے اپنے کام میں لگے رہنا کسب کی مشغولیت سے افضل ہے کیونکہ یہ صدقہ وخیرات کرنے والوں کی اعانت کا سبب ہے کہ ان کی زکوٰۃ مستحق تک باسانی پہنچ جاتی ہے، اور لینے والوں کو ان کا حق جو ان کے لئے افضل ہے قبول کرنے کا موقع ملتا ہے۔

اور اگر حالت یہ ہو کہ ان مذکورہ بالا اشخاص کی ضروریات بغیر سوال کے پوری نہ ہو تو پھر یہ امر واقعی محل غور ہے کیونکہ سوال کے متعلق بڑی سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں اور سوال کی مذمت والی احادیث کو دیکھ کر یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سوال سے دامن بچانا افضل ہے۔ اور اس بارے میں حالات کا جائزہ لئے بغیر کچھ کہنا مشکل ہے۔ اور ہر شخص اس معاملہ میں خود اپنی صواب دید پر عمل کا مکلف ہے۔

(احیاء العلوم ۲ر۷۲)

وظائف (تنخواہ) وعطیات کے مستحقین

مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ "وظائف" کی ضرورت کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

جب کہ پہلی جماعت (یعنی مسلمانوں) نے اسلام

کے مکمل نظام کو تسلیم کرلیا ہے تو اب اسلام کا حق ہے کہ وہ اپنی ہر ایک خدمت کے لئے اس کو پکارے اور حالات و مقتضیات وقت کے پیش نظر حکومت ربانی کے مقاصد کی تکمیل کے لئے جو خدمت چاہے اس کے سپرد کرے اس کو انکار و منع کا کوئی حق نہیں ہے بلکہ اس کے وفادارانہ انقیاد و تسلیم کے جوہر ایسے مواقع پر کھلتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہنا چاہئے کہ اسلام کا یہ نظام حکومت خود اس کا اپنا نظام ہے' اور جب کہ اس اصول کے ماتحت اس کے جان و مال اسلام اور حکومت اسلامیہ کیلئے وقف ہیں تو حکومت کے ذمہ ضروری ہے کہ ان کے بیشتر افراد کا تکفل اپنے ذمہ میں لے اور بڑی حد تک اسٹیٹ (حکومت) ہی انکی معاشی زندگی کی ضامن ہو تاکہ ملت کا ہر فرد اپنی دماغی اور عملی محنت کے ذریعہ ملک وملت کی فلاح وبہبود میں مصروف ہو اور فارغ البال ہوکر رفاہیت اور پاک عیش وراحت کے ساتھ جماعتی استحکام کے لئے "کارآمد پرزہ" بن سکے اور اس طرح ان کی زندگی کا بڑا حصہ خلافت' حکومت' یا ملک وملت کی خدمات کے لئے وقف ہوجائے۔

پس حکومت (خلافت) اس جماعت کے افراد سے مختلف شعبوں کی خدمت لیتی اور ان کے اور ان کے اہل وعیال کی براہ راست کفالت کرتی ہے مثلاً "جہاد واعلاء

کلمہ اللہ کی خدمت'' "وصول صدقات وزکوۃ کی خدمت" "تعلیم وتبلیغ کی خدمت" مختلف محکمہ جات کی خدمت" اور جو افراد امت ان خدمات کے قابل نہیں مثلاً مریض اور معذور' یا معاشی وسائل سے قطعاً محروم ہیں مثلاً یتامٰی وبیوگان' فقراء اور مساکین تو ان کا بار کفالت بھی حکومت ہی کے کاندھوں پر ہے تاکہ صالح معاشی نظام کا مقصد وحید فوت نہ ہونے پائے۔ حکومت کی یہی کفالت اور معاشی ذمہ داری "عطایا اور وظائف" کے نام سے نامزد ہے۔

مسطورہ بالا وجوہ واسباب اور بیان کردہ مصالح عظیمہ کے پیش نظر حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کے لئے زندگی کا جو دستور العمل مقرر فرمایا تھا اس کا ذکر احادیث وسیر کی کتابوں میں اجمال وتفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ چنانچہ ابو عبید نے کتاب الاموال میں اس کا مختصر نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

"جب حضرت عمرؓ کے زمانہ حکومت میں مال کی بہتات ہوگئی اور اعداد وشمار کے رجسٹر مرتب ہوگئے تو حکومت کے کارکنوں' گورنروں اور قاضیوں وغیرہ کے مشاہرے مقرر کردیئے گئے اور مال وخزانے جمع کرنے کی ممانعت کردی گئی اور مسلمانوں پر کاشت کاری وزمینداری ممنوع کردی گئی اس لئے

کہ ان کے اور انکے اہل وعیال کے روزینے بیت المال سے مقرر کردیے گئے تھے بلکہ ان کے غلاموں اور آزاد شدہ غلاموں کے بھی اس سے مقصد یہ تھا کہ تمام قوم عسکری بن جائے اور اس طرح وہ کوچ کیلئے چست وچالاک رہے کہ ان کے سفر کے سامنے نہ زمینداری مانع آئے نہ کاشت کاری اور یہ کہ وہ بے محنت کی زندگی اور عیش وعشرت میں نہ پڑجائے"۔

ممکن ہے کہ یہاں یہ شبہ پیدا ہو کہ اگر تمام رعایا کاشت کاری اور زمینداری سے محروم کردی جائے تو پھر خام اجناس کی پیداوار ملک میں کیسے ہوگی اور جس ملک میں خام اجناس کی پیداوار نہ ہو وہ کس طرح اپنی اقتصادی حالت کو برقرار رکھ سکتا ہے؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حکم کا مقصد یہ نہ تھا کہ ہمیشہ کے لئے یہ حکم یکسانیت کے ساتھ قائم رکھا جائے' بلکہ اس حکم سے (جیسا کہ خود اس عبارت میں درج ہے) مسلمانوں کو اس طرف متوجہ کرنا تھا کہ جہاد کے قیام اور اعلاء کلمتہ اللہ کی بقاء کی خاطر ازبس ضروری ہے کہ تمام افراد ملت یہ یقین کریں کہ ان کی زندگی "اجتماعی نظام" کی حیات کے ساتھ وابستہ ہے اور ان کے قوی عملی خود اپنے

لئے نہیں بلکہ جماعت کی خدمت یا خلافت اسلامی کے استحکام کے لئے ہیں اور اسی لئے ان کی معاشی زندگی کیلئے بڑی حد تک خلافت (اسٹیٹ) خود متکفل ہے نیز یہ کہ زمینداری سسٹم چونکہ عیش پسندی' دوسروں کی محنت پر بھروسہ اور کاہلی وبے کاری کی دعوت دیتا ہے اس لئے بھی مسلمانوں کو اس سے جدا رکھنا مناسب سمجھا گیا۔

اور چونکہ کاشت کی یہ خدمت اس زمانہ میں مفتوحہ ممالک کے وہ تمام ذمی انجام دیتے تھے جو اسلام کی حکومت کے زیر سایہ رہنا تو قبول کرلیتے تھے لیکن اسلام ان پر اقتصادی یا سیاسی نظام کو زبردستی ٹھونسنے کی کوشش نہیں کرتا تھا اور اس طرح خام اجناس وغیرہ ضروریات کی بہم رسانی کا بہترین ذریعہ حاصل تھا' لہٰذا اس وقت کے مناسب یہی طریق کار بہتر تھا کہ مسلمان زمین سے کوئی تعلق نہ رکھیں۔ لیکن جب معاملہ کی یہ نوعیت باقی نہ رہے تو پھر اس شجر ممنوعہ کی اس حد تک اجازت باقی رہے گی جس سے اصل مقصد کسی درجہ میں بھی فوت نہ ہونے پائے۔

اور اگر حقیقت بین نگاہوں سے دیکھا جائے تو یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اگر مسلمان زمین سے

استفادہ کرنے کے جواز کی آڑ لے کر زمینداری اور کاشت کاری کے جال میں نہ الجھ جاتے اور "جہاد الحق" کو شعار بنا کر سادہ اور پاک معاشی زندگی کو اسوہ بنائے رکھتے تو بلاشبہ آج دنیا کے ہر گوشہ میں حکومت الہیہ (خلافت حقہ) کا علم بلند نظر آتا۔

بہرحال وظائف کا یہ نظم مختلف حیثیات کے اعتبار سے متعدد شعبوں پر مشتمل ہے۔ پہلا شعبہ فوجی خدمات سے متعلق ہے دوسرا قضاۃ و عمال حکومت (جوڈیشل اور ایگزیکٹو کے کارکنان) سے متعلق تیسرا شعبہ تعلیم و تبلیغ کی خدمات سے متعلق ہے یعنی جو افراد امت قرآن عزیز، مسائل، دین کی تعلیم اور تبلیغ اسلام کی خدمات انجام دیتے ہیں، اسلام نے تعلیم (دینی اور مفید تعلیم دنیوی) کو ہر فرد امت کے لئے ضروری قرار دیا ہے اس لئے وہ تعلیم و تعلم کے لئے عام سہولتیں پہنچانے کے لئے اس سلسلہ میں بھی وظائف کا تقرر ضروری قرار دیتا ہے اور دینی تعلیم میں اگرچہ معلمین کی خدمات لوجہ اللہ اور فی سبیل اللہ ہونی چاہئیں مگر جب کہ وہ اپنے کاروباری وقت کو ان پاک اور اہم مقاصد کے لئے وقف کر چکے ہیں تو حکومت اسلامی کا فرض ہے کہ ان کی اور ان کے اہل و عیال کی کفالت کرے

تاکہ ان کو محروم المعیشت ہو کر اس مقدس سعی سے بے تعلق نہ ہو جانا پڑے۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اپنے دور خلافت میں اس شعبہ کا بہت بڑا اہتمام کیا اور معلمین و مبلغین کے وظائف مقرر فرما دیئے۔ ابن جوزیؒ نے سیرۃ العمرین میں نقل کیا ہے :

ان عمر بن الخطاب وعثمان بن عفان کانا یرزقان المؤذنین والائمۃ والمعلمین۔

(بحوالہ کتاب الاموال)

ترجمہ :"حضرت عمر بن الخطابؓ اور حضرت عثمان بن عفانؓ موذنوں اور اماموں اور معلموں کو ماہانہ وظائف دیا کرتے تھے"۔

اسی طرح فقہاء کے وظائف کے متعلق ابن جوزی نے تفصیلات نقل کی ہیں اور کس فقیہ کو کس شہر میں تعلیم فقہ پر مامور کیا گیا اس کو بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ خلافت میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے یزید بن ابی مالک اور حارث بن یمجد اشعری کو بھیجا کہ وہ دیہات میں لوگوں کو دین سکھائیں اور ان کے لئے روزینہ مقرر فرمایا مگر یزید نے تو قبول کر لیا اور حارث نے روزینہ لینے سے

انکار کردیا (یعنی بلا معاوضہ یہ خدمت انجام دی)"۔ (کتاب الاموال)

اسی طرح طلباء کے لئے بھی وظائف مقرر کئے۔

"حضرت عمرؓ نے بعض عاملوں کو لکھا کہ قرآن سیکھنے والوں کے لئے وظیفہ مقرر کریں"۔ (ایضاً)

اس حکم پر عاملوں نے یہ لکھا کہ بعض لوگوں نے قرآن سیکھنے کی رغبت کے بغیر محض وظیفہ حاصل کرنے کی خاطر طالب علم بننا اختیار کرلیا ہے مگر حضرت عمرؓ نے اس کے باوجود وظیفہ بند نہیں کیا۔

چوتھا شعبہ فقراء، مساکین اور محروم المعیشت افراد کے وظائف سے تعلق رکھتا ہے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے اس شعبہ کا مقصد یہ ہے کہ قلمرو خلافت کا ایک فرد بھی معیشت سے محروم نہ رہے یعنی جو اشخاص مزمن مرض، ضعف پیری، نقل اعضاء، یتیمی و بیوگی یا دوسرے اسباب کی بناء پر کسب معیشت سے معذور ہیں وہ افراد امت پر بار دوش نہ بن جائیں بلکہ حکومت "بیت المال" سے ان کے وظائف مقرر کرکے ان کے حق معیشت کو پورا کرے۔

اس شعبہ کی اساس و بنیاد قرآن عزیز کی

آیات صدقات وزکوٰۃ اور وہ حدیث صحیح ہے جس میں تصریح ہے کہ:

توخذ من اغنیائھم وترد علی فقرائھم۔

ترجمہ: "(ان کے مالداروں سے "صدقات" لئے جائیں اور ان کے حاجت مندوں پر صرف کئے جائیں۔"

(اسلام کا اقتصادی نظام ص ۱۴۷)

قابل علماء کے لئے حضرت حکیم الامت" کی رائے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربا فی الارض یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف تعرفھم بسیمٰھم لا یسالون الناس الحافا وما تنفقوا من خیر فان اللہ بہ علیم ○

ترجمہ: "خیرات ان فقیروں کے لئے ہے جو رکے ہوئے ہیں اللہ کی راہ میں چل پھر نہیں سکتے ملک میں سمجھے ان کو ناواقف مالدار ان کے سوال نہ کرنے سے۔ تو پہچانتا ہے ان کو ان کے چہرے سے، نہیں سوال کرتے لوگوں

سے لپٹ کر، اور جو کچھ خرچ کرو گے کام کی چیز وہ بے شک اللہ کو معلوم ہے"۔

یعنی ایسوں کا دینا بڑا ثواب ہے جو اللہ کی راہ اور اس کے دین کے کام میں مقید ہو کر چلنے پھرنے کمانے کمانے سے رک رہے ہیں اور کسی پر اپنی حاجت ظاہر نہیں کرتے جیسے حضرتؐ کے اصحاب تھے، اہل صفہ نے گھر بار چھوڑ کر حضرت کی صحبت اختیار کی تھی علم دین سیکھنے کو اور مفسدین فتنہ پردازوں پر جہاد کرنے کو اسی طرح اب بھی جو کوئی قرآن کو حفظ کرنے یا علم دین میں مشغول ہو تو لوگوں پر لازم ہے کہ ان کی مدد کریں۔ (تفسیر عثمانی سورہ بقرہ آیت ۲۷۳)

مذکورہ بالا آیت کریمہ کے تحت حضرت حکیم الامت صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں :

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایسی جماعت (مفسر، محدث، مفتی، مدرس وغیرہ) کو ذرائع تحصیل معاش میں بالکل مشغول نہ ہونا چاہئے لایستطیعون ضربا فی الارض اس پر دلالت کررہا ہے اور اس سے یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ علماء دنیوی معاش میں اپاہج ہیں اور ثابت ہوگیا کہ بایں معنی اپاہج ہونا ضروری ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ ایک شخص سے دو کام نہیں ہوا کرتے خصوصا جب کہ ایک کام ایسا ہو کہ ہر وقت اس میں مشغول ہونے کی ضرورت ہو۔ بالید یا باللسان یا بالقلب۔ اور دین کی خدمت ایسا ہی کام ہے اور

تدریس علوم دینیہ ذرائع معاش میں داخل نہیں ......

(العلم والعلماء نقلا از حقوق العلم ص ۱۵)

علماء کہاں سے کھائیں؟

فرمایا :

"کہ اکثر اہل دنیا پوچھا کرتے ہیں کہ فی زمانا عربی پڑھ کر انسان کیا کرے اور کہاں سے کرے؟ ضابطے کا جواب یہ ہے کہ اہل دنیا سے وصول کرکے ان کے اموال سے لے کر کھائے۔ اس لئے کہ عربی پڑھنے والے دین کی اشاعت اور حفاظت میں مصروف ہیں لوگوں کی اصلاح کی فکر کرتے ہیں۔

قرآن شریف مسلمانوں کی مشترکہ جائیداد ہے اس لئے اس کی حفاظت بھی سب کو کرنی چاہئے کچھ افراد ایسے بھی ہونا چاہئے کہ وہ محض خادم قوم ہوں کیونکہ اگر سب کے سب تحصیل معاش میں پڑجائیں تو دین کا سلسلہ آگے نہیں چل سکتا۔ دین کے کام میں اگر کوئی بھی نہ لگے تو یہ کام بند ہوجائے، لہٰذا ضروری ہے کہ ایک جماعت محض خادمان دین کی ہو یہ لوگ اس کے سوا اور کوئی کام نہ کریں۔

تو یہ لوگ عوام اہل اسلام کی ضرورتوں میں محبوس ہیں اور یہ قاعدہ قضیہ ہے کہ جو شخص کسی کی ضرورتوں میں محبوس ہو اس کا نان ونفقہ اس شخص کے ذمہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر زوجہ کا نفقہ شوہر پر اور قاضی کا نفقہ بیت المال میں اور شاہد کا نفقہ من لہ الشہادۃ (جس کی طرف سے گواہ بنا ہے اس) پر ہوتا ہے۔

پس جب علماء مسلمانوں کے مذہبی کام میں محبوس ہیں اور ان کے مذہب کی حفاظت کرتے ہیں روزمرہ کی جزئیات (یعنی نئے پیش آنے والے مسائل) میں ان کو مذہبی حکم بتاتے ہیں اور یہ شغل ایسا ہے کہ اس کے ساتھ دوسرا کام نہیں ہو سکتا چنانچہ مشاہدہ ہے کہ دوسرے کام میں جو لوگ لگے ہیں ان سے یہ کام نہیں ہوتا تو ان کا نان ونفقہ بھی عام مسلمانوں کے ذمہ واجب ہوگا۔ تو علماء سے یہ پوچھنا کہ عربی پڑھ کر کیا کھٹے گا اور کہاں سے کھائے گا اپنی حماقت کو ظاہر کرنا ہے۔

شرعی دلیل

شرعی دلیل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں:

للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ الآیہ

دیکھو للفقراء میں لام استحقاق کا ہے لفظ فقراء احتیاج کو بتلا رہا ہے احصروا احباس پر دلالت کرتا ہے اور فی سبیل اللہ کی تفسیر طالب علم کے ساتھ منقول ہے اور لایستطیعون ضربا اسباب معاش کی فرصت نہ ہونے کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

یعنی یہ (علماء) لوگ استحقاق رکھتے ہیں اگر نہ دو تو نالش کر کے لے سکتے ہیں قوم اگر ان کی خدمت میں کوتاہی کریں تو قیامت میں ان سے باز پرس ہوگی' گو دنیا میں نالش نہ ہو سکے لیکن خدا تعالیٰ کے یہاں دیکھے گا قیامت میں کتنی ڈگریاں آپ پر ہوتی ہیں!

خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کو لفظ فقراء ذکر فرمایا ہے فقیر آج کل عرف میں ذلیل لفظ ہے مگر یہ ذلت اگر ذلت ہے جیسا کہ تمہارے عرف نے سمجھ لیا ہے تو صرف انہی لوگوں کو نہیں ساری دنیا کے لئے فرماتے ہیں یا ایھا الناس انتم الفقراء الی اللہ (سورہ فاطر نمبر ۱۵)

تمدنی دلیل

اب میں تمدنی طور پر اس مسئلے کو بیان کرتا ہوں کہ بادشاہ اور پارلیمنٹ کو جو تنخواہ ملتی ہے اس کی کیا حقیقت ہے؟ اس کی حقیقت یہ ہے کہ

تمام قوم کا ایک ایک پیسہ دو پیسہ جمع کر کے اس کو خزانہ کہا جاتا ہے۔ خزانہ واقع میں قوم کی چیز ہے۔ اس خزانہ سے جو تنخواہ دی جاتی ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ چونکہ بادشاہ اور پارلیمنٹ ایسے قومی کاموں میں مصروف ہیں کہ وہ دوسرا کوئی کام نہیں کرسکتی اس لئے قوم کے مجموعہ مال سے ان کو نفقہ دیا جاتا ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ جو قومی کام میں مشغول ہو اس کا حصہ قوم کے اموال میں ہے۔

(العلم والعلماء ص ۶۷ بحوالہ دعوات شاہدین)

علماء وفقہاء کا کام
بہت محنت کا کام ہے

کوئی اہل اللہ کو طفیل خوار نہیں کہہ سکتا کیوں کہ وہ سرکاری لوگ ہیں دیکھئے گورنر جنرل کو کثیر التعداد رقم ہر مہینہ ملتی ہے حالانکہ بظاہر اسے کوئی بڑا کام نہیں کرنا پڑتا لیکن محض اس لئے کہ اس کا دماغی کام ہے۔ حضرات اہل اللہ پر جو گزرتی ہے اور جو دماغ سوزی ان کو کرنی پڑتی ہے اگر آپ پر وہ گزرے تو چند روز میں جنون ہو جائے۔ ان کا جسم گو معطل ہے لیکن ان کی روح (اور ان کی عقل)

بہت بڑے کام میں ہے ان کی روح نے اس بار گراں کو اٹھایا ہے جس کے اٹھانے کی پہاڑ بھی تاب نہیں لاسکتا اور زمین آسمان سے بھی نہیں اٹھ سکا چنانچہ ارشاد ہے:

لو انزلنا هذا القرآن على جبل لرايته خاشعا متصدعا من خشية الله

دوسری جگہ ارشاد ہے:

انا عرضنا الامانة على السموات والارض والجبال فابين ان يحملنها واشفقن منها وحملها الانسان-

(الاحزاب۔ ۷۲)

تو جس کی روح اتنا بار گراں اٹھائے ہوئے ہے ان کو اپاہج کیسے کہا جاسکتا ہے۔ (العلم والعلماء ص ۷۰)

....

(ت) :-

ان الله اشترىٰ من المؤمنين انفسهم واموالهم بان لهم الجنة

(التوبہ۔ ۱۱۱)

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے کہ

ان کو جنت ملے گی"۔

اس سے وہی تجارت مراد ہے یعنی بندے کا ثواب کے حصول کے لئے اپنے آپ کو جہاد اور دیگر عبادات الٰہیہ میں مٹا دینا ہے۔

اور اسی طرح حق تعالیٰ شانہ نے شرعاً ناجائز امور کے ارتکاب کیلئے مال حاصل کرنے والے کو اپنی جان بیچنے والا قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

ولبئس ما شروا به انفسهم

(البقرہ۔ ۱۰۲)

ترجمہ: "اور بہت ہی بری چیز ہے جس کے بدلے بیچا انہوں نے اپنے آپ کو"۔

نیز ارشاد ہے:

اشتروا بایات اللہ ثمنا قلیلا۔

(التوبہ۔ نمبر۹)

ترجمہ: "انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالا"۔

اور حضور اکرم ﷺ نے اسی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

الناس غادیان فبائع نفسه فموبقها ومشتر نفسه فمعتقها۔

(مسند احمد ۳، ۳۲۱)

ترجمہ: "لوگ دو طرح صبح کرتے ہیں پس کوئی تو اپنے آپ

کو بیچنے والا ہے جو خود کو ہلاکت میں ڈالنے والا ہے اور کوئی اپنے آپ کو خریدنے والا ہے جو خود کو آزاد کرنے والا ہے"۔

(نیز کرامیہ کہتے ہیں کہ) تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی معاشی سرگرمیوں میں مشغول ہونے کے بجائے مسجد نبوی کو لازم پکڑے رہتے تھے اور اسی پر ان کی تعریف وارد ہوئی ہے۔ نیز خلفاء راشدین اور اجلہ صحابہ نے بھی اس قسم کی مشغولیت اختیار نہیں فرمائی اور یہی حضرات امام اور رہنما اور بہترین پیشوا ہیں۔

مخالفین کے دلائل کے جوابات

اور ہمارے دلائل یہ ہیں (کہ قرآن وسنت سے حقیقی معنی میں بیع وشراء اور معاملات شراکت تجارت وغیرہ کا واضح ثبوت موجود ہے) چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

واحل اللہ البیع۔

(البقرہ۔ ۲۷۵)

ترجمہ: "اور اللہ تعالیٰ نے بیع (سوداگری) کو حلال فرمایا ہے۔"

نیز ارشاد ہے:

اذا تداینتم بدین۔

(البقرہ ۲۸۲)

ترجمہ :"جب تم معاملہ کرنے لگو ادھار کا"۔

نیز ارشاد ہے :

لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم۔

(النساء ـ ۲۹)

ترجمہ :"آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ لیکن کوئی تجارت ہو جو باہمی رضامندی سے واقع ہو تو کوئی مضائقہ نہیں"۔

نیز ارشاد ہے :

الا ان تکون تجارۃ حاضرۃ تدیرونہا بینکم

(بقرہ ـ ۲۸۲)

ترجمہ :"مگر یہ کہ کوئی سودا دست بدست ہو جس کو باہم دیتے لیتے ہو"۔

پس ان آیات میں سے بعض میں کمانے کی حلت صراحت کے ساتھ وارد ہوئی ہے اور بعض میں تجارت اور کاروبار میں لگنے کی ترغیب آئی ہے، پس جو اسے حرام قرار دے وہ ان تصریحات اور نصوص قطعیہ کی مخالفت کا مرتکب ہے۔

ایک قاعدہ کلیہ

اور یہ اصولی قاعدہ (فقہیہ) ہے کہ جب شارع کا کلام مطلق ہو

تو اس سے مراد وہی ہوتا ہے جو لوگوں کی عام گفتگو میں مفہوم ہو کیونکہ شریعت نے ہمیں سمجھانے کو وہی طریقہ اپنایا ہے (جس سے ہم مانوس ہیں اور) جسے ہم سمجھتے ہیں۔ اور لفظ بیع و شراء کا حقیقی معنی انسان کا کاروباری طور پر مال میں تصرف کرنا ہے اور کلام حقیقت پر محمول ہے تو حقیقت کو چھوڑ کر مجاز مراد لینا جائز ہی نہیں جب تک کہ اس کی کوئی دلیل نہ ہو چنانچہ فریق مخالف کی پیش کردہ آیت شریفہ ان اللہ اشتری من المومنین میں اشتری سے جان فدا کرنا جو مراد لیا گیا ہے وہاں مجازی معنی مراد ہونے کی دلیل بھی موجود ہے اور ہمارے پیش کردہ دلائل میں ایسا کوئی قرینہ موجود نہیں لہذا انہیں حقیقت پر ہی محمول کیا جائے گا۔ نیز حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے :

فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ۔

(الجمعہ آیت نمبر ۱۰)

ترجمہ :"پھر جب نماز (جمعہ) ہو چکے تو تم زمین پر چلو پھرو اور خدا کی روزی تلاش کرو"۔

اس آیت میں بھی تجارت (اور کاروبار) ہی مراد ہے۔

نیز ایک جگہ ارشاد ہے :

لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم۔

(بقرہ آیت نمبر ۱۹۸)

ترجمہ :"تم کو اس میں ذرا بھی گناہ نہیں کہ (حج میں)

معاش تلاش کرو (ف) جو (تمہاری قسمت میں) تمہارے پروردگار کی طرف سے (لکھی) ہے۔"

(ف) :۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ :

"صحابہ کرامؓ موسم حج میں خرید وفروخت اور تجارت وغیرہ سے گریز کرتے تھے اور کہتے کہ یہ ایام یاد خدا میں مشغولی اختیار کرنے کے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جس کا مقصود اصلی حج کرنا ہو اور اسی ضمن میں تجارت بھی کرتا ہے تو اس سے اس کے ثواب میں نقصان نہیں آئے گا"۔

(تفسیر ابن کثیر)

(ت) :۔ یہاں بھی راہ حج میں تجارت کرنا مراد ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :

ان اطیب ما اکلتم من کسب ایدیکم وان اخی داود علیه السلام کان یاکل من کسب یدہ (عہ)

ترجمہ :"تمہارے لئے سب سے بہتر کھانا وہی ہے جو تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہو اور بے شک ہمارے بھائی داؤد علیہ السلام اپنے ہی ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے"۔

(عہ) :۔ اخرجه کل من ابن ماجه والنسائی والدارمی واحمد بالفاظ مختلفة ورواه البخاری بلفظ "ما اکل احد طعاما قط خیرا من ان یاکل من عمل یدہ وان نبی الله داود علیه السلام کان یاکل من عمل یدیه" یعنی کسی نے نہیں کھایا کوئی کھانا کبھی بہتر اس کھانے سے جو اپنے دونوں ہاتھوں کے عمل سے ہو اور بے شک خدا کے نبی حضرت داود علیہ السلام اپنے ہاتھوں کے عمل سے کھاتے تھے۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں :

"مطلب یہ ہے کہ اپنے ہاتھ کی کمائی بہت عمدہ چیز ہے مثلاً کوئی پیشہ کرنا یا تجارت کرنا وغیرہ خواہ مخواہ کسی پر بوجھ نہ ڈالنا چاہئے اور پیشے کو حقیر نہ سمجھنا چاہئے۔

جب اس قسم کے کام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام نے کئے ہیں تو کون اور ایسا شخص ہے جس کی آبرو ان حضرات سے بڑھ کر ہے بلکہ کسی کی ان حضرات کے برابر بھی نہیں ان سے بڑھ کر تو کیا ہوتی۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ کوئی نبی ایسے نہیں ہوئے جنھوں نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ خوب سمجھ لو اور جہالت سے بچو اور بعضے لوگوں کا خیال ہے کہ اگر کسی کے پاس مال حلال ہو مگر اپنے ہاتھ کا کمایا ہوا نہ ہو بلکہ میراث میں ملا ہو یا اور کسی حلال ذریعہ سے میسر آیا ہو تو

خواہ مخواہ اپنے کمانے کی فکر کرتے اور اس کو عبادت میں مشغول ہونے سے بہتر سمجھتے ہیں یہ سخت غلطی ہے بلکہ ایسے شخص کے لئے عبادت میں مشغول ہونا بہتر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اطمینان دیا اور رزق کی فکر سے فارغ البال کیا تو پھر بڑی ناشکری ہے کہ اس کا نام اچھی طرح نہ لیوے اور مال ہی کو بڑھائے جاوے بلکہ مال حلال تو جس طرح سے میسر آوے بشرطیکہ کوئی ذلت نہ اٹھانی پڑے وہ سب سے عمدہ ہے اللہ کی بڑی نعمت اس کی بڑی قدر کرنی چاہئے اور انتظام سے خرچ کرنا چاہئے فضول نہ اڑانا چاہئے۔ اور حدیث کا مطلب تو یہ ہے کہ لوگ اپنا بار کسی پر نہ ڈالیں اور لوگوں سے بھیک نہ مانگیں جب تک کوئی خاص ایسی مجبوری نہ ہو جس کو شریعت نے مجبوری قرار دیا ہو۔ اور پیشہ کو حقیر نہ سمجھیں اور حلال مال طلب کریں کمائی کو عیب نہ سمجھیں سو اس وجہ سے یہ مضمون مبالغہ کے طور پر بیان فرمایا گیا تاکہ لوگ اپنے ہاتھ سے کمانے کو برا نہ سمجھیں اور کمائیں اور کھائیں اور کھلائیں اور خیرات کریں۔

حقیقی متوکل کی آمدنی اور اس پر اعتراض کرنے والوں کو تنبیہہ

حدیث کی یہ غرض نہیں ہے کہ سوائے اپنے ہاتھ کی کمائی کے اور کسی طرح سے جو مال حلال ملا ہو وہ حلال نہیں یا ہاتھ کی کمائی کے برابر نہیں بلکہ بعض مال اپنے ہاتھ کی کمائی سے بڑھ کر ہوتا ہے' اور بعض ناواقف بچے خاصان خدا پر جو متوکل ہیں طعن کرتے اور دلیل میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں جو مذکور ہوئی کہ ان کو اپنے ہاتھ سے کمانا چاہئے محض توکل پر بیٹھنا اور نذرانوں سے گزر کرنا اچھا کام نہیں۔ یہ ان کی سخت نادانی ہے' اور یہ اعتراض جناب رسول اللہ ﷺ تک پہنچتا ہے' ڈرنا چاہئے سخت اندیشہ ہے ان بزرگوں کی بے ادبی اور ان پر لعن طعن سے دارین میں بلاء نازل ہو' اور طعن کرنے والوں کو ہلاک کردے۔ بلکہ اولیاء اللہ کی بے ادبی سے ایمان جاتے رہنے اور برا خاتمہ ہونے کا اندیشہ ہے' اللہ تعالیٰ اس شخص کو اس دن سے پہلے ناپید کردے جس دن بزرگوں پر اعتراض کرے کہ اس کے حق میں بہتر یہی ہے' میں کہتا ہوں کہ قرآن وحدیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے بشرطیکہ انصاف سے اور طلب حق کے لئے تامل کیا جاوے کہ جس شخص

میں توکل کی شرطیں پائی جاویں تو اس کے لئے توکل کرنا کمانے سے بدرجہا افضل ہے اور یہ اعلیٰ مقام ہے مقام ولایت سے، جناب رسول اللہ ﷺ خود متوکل تھے اور جو آمدنی متوکل کو ہوتی ہے وہ ہاتھ کی کمائی سے بہت بہتر ہے" اور اس میں خاص برکت اور خاص نور ہے جسے اللہ تعالیٰ نے یہ رتبہ مرحمت فرمایا ہے اور بصیرت اور فہم اور نور عطا فرمایا ہے وہ کھلی آنکھوں اس کی برکات دیکھتا اور اس کا تفصیلی بیان کسی خاص موقع پر کیا جاوے گا۔ چونکہ یہ مختصر رسالہ ہے اس لئے طوالت کی گنجائش نہیں اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ یہ قول سراسر غلط ہے جیسا کہ بیان ہوا۔ اور بڑی بے انصافی کی بات ہے کہ ایک تو خود نیک کام سے محروم رہو اور دوسرا کرے تو اس پر لعن طعن کرو، کیا حق تعالیٰ کو منہ دکھاؤ گے جب کہ اس کے دوستوں کے درپے ہوتے ہو اور علاوہ فائدہ مذکورہ کے توکل اختیار کرنے میں بہت سے دینی فائدے ہیں اور وہ متوکلین جو مخلوق کی تعلیم کرتے ہیں ان کی خدمت کرنا تو بقدر ان کے ضروری خرچ پورا ہونے کے فرض ہے سو اپنا حق نذرانہ سے لینا کیوں برا سمجھا گیا جب کہ غیر متوکلین بھی اپنے حقوق خوب مار دھاڑ سے لڑائی لڑ کر وصول کرتے ہیں حالانکہ متوکلین تو بہت تہذیب اور لوگوں کی بڑی آرزو کرنے سے اپنا حق وصول کرتے ہیں۔ اور

نذرانہ قبول کرنے میں جب کہ ذلت نہ ہو اور استغنا اور بے پروائی سے لیا جاوے خصوصا جب کہ اسکے واپس کرنے میں دینے والے کی سخت دل شکنی ہو تو ظاہر ہے کہ اس میں بھلائی ہی بھلائی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسے حضرات جو سچے متوکل ہیں ان کو بڑی عزت سے روزی میسر ہوتی ہے، مگر ان کی نیت اور توجہ محض خدا کے بھروسہ پر ہوتی ہے، مخلوق کی طرف نگاہ نہیں ہوتی اور جو طمع رکھے مخلوق سے اور نگاہ کرے ان کے مال پر وہ دغاباز ہے وہ ہمارے اس کلام سے خارج ہے، ہم نے تو سچے توکل والوں کی حالت بیان کی ہے، کسی کو حقیر سمجھنا خصوصا خاصان خدا کو بڑا سخت گناہ ہے، اور ان حضرات کا اس میں کوئی ضرر نہیں بلکہ نفع ہے کہ برا کہنے والوں کی نیکیاں قیامت کے روز ان کو ملیں گی، تباہی تو ان کی ہے جو برا کہتے ہیں کہ دین ودنیا تباہ ہوتی ہے، اور یہ بھی یاد رہے کہ توکل کی اجازت ہر شخص کو شریعت نے نہیں دی ہے، اس کی ہمت کرنا اور اس کی شرطوں کا پورا ہونا بہت دشوار ہے۔ اسی وجہ سے ایسے حضرات بہت کم پائے جاتے ہیں گویا کہ معدوم ہیں اور بہت اچھی چیز ہمیشہ کم ہی ہوتی ہے۔ اللہ پاک کا بے حد شکر ہے کہ یہ مقام محض معمولی توجہ سے بہت عمدہ تحریر ہوگیا اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو عمل کی توفیق دیں۔

آمین

(بہشتی زیور ۵ ر ۶۳)

....

(ت) :۔ اور اس میں اشارہ اس آیت کی طرف ہے :

کلوا من طیبات مارزقنکم۔

(الاعراف۔ آیت ۱۶۰)

ترجمہ :۔جو پاک چیزیں ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہیں ان میں سے کھاؤ۔

کسب حلال کی سب سے عمدہ دلیل

اور ہمارے لئے سب سے زیادہ لائق اعتماد بات یہ ہے کہ رزق حلال کے لئے کوشش کرنا انبیاء و مرسلین علیہم الصلوۃ والسلام کی سنت ہے جیسا کہ ہم ما قبل میں بیان کرچکے۔ فریق مخالف کا ہماری مخالفت میں حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما الصلوۃ والسلام کو پیش کرنا بھی سود مند نہیں کیونکہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ بیان کرچکے ہیں کہ آپ اپنی والدہ کی سوت کی کمائی سے گزارہ فرماتے تھے۔

ہاں ہم یہ ضرور کہتے ہیں کہ کسب معاش کے سلسلہ میں انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی حیثیت عوام الناس کی سی نہیں ہے کیونکہ ان حضرات کی بعثت کا مقصد لوگوں کی ہدایت، دعوت الی الحق

اور تعلیم و تبلیغ ہوا کرتی ہے چنانچہ اسی بنا پر ان نفوس قدسیہ نے تمام عمر تحصیل معاش میں صرف فرمانے کے بجائے مقصد بعثت میں صرف فرمائی مگر بعض اوقات ان حضرات نے بھی کسب معاش میں حصہ لیا تاکہ لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ یہ بھی ایک ایسا کام ہے جس میں آدمی کو لگنا چاہئے (ف۱) نیز یہ بھی واضح کرنا مقصود تھا کہ معاشی سرگرمیوں میں حصہ لینا توکل کے منافی نہیں۔ (ف۲)

....

(ف ۱) :۔ اس کی توضیح و تفصیل "وسائل معیشت عقل کی روشنی میں" کے تحت آئندہ آرہی ہے۔ ۱۲

....

(ف ۲)

توکل مسنون :۔ آیت شریفہ حسبنا اللہ ونعم الوکیل کی تفسیر میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں :

"یہاں یہ بات خصوصیت سے قابل غور ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ سے زیادہ تو دنیا میں کسی کا توکل و اعتماد اللہ تعالی پر نہیں ہوسکتا۔ لیکن آپ کی صورت توکل یہ نہ تھی کہ اسباب ظاہرہ کو چھوڑ کر بیٹھے رہتے اور کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے وہ بیٹھے بٹھائے ہمیں غلبہ عطا فرمائے گا۔ نہیں۔ بلکہ آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو جمع کیا زخم خوردہ لوگوں کے دلوں میں نئی

روح پیدا فرمائی، جہاد کے لئے مکمل تیاری کی اور نکل کھڑے ہوئے، جتنے اسباب وذرائع اپنے اختیار میں تھے وہ سب مہیا کئے اور استعمال کرنے کے بعد فرمایا کہ ہمیں اللہ کافی ہے۔

یہی وہ صحیح توکل ہے جس کی تعلیم قرآن میں دی گئی اور رسول کریم ﷺ نے اس پر عمل کیا اور کرایا اور اسباب ظاہرہ دنیویہ بھی خدا تعالیٰ کا انعام ہیں' ان کو ترک کردینا اس کی ناشکری ہے۔ ترک اسباب کرکے توکل کرنا سنت رسول نہیں۔ کوئی مغلوب الحال ہو تو وہ معذور سمجھا جاسکتا ہے ورنہ صحیح بات یہی ہے کہ :

بر توکل زانوئے اشتر بہ بند

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ایک واقعہ میں آیت حسبنا اللہ ونعم الوکیل کے بارے میں واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے :

"حضرت عوف بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں دو شخصوں کا مقدمہ آیا آپ ؐ نے ان دونوں کے درمیان فیصلہ فرمایا یہ فیصلہ جس شخص کے خلاف تھا اس نے فیصلہ نہایت سکون سے سنا اور یہ کہتے ہوئے چلنے لگا کہ حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کو میرے

پاس لاؤ اور فرمایا :

ان اللہ یلوم علی العجز ولکن علیک بالکیس فاذا غلبک امر فقل حسبی اللہ ونعم الوکیل۔

ترجمہ :۔یعنی اللہ تعالیٰ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جانے کو ناپسند کرتے ہیں تم کو چاہیے کہ تمام ذرائع اختیار کرو پھر بھی عاجز ہوجاؤ تو اس وقت کہو حسبی اللہ ونعم الوکیل۔"

(معارف القرآن ۲ر۲۴۲)

نیز حضرت مفتی صاحب" تحریر فرماتے ہیں :

"توکل کے یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے اسباب وآلات کو چھوڑ دے بلکہ مراد یہ ہے کہ اسباب اختیاریہ کو ضرور اختیار کرے مگر بھروسہ اسباب پر کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ پر کرے کہ جب تک اس کی مشیت وارادہ نہ ہوجائے کوئی کام نہیں ہوسکتا۔"

(معارف القرآن ۸ر۲۸۸)

اعتقاد تقدیر استعمال تدبیر کے ساتھ ہونا چاہیے بے تدبیری کا م توکل رکھنا غلط ہے۔

نیز ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں :

"تقدیر وتوکل پر یقین رکھنے کا یہ حاصل نہ ہونا چاہیے کہ آدمی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے اور یہ کے

کہ جو کچھ قسمت میں ہوگا وہ ہو جائے گا بلکہ ہونا یہ چاہئے کہ اسباب اختیاریہ کے لئے اپنی پوری توانائی اور ہمت صرف کی جائے اور بقدر قدرت اسباب جمع کرنے کے بعد معاملہ کو تقدیر و توکل کے حوالہ کریں، نظر صرف اللہ تعالیٰ پر رکھیں کہ نتائج ہر کام کے اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔"

(معارف القرآن ج۲ ص۳۸۸)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور توکل

امام احمد کے صاحبزادہ عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے ان لوگوں کے متعلق دریافت کیا جو یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہیں کمائی میں نہیں لگتے تو امام صاحبؒ نے فرمایا کہ توکل علی اللہ تو ہر شخص کے لئے ضروری ہے مگر ساتھ میں کمانے کی عادت رکھنی چاہئے (بیکاری اور تعطل کی عادت امر محمود نہیں) چنانچہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع۔

(الجمعہ)

ترجمہ: "ذکر الٰہی کی طرف (یعنی نماز جمعہ کے لئے) لپکو اور

خرید و فروخت چھوڑ دو"۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کماتے اور کاروبار کرتے تھے۔ نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص دو یا تین لڑکیوں کی کفالت کرے گا اس کے لئے جنت ہے۔ (اور ظاہر ہے اس کے لئے کمانا ضروری ہے) لہٰذا جو شخص اس کے خلاف کہتا ہے وہ بیوقوف ہے۔

(کتاب الحث علی التجارۃ ص۱۵۶)

امام الاولیاء حضرت فضیل بن عیاض اور توکل

حضرت فضیل بن عیاض سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص یہ کہہ کر گھر میں بیٹھ رہے کہ اسے اللہ تعالیٰ پر پورا اعتماد ہے کہ وہ گھر بیٹھے ہی اسے رزق عطا فرمائیں گے ایسے شخص کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر واقعی وہ شخص یہ بات پورے وثوق سے کہہ رہا ہے (یعنی مغلوب الحال ہے) تو پھر اسے کوئی شے اس کے موقف سے ہٹا نہیں سکتی ہے مگر یہ جان لینا چاہئے کہ یہ طریقہ نہ انبیاء و مرسلین کا ہے نہ خلفائے راشدین کا بلکہ انبیاء کرام بھی مزدوری اور اجرت پر کسب فرمایا کرتے تھے ہمارے آقا حضرت رسول اکرم ﷺ نے بھی ایسا فرمایا اور ابوبکر و عمرؓ نے بھی اجرت پر کام کیا ہے کسی نے یہ نہ کہا کہ ہم بیٹھتے ہیں خدا تعالیٰ ہمارا رزق بھیج دیں گے اور حق تعالیٰ شانہ نے خود ارشاد فرمایا ہے:

وابتغوا من فضل اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل کو یعنی روزی کو تلاش کرو۔ لہٰذا تحصیل معاش ایک ضروری اور لابدی امر ہے۔
(کتاب الحث علی التجارۃ ص۵٦)

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی رائے

حضرت شیخ فضائل تجارت میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ خود متوکل تھے فقر وفاقہ کے سخت مراحل سے گزرے ہوئے تھے مگر اپنے مریدین کیلئے اس کا اہتمام فرماتے تھے کہ وہ کسی پریشانی میں مبتلا نہ ہوں۔

اور مکتوبات امدادیہ ص۱۲ مکتوب نمبر۲ میں حضرت حاجی صاحبؒ نے خود حضرت تھانویؒ کو لکھا ہے: (صرف ترجمہ پیش خدمت ہے)
"اسباب سے تعلق کو ختم کردینا مصلحت کی بات نہیں، اس لئے کہ یہ بات سوائے تجرد کی حالت کے اور کسی حالت میں اچھی نہیں لگتی۔ اہل وعیال کو معاش کے معاملہ میں مضطرب اور پریشان چھوڑ دینا ناعاقبت اندیشی کی بات ہے اور کوئی فائدہ نہیں ....."۔

حضرت تھانویؒ فائدہ کے تحت تحریر فرماتے ہیں:
"یعنی جس شخص کے نفس میں مجاہدہ وریاضت سے پوری قوت توکل کی پیدا نہ ہوئی ہو وہ ظاہری اسباب معیشت کو ترک نہ کرے ورنہ نفس کو تشویش وبدگمانی قضائے الٰہی کے ساتھ پیدا ہوگی اور تشویش میں کوئی کام درست

نہیں ہوتا۔ بالخصوص باطن کا کام جس میں سراسر جمعیت کی ضرورت ہے اور البتہ جس وقت قلب میں قوت کا اعتماد علی الحق پیدا ہوجائے تو ترک اسباب جائز ہے۔ مگر یہ ضرور ہے کہ جلدی نہ کرے جب تک پورے طور سے اس صفت میں اپنا امتحان نہ کرے اور شیخ کی بھی اجازت نہ ہوجاوے...."
(فضائل تجارت ص٦٢)

نیز حضرت شیخ نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ انہوں نے اپنے شیخ حضرت حاجی صاحب مہاجر مکیؒ سے ترک مشاہرہ اور بلا تنخواہ لوجہ اللہ کام کرنے کے بارے میں مشورہ لیا تو حضرت حاجی صاحب نے فرمایا "آپ ترک مشاہرہ کیلئے مجھ سے مشورہ طلب کرتے ہیں۔ مشورہ دلیل ہے تردد کی اور تردد کی حالت میں ترک اسباب موجب پریشانی ہوتا ہے۔ ترک اسباب تو اس وقت روا ہوتا ہے جب آدمی مغلوب الحال ہوجائے۔"
(فضائل تجارت ص٦١)

حقیقت توکل ورفع غلطی

آج کل توکل کے معنی یہ مشہور ہیں کہ تمام اسباب کو چھوڑ کر بیٹھ جاوے یہ معنی بالکل غلط ہیں تمام قرآن وحدیث اثبات تدبیر واسباب سے پر ہے۔ بلکہ توکل بایں معنی تو کبھی ہو ہی نہیں سکتا اچھا اگر بلا تدبیر کچھ کھانے پینے کو مل بھی گیا تو کیا کھانے میں لقمہ بھی منہ میں نہ رکھو گے اس کو چباؤ گے بھی نہیں اس کو نگلو گے بھی نہیں؟ پھر

یہ سب بھی تو اسباب وتدابیر ہیں غذا پہنچنے کے، پھر توکل کہاں رہا؟ اس سے تو لازم آتا ہے کہ آج تک کوئی نبی ولی متوکل ہوا ہی نہیں، پھر اس کا کون قائل ہو سکتا ہے بلکہ توکل کی حقیقت وہ ہے جو توکیل کی ہے یعنی مقدمہ میں کسی کو وکیل بناتے ہیں تو کیا صاحب مقدمہ پیروی وکوشش چھوڑ دیتا ہے؟ کیا گواہوں کے تیار کرانے میں اہتمام نہیں کرتا کیا طلبانہ کا روپیہ داخل نہیں کرتا؟ سب کچھ کرتا ہے مگر باوجود اس کے مقدمہ کی کامیابی کا نتیجہ وکیل کی لیاقت وحسن تقریر وسعی کا سمجھتا ہے اس کو اپنی تدبیر کی طرف نسبت نہیں کرتا بالکل یہی حال توکل کا سمجھنا چاہئے کہ اسباب وتدابیر بشرطیکہ خلاف شرع نہ ہوں سب کچھ کرے مگر ان کو موثر نہ سمجھے یہ اعتقاد رکھے کہ کام جب بنے گا اللہ تعالیٰ کے حکم وفضل سے بنے گا اور واقع میں اگر دیکھا جاوے تو تدبیر کا موثر ہونا محض خدا ہی کے حکم سے ہے بندہ کو اس میں ذرہ برابر بھی تو دخل نہیں۔ مثلاً زمین میں بیج ڈال دیا یہ تو اس کی تدبیر تھی اب وقت پر بارش ہونا اس کا زمین سے ابھرنا پکنا آفات سماوی سے محفوظ رہنا یہ اس کے اختیار میں کب ہے اس لئے واجب ہے کہ کامیابی کو ثمرہ فضل خداوندی کا سمجھے بس یہ توکل ہوگیا۔

اس سے معلوم ہوا ہوگا کہ اکثر مسلمان اس نعمت توکل سے مشرف ہیں البتہ بعض بعض کو کسی قدر خیالات کی اصلاح کی ضرورت ہے اور جو کچھ مقدمہ رزق وغیرہ میں طبیعت کو تشویش پیش آتی ہے اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ لوگوں کو صفت توکل حاصل نہیں یا وعدہ الٰہیہ پر اعتماد نہیں بلکہ وجہ اس تشویش کی صرف یہ ہے کہ کامیابی کے

طریق واوقات معین نہیں۔ ابہام کو تردد لازم ہے۔ اور بعض متوکلین کو بلا اسباب کچھ مل گیا ہے وہ کرامت کے قبیل سے ہے جو توکل کے آثار غیر لازمہ سے ہے حقیقت توکل میں داخل نہیں خوب سمجھ لو!

(فروع الایمان از حکیم الامت" ص ۳۵)

مال ودولت کے ساتھ زہد وتوکل کا طریقہ

حضرت حکیم الامت" تحریر فرماتے ہیں : "ضرورت کے موافق دنیا سے تعلق رکھو"۔

بس اسی کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے کہ ضرورت کے موافق دنیا سے تعلق رکھو اس سے دل نہ لگاؤ اس میں منہمک نہ ہو جاؤ نہ تعلقات کو بڑھاؤ بلکہ حتی الامکان اختصار رکھو اس میں نہ تعطل ہے نہ اس پر عمل دشوار ہے مگر اللہ بھلا کرے بعض واعظین کا کہ وہ وعظ کے وقت جو زہد وتوکل کا بیان کریں گے تو اس کو ثیما ایسا دیں گے جو ان واعظ صاحب کے باپ سے بھی نہ ہو سکے حالانکہ شریعت میں ممتنع العمل کوئی بات نہیں بس یہ شریعت کی تعلیم نہیں بلکہ واعظوں کی من گھڑت ہے۔

شرعاً زہد وتوکل کے لئے یہ لازم نہیں کہ ایک پیسہ اپنے پاس نہ رکھے بلکہ مال جمع کرنے کے ساتھ بھی زہد وتوکل ہو سکتا ہے۔ جس

کی صورت یہ ہے کہ مال کے ساتھ دل نہ لگائے اور ضرورت سے زیادہ کے درپے نہ ہو۔ اگر بدون طلب اور انہماک کے ضرورت سے زیادہ سامان حق تعالیٰ عطا فرمادیں تو یہ بھی زہد کے خلاف نہیں توکل یہ ہے کہ اسباب کو موثر نہ سمجھے نہ ان پر اعتماد کرے بلکہ حق تعالیٰ پر نظر رکھے اور ہر چیز کو انہی کی عطا سمجھے اس کیلئے ترک اسباب ترک ملازمت کی ضرورت نہیں' ہاں یہ اور بات ہے کہ کسی کو اسباب کے اختیار کرنے سے الجھن ہو اور ترک اسباب سے قلب کو راحت ہو اور اس کے قلب میں اتنی قوت ہو کہ ترک اسباب سے پریشانی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو اس کو ترک اسباب کی بھی اجازت ہے لیکن توکل اس پر موقوف نہیں۔ بلکہ اختیار یہ اسباب کے ساتھ بھی توکل ہو سکتا ہے بلکہ جس کو ترک اسباب سے پریشانی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو اسے اس کی اجازت ہی نہیں۔ صاحبو! بعض طبائع ایسی ہیں کہ اگر ان کے پاس کچھ مال نہ ہو تو ان کے ایمان جاتے رہنے کا خطرہ ہوتا ہے ان لوگوں کو ترک اسباب حرام ہے۔ ان کو مال جمع کرکے ہی توکل کرنا چاہئے کیونکہ اسباب میں کچھ تاثیر نہیں مگر ان سے گونہ تسلی ہو جاتی ہے۔ یہ حکمت اختیار اسباب میں ضرور ہے چنانچہ ہم بچپن سے دیکھ رہے ہیں کہ حق تعالیٰ ہم کو برابر کھانا کپڑا دے رہے ہیں اور یقین ہے کہ ہمیشہ دیتے رہیں گے مگر پھر بھی جب کچھ رقم پاس میں ہوتی ہے تو اطمینان سا ہوتا ہے بدون رقم کے ویسا اطمینان نہیں ہوتا جیسا کہ رقم کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسباب میں بڑی حکمت ہے ان سے قلب کو یکسوئی اور جمعیت رہتی ہے' اس کی مثال

ایسی ہے جیسے تم ریل میں سوار ہو ٹکٹ اپنے پاس ہو ظاہر ہے کہ اس صورت میں دل جمعی کامل ہوگی اور اگر ٹکٹ کھو جائیں گو نمبر وغیرہ سب کچھ یاد ہو اس وقت دیکھئے کیا حال ہوتا ہے؟!۔

غلط توکل کی مثال

ایسے ہی بعض لوگ ترک ملازمت وغیرہ سے پریشان ہو جاتے ہیں ان کو اس کی اجازت نہیں اس لئے واعظین جو زہد و توکل کیلئے ملازمت ترک کرنے پر اور اپنے پاس کچھ نہ رکھنے کی عام طور پر تعلیم دیتے ہیں یہ انکی غلطی ہے یہ ایسا توکل سکھاتے ہیں جیسا کہ ایک مولوی صاحب نے کسی بادشاہ کو تعلیم دی تھی کہ تم نے اتنی فوج کیوں جمع کر رکھی ہے اس کو الگ کردو اگر کوئی دشمن حملہ آور ہوگا تو ہم اس کو وعظ و نصیحت کرکے سمجھالیں گے۔ بادشاہ نے فوج الگ کردی کچھ دنوں بعد دشمن نے حملہ کردیا بادشاہ نے مولوی صاحب کو بلایا کہ وعظ و نصیحت سے دشمن کو دفع کرو۔ یہ سمجھانے گئے بہت کچھ نصیحتیں کیں مگر اس نے ایک نہ سنی تو مولوی صاحب اپنا سا منہ لے کر واپس آگئے اور بادشاہ سے کہا کہ حضور یہ تو بدمعاش ہیں مانتے نہیں بس ان کا ایمان گیا اور تمہارا ملک گیا صبر کرو۔ تو حضور ﷺ نے ایسا توکل نہیں سکھایا۔ رسول اللہ ﷺ حکیم ہیں اور حکیم بھی کیسے تمام حکماء آپ کے سامنے طفل مکتب ہیں۔ حق تعالیٰ نے بلا واسطہ آپ کو تعلیم دی چنانچہ فرماتے ہیں: علمنی ربی فاحسن

تعلیمی وابتنی ربی فاحسن نادیبی۔

(دنیا و آخرت مجموعہ مواعظ حکیم الامت" ص ۱۴۱)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور حقیقت توکل

"یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ اسباب طبعیہ کو اصل سے چھوڑ دینا اور وسائل شرعیہ کو معطل کر دینا نہ توحید ہے اور نہ ہی اسباب کا چھوڑ دینا شرعی توکل کا نام ہے بلکہ ان ذرائع کو قائم رکھنا اور ان کا لحاظ رکھنا اور ان کو ان کے ان مقامات میں رکھنا جن میں اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے وہی خالص توحید اور عبادت ہے اور قوم کا اس امر پر اتفاق ہے کہ توکل اسباب کو حرکت میں لانے کے مخالف نہیں بلکہ اسباب دنیاوی کو عمل میں لانے کے بعد ہی توکل صحیح ہوتا ہے ورنہ تو وہ بیکاری اور تعطل اور فاسد توکل ہے۔ کیونکہ توحید پرست متوکل اسباب کی طرف اس معنی میں متوجہ ہوتا ہے کہ وہ ان کو ساقط نہیں کر رہا اور چھوڑ نہیں رہا اور لغو نہیں کر رہا ہے بلکہ ان اسباب کے ساتھ قائم رہتے ہوئے اور متوجہ ہوتے ہوئے اس کے مسبب کی طرف دیکھتا ہوتا ہے لہٰذا شرعاً اور عقلاً سوائے ایک خدا کے توکل کسی پر کرنا صحیح نہیں اور اس کے سوا کسی سے خوف نہ کھانا اور امید نہ رکھنی چاہئے اور اسی کی رحمت کی طمع رکھنی چاہئے جیسا کہ اللہ کو مخلوق میں سب سے زیادہ پہچاننے والے نے (یعنی حضورؐ نے) فرمایا کہ "میں اے اللہ تیری رضامندی کی تیرے غصہ سے اور

تیری معافی کی تیری سزا سے پناہ چاہتا ہوں اور تیری ہی پناہ چاہتا ہوں تیری گرفت سے"۔ اور حضور نے فرمایا "نہ تو جائے نجات ہے اور نہ جائے پناہ ہے تجھ سے مگر تیری ہی طرف"۔

پس اگر تم اس توحید اور اسباب کو باہم یکجا کرو گے تو تمہارا دل اللہ کی طرف جانے کی طرف مستقیم ہو جائے گا اور تم پر ایک شاہراہ صاف ہو جائے گی جس پر تمام انبیاء اور رسول چلا کئے ہیں اور وہی صراط مستقیم ہے جو ان لوگوں کا راستہ ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے توفیق"۔

(ترجمہ تقریر علامہ عثمانی در موتمر اسلامی کراچی ماخوذ از تجلیات عثمانی ص ۵۷۷)

....

(ت) :-

حضرت فاروق اعظمؓ اور بیجا توکل کرنے والوں کی اصلاح

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی حقیقت کو واضح فرمایا جب کہ آپ کا گزر قاریوں کی ایک جماعت پر ہوا آپ نے دیکھا کہ وہ سب کے سب سر جھکائے بیٹھے ہیں آپ نے دریافت فرمایا یہ کون لوگ ہیں؟ عرض کیا گیا یہ توکل کرنے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں ہرگز نہیں یہ تو متاکلین ہیں جو لوگوں کا مال کھا رہے ہیں میں تمہیں کیوں نہ بتا دوں کہ متوکل کسے کہتے ہیں؟ لوگوں نے کہا ہاں ضرور، آپ نے

فرمایا: "درحقیقت متوکل وہ ہے جو زمین میں بیج ڈال کر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے"۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ان قرا سے مخاطب ہوکر فرمایا "اے قرا کی جماعت اپنے سروں کو اٹھاؤ اور اپنے لئے کمائی کرو"۔ (عہ)

....

(عہ) :- فی کنز العمال ۲/۱۳۹- لقی عمر بن الخطاب ناسا من اھل الیمن فقال من انتم فقالوا متوکلون فقال کذبتم ما انتم متوکلون انما المتوکل رجل القی حبۃ فی الارض وتوکل علی اللہ رواہ ابن ابی الدنیا فی التوکل (الحث علی التجارۃ ص۱۳۸)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی فہم و فراست نے محسوس فرمالیا کہ ان کا دعوی بلا دلیل ہے یہ سچے متوکلین کی شان نہیں کہ لوگوں کو اپنا متوکل ہونا باور کرائیں بلکہ "مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید"۔

توکل خاصان خدا (جس کے متعلق حضرت حکیم الامت نے تحریر فرمایا ہے کہ "توکل کی اجازت ہر شخص کو شریعت نے نہیں دی اس کی ہمت کرنا اور اس کی شرطوں کا پورا ہونا دشوار ہے") کی تفصیل اور اس کی شرائط کے لئے ملاحظہ ہو "احیاء العلوم ج ۴ کتاب التوحید والتوکل"۔

....

(ت) :- فریق مخالف کا یہ دعوی بھی باطل ہے کہ "اکتساب کبار

صحابہ کا طریقہ نہ تھا"۔

کیونکہ روایات سے ثابت ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پارچہ فروشی اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ چمڑے کا کاروبار کرتے تھے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ غلہ کی تجارت کیا کرتے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ بسا اوقات لوگوں کے ہاں اجرت پر کام کیا کرتے تھے۔ بلکہ ایک طویل حدیث میں آپ کا ایک یہودی کے ہاں اجرت پر کام کرنا بھی مذکور ہے۔

پھر یہ بھی صحیح روایت سے ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پائجامہ دو درہم میں خرید فرمایا نیز ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تولنے والے سے ارشاد فرمایا "جھکتا تولا کر کیونکہ ہم انبیاء لوگوں کا یہی طریقہ ہے"۔ (عہ)

(یعنی جھکتا تولتے ہیں)

....

(عہ) :- عن سوید بن قیس قال جلبت انا ومخرمۃ العبدی بزا من ھجر فاتینابہ مکۃ فجاءنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمشی فساد منا بسراویل فبعناہ وثم رجل یزن بالاجر فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زن وارجح۔ (رواہ احمد وابو داؤد والترمذی وابن ماجہ والدارمی (المشکوۃ/ البیوع/ الافلاس والانظار)

....

(ت) :-

نیز ایک روایت میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک

غریب انصاری کو اپنے ہاتھ کی کمائی کی تعلیم دینے کے لئے اس کا) ایک بڑا پیالہ اور ایک بوریا نیلام سے فروخت فرمایا۔ (۲) نیز ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک بار ایک اعرابی سے آپؐ نے اونٹنی لی اور قیمت اسے پوری دیدی مگر وہ اعرابی مکر گیا اور کہنے لگا اگر آپ قیمت دے چکے تو گواہ لائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کوئی ہے جو میری گواہی دے؟ حضرت خزیمہؓ بن ثابت نے عرض کیا میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ اعرابی کو اونٹنی کی قیمت ادا فرما چکے ہیں۔ حضور ﷺ نے حضرت خزیمہ سے دریافت فرمایا کہ تم تو اس موقع پر تھے نہیں تم میری گواہی کیسے دیتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم تو ان باتوں میں آپ کی تصدیق کرتے ہیں جو آپ کے پاس آسمان سے آتی ہیں تو پھر ہم ایک اونٹنی کی قیمت کے معاملہ میں آپ کی تصدیق کیوں نہ کریں۔ حضور ﷺ نے اس پر ارشاد فرمایا کہ خزیمہ جس کے لئے گواہ بن جائیں بس اس کے لئے (ان کی اکیلے کی گواہی) کافی ہے"۔ (۳)

علامہ ابن قیمؒ اور توکل علی اللہ کے مراتب

توکل علی اللہ کی دو قسم ہے اول انسان کا حوائج وضروریات کے حصول یا مصائب وبلیات سے حفاظت کے لئے اللہ پر آسرا وبھروسہ کرنا۔

دوم: یہ کہ ان امور کے حصول میں توکل کرنا جو حب الٰہی اور اس کی رضا کا سبب ہیں جیسے ایمان ویقین، جہاد اور دعوت الی اللہ وغیرہ میں اور ان میں جو فضیلتیں ہیں اس کا اندازہ اللہ جل شانہ کے علاوہ کسی کو نہیں،

چنانچہ بندہ جب قسم دوم میں پختہ اترتا ہے تو رحمت الٰہیہ اس کے تمام حوائج وضروریات کو کافی ہو جاتی ہے۔ اور اگر وہ صرف قسم اول میں ہی پورا اترتا ہے تو بھی اس کا کام ہو جاتا ہے مگر اس کا مرتبہ وہ نہیں ہوتا جو قسم دوم میں پختہ اترنے والے کا ہے۔

بہر کیف توکل کا سب سے بڑا مرتبہ یہی ہے کہ انسان ہدایت، توحید اور اتباع رسول اور اہل باطل سے جہاد وغیرہ جیسے امور میں توکل کرے اور یہی انبیاء ورسل اور ان کے نائبین اور متبعین کا توکل ہے۔

توکل کبھی اضطراری ہوتا ہے کہ بندے کو سوائے توکل کے کوئی چارہ نہ ہو جیسے مثلاً صورت حال یہ ہو جائے کہ تمام اسباب وتدابیر بے سود ہو جائیں اپنی جان بھاری ہو جائے تو اس وقت جو کیفیت ہوتی ہے کہ انسان کو یقین آجاتا ہے کہ اب کہیں پناہ نہیں اللہ سے مگر اسی کی طرف، تو ایسے وقت انسان کو ضرور فراخی اور مشکلات سے نجات حاصل ہو جاتی ہے۔

اور کبھی توکل اختیاری ہوتا ہے جب کہ توکل کے ساتھ حصول مراد کیلئے اسباب بھی موجود ہوں۔ اگر صورت یہ ہو کہ وہ اسباب ایسے ہیں جنہیں اختیار کرنے کا شرعاً حکم ہے تو ان کا ترک کرنا قبیح اور مذموم ہے نیز اگر صرف اسباب اختیار کرلیا اور توکل چھوڑ دیا تو یہ اور زیادہ قبیح اور شنیع ہے کیونکہ توکل کے وجوب پر پوری امت متفق ہے نیز قرآن سے صراحۃ اس کا وجوب ثابت ہے۔ لہٰذا ایسے مواقع پر توکل اور اسباب وتدابیر دونوں کو اختیار کرنا اور دونوں کو ساتھ لے کر چلنا واجب اور ضروری ہے۔

اور اگر صورت حال یہ ہو کہ وہ اسباب وتدابیر محرمات میں سے ہیں تو پھر ایک ہی راستہ متعین ہے اور وہ ہے توکل کیونکہ حصول مراد اور دفع مکروہات کیلئے توکل سے زیادہ موثر کوئی شے نہیں بلکہ علی الاطلاق تمام اسباب وتدابیر میں سب سے قوی سبب اور کارگر تدبیر اگر کوئی ہے تو وہ یہی توکل ہے۔

اور اگر صورت یہ ہے کہ وہ اسباب وتدابیر مباحات (جن کے کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے) میں سے ہیں تو پھر دیکھنا یہ ہوگا کہ وہ توکل میں مخل تو نہیں کہ اس سے توکل میں کمی ہوتی ہے قلبی تشویش یا الجھن وپریشانی ہوتی ہو اگر ہوتی ہے تو ایسے شخص کے لئے ترک اسباب ہی بہتر ہے اور اگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تو پھر ایسے شخص کو اسباب اختیار کرنا افضل واولیٰ ہے کیونکہ احکم الحاکمین کی حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ اس کے پیدا کئے ہوئے اسباب بروئے کار لائے جائیں لہٰذا انسان کی انتہائی کوشش یہی ہونی چاہئے کہ وہ احکم الحاکمین کی حکمت کے تقاضہ پر حتی الامکان عمل کرے اور اسے معطل اور فضول نہ بنا ڈالے۔ خصوصا جب کہ اس میں اپنے مولیٰ کی بندگی کا بھی خیال کرے کہ اس طرح توکل سے قلبی بندگی ہوگی اور اسباب کو قربت سمجھ کر کرنے سے اعضا وجوارح سے بندگی ادا ہوگی۔

اور جو شی توکل کو محقق اور ثابت کرتی ہے وہ اسباب کا اختیار کرنا ہی تو ہے جو اسے ترک کردے اس کا توکل ہی نہیں۔ جس طرح کہ حصول مراد کے لئے اسباب کو بروئے کار لانا آدمی کی امید کو پورا کرنے کا باعث ہوتا ہے اسی طرح اگر کوئی اسباب ہی چھوڑ کر خالی امید باندھتا

ہے تو اسے (فضول) تمنا کرنے والا گردانا جائے گا۔ اسی طرح جو اسباب کو بے کار سمجھے اس کا توکل عجز (نکما پن) اور اس کا عجز توکل ہوگا۔

اور توکل کی حقیقت اور اصلیت یہ ہے کہ دل کا اعتماد خدائے وحدہ لاشریک لہ پر ہو اور جسے یہ حاصل ہے اسے اسباب بروئے کار لانا ہرگز نقصان دہ نہیں جب تک اس کا قلب غیر اللہ پر اعتماد اور بھروسہ نہ کرے۔ جیسے غیر اللہ پر اعتماد اور بھروسہ رکھنے والے کیلئے توکلت علی اللہ کہنا لایعنی اور فضول ہے کیونکہ زبانی توکل اور ہے اور قلبی توکل اور۔ جس طرح اصرار علی المعصیت (گناہوں کے ارتکاب) کے ساتھ توبہ الگ شے ہے اور قلبی توبہ (وندامت) کہ جس میں زبان کو جنبش تک نہ ہو علیحدہ شے ہے پس بندہ کا غیر اللہ پر اعتماد کے باوجود توکلت علی اللہ کہنا ایسا ہی ہے جیسے اصرار علی المعصیت کرنے والے کا تبت الی اللہ (میں اللہ سے توبہ کرتا ہوں) کہنا (یعنی) لایعنی اور بے کار ہے۔

(الفوائد لابن قیم ص ۱۱۸)

حضرت شیخ الحدیثؒ اور توکل واختیار اسباب میں تطبیق

ہمارے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

"ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں لکھا ہے کہ اسباب اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں اور اگر کوئی شخص خالص توکل کا ارادہ کرے تو اس میں بھی مضائقہ نہیں بشرطیکہ مستقیم الحال ہو اسباب چھوڑ کر پریشان نہ ہو بلکہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کا خیال بھی نہ آئے اور جن حضرات نے ترک اسباب کی مذمت فرمائی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ اس کا حق ادا نہیں کرتے بلکہ دوسرے لوگوں کے توشہ دانوں پر نظر رکھتے ہیں۔"

(فضائل تجارت ص ۴۴)

نیز فرماتے ہیں :

"اختیار اسباب اور توکل محض کی احادیث اور قصص میں مختلف طور سے جمع کیا گیا ہے :

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ توکل کے تین درجے ہیں پہلا درجہ تو ایسا ہے جیسا کہ کوئی شخص کسی مقدمہ میں کسی ہوشیار ماہر تجربہ کار کو وکیل بنالے کہ وہ ہر چیز میں اس ماہر وکیل کی طرف رجوع کرتا ہے لیکن اس کا

یہ توکل فانی کیسی ہے اس کو اپنے توکل کا احساس وشعور ہے۔

دوسرا درجہ جو پہلے سے اعلیٰ ہے وہ ایسا ہے جیسا کہ ناسمجھ بچہ کا اپنی ماں کی طرف کہ وہ ہر بات میں اسی کو پکارتا ہے اور جب کوئی گھبراہٹ یا تکلیف کی بات اس کو پیش آتی ہے تو سب سے پہلے اس کے منہ سے اماں! نکلتا ہے ان ہی دونوں کی طرف حضرت سہلؒ نے اشارہ کیا ہے جب کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ توکل کا ادنیٰ درجہ کیا ہے؟ فرمایا امیدوں کا ختم کردینا۔ پھر سائل نے پوچھا درمیانی درجہ کیا ہے؟ فرمایا' اختیار کا چھوڑ دینا' پھر سائل نے پوچھا کہ اعلیٰ درجہ کیا ہے؟ فرمایا' کہ اس کو وہ پہچان سکتا ہے جو دوسرے درجہ پر پہنچ جائے۔

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ تیسرا درجہ سب سے اعلیٰ ہے وہ یہ کہ اللہ جل شانہ کے ساتھ ایسا ہوجائے جیسا مردہ نہلانے والے کے ہاتھ میں۔ اس کی اپنی کوئی حرکت رہتی ہی نہیں' اس درجہ پر پہنچ کر وہ اللہ جل شانہ سے مانگنے کا بھی محتاج نہیں رہتا وہ خود ہی بلا طلب اس کی ضروریات کا تکفل کرتا ہے جیسا کہ نہلانے والا خود ہی میت کی ضروریات غسل کو پورا کرتا ہے۔ (احیاء)

اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا

عام طریق "اسباب کے اختیار" کا تھا صحیح ہے لیکن حق یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے شایان شان وہی حالت تھی جس کو حضور اقدس ﷺ نے اختیار فرمایا۔ اگر حضور اقدس ﷺ کے حالات ان واقعات کی نوعیت کے ہوتے تو امت بڑے سخت ابتلا میں پڑجاتی۔ حضور اقدس ﷺ کو امت پر شفقت کی وجہ سے اس کا بہت اہتمام تھا کہ ایسی چیز اختیار نہ فرمائیں جس میں امت کو مشقت ہو۔

نیز حضرت شیخ تحریر فرماتے ہیں :

"صاحب روض لکھتے ہیں کہ جلب منفعت اور دفع مضرت کے اسباب کا اختیار کرنا ہی طریقہ جمہور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور جمہور اولیاء کا ہے لیکن اس سے ان اولیاء کرام پر جو مضرتوں سے نہ بچتے تھے اور اپنے لئے اسباب اختیار نہ فرماتے تھے اعتراض نہیں ہو سکتا اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ شریعت مطہرہ پر چلاتے تھے جس پر عوام وخواص سب چل سکیں اگر قافلوں کا چلانے والا کسی ایسے مشکل راستے پر قافلے کو لے جائے جس پر وہ خود اپنی قوت سے چل سکتا ہو لیکن قافلہ کی اکثریت اس راستہ کی متحمل نہ ہو تو وہ قافلہ والوں کے اوپر مہربان شمار نہ ہوگا۔"

(فضائل تجارت)

امام حارث محاسبیؒ اور فرض توکل کی حقیقت

قدوۃ السالکین امام العارفین علامہ حارث بن اسد محاسبیؒ المتوفی

۲۴۳ھ نے اس موضوع پر کتاب المکاسب لکھی ہے جس کے ایک حصہ کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں :

"فرض توکل کی حقیقت"

"یعنی جس توکل کے عوام وخواص سب ہی مکلف ہیں وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے خالق ومالک، رازق، محیی وممیت، معطی ومانع نیز سارے امور میں تنہا حاکیت اور اس کے متصرف ہونے کا پختہ یقین ہو اور اس کے وعدہ کے مطابق تقسیم ارزاق اس کی کفالت وضمانت (کہ وقت مقررہ پر قسمت کے مطابق رزق ملے گا) پر ایسا ایمان ہو کہ دل پوری طرح مطمئن اور شکوک وشبہات کی تمام کدورتوں سے پاک ہو نیز زبانی بھی اس کا اقرار ہو۔

البتہ عوام اپنی طبعی کمزوری یعنی حرص مال ودولت سے (باوجود قوت ایمانی اور عقیدہ کی پختگی کے) مجبور ہوتے ہیں کہ عجلت پسندی اور دولت مندی کی خواہش ان میں ہوتی ہے لہٰذا رزق میں کسی تاخیر یا رکاوٹ سے بے قرار ہوجاتے اور گھبرانے لگتے ہیں اور یہ ایک بشری کمزوری ہے جو قابل مواخذہ نہیں جیسا کہ سورہ آل عمران میں مالک حقیقی نے بیان فرمایا ہے : (آیت مع ترجمہ چند صفحات کے بعد نفس کتاب میں مذکور ہے)

نیز سورہ قیامہ میں ہے :

كلا بل تحبون العاجلة وتذرون الآخرة۔

(القیامہ۔۔)

ترجمہ: "کوئی نہیں پر تم چاہتے ہو جو جلد ملے اور چھوڑتے ہو جو دیر میں آئے"۔

نیز ارشاد ہے:

وکان الانسان عجولا۔

(سورہ اسراء)

ترجمہ: "اور ہے انسان جلد باز"۔

ان آیات میں حق تعالیٰ نے انسان کی بڑی کمزوریوں کا ذکر فرمایا ہے اس کا قابل مواخذہ نہ ہونا اس طور پر ہے کہ ایسے لوگ اسباب میں لگتے تو ہیں مگر عقیدہ کی پختگی سے وہ ان اسباب وتدابیر کو موثر نہیں مانتے بلکہ اپنی ہوشیاری اور تدابیر کو قسمت کا تابع خیال کرتے ہیں اور اسے مشیت الٰہیہ کے آگے بے بس سمجھتے ہیں"۔

نیز امام محاسبیؒ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے محض مخالفت نفس کو عبادت قرار نہیں دیا نہ انسان کو اس کا مکلف فرمایا ہے کہ وہ ہمیشہ طبعی تقاضوں کو رد کردیا کرے، بلکہ عبادت اپنی اطاعت کو قرار دیا ہے کہ اس کے حکم پر چلے اور ممانعت پر رک جائے لہٰذا جو شخص حلال وحرام کی پرواہ نہ کرے وہ

بے شک نادان ونافرمان ہے اس کا توکل ناقص ہے اور ایسا ہی شخص فرائض میں کوتاہی کرنے کے باعث قابل مواخذہ ہے"۔

تحصیل معاش کے دلائل کے تحت امام محاسبیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

"اس کے واضح دلائل قرآن وحدیث میں بکثرت موجود ہیں سورہ بقرہ میں ہے:

یا ایها الناس کلوا مما فی الارض حلالا طیبا۔

ترجمہ: "اے لوگو کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے حلال پاکیزہ"۔

نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی تعریف میں آیت

رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع ......

الآیہ۔

نازل ہوئی۔

ترجمہ: "(یعنی معاش کے دھندے ان کو اللہ کی یاد اور احکام الٰہیہ کی بجا آوری سے غافل نہیں کرتے)

بڑے سے بڑا بیوپار یا معمولی خرید وفروخت کوئی چیز خدا کے ذکر سے نہیں روکتی۔ (تفسیر عثمانی)

نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے مومن کا بہترین کھانا وہ ہے جو وہ اپنی کمائی سے کھائے۔ ان دلائل سے واضح ہے کہ تحصیل معاش جائز ہی نہیں بلکہ مستحب و مستحسن ہے تو پھر ایسا کرنے والا فرض توکل کے دائرہ سے خارج کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے بلکہ حکم خدا کے مطابق حلال کمانے والا عبادت گزار اور مطیع بندہ شمار ہوگا۔

یہ اپنی جگہ مسلم ہے کہ اس سے اعلیٰ و افضل مرتبہ وہی ہے جس پر صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ اور ہر زمانہ کے اولیاء اللہ فائز ہوتے ہیں یعنی یہ کہ اخلاص کے ساتھ عبادت الٰہی میں مصروف ہوں نوافل کے ذریعہ تقرب الی اللہ میں کوشاں رہیں اس کی ایسی لگن ہو کہ دنیاوی لذائذ اور مادی مزخرفات کو بھول جائیں بلکہ ہر وہ شی جو مالک کی یاد میں مخل ہو ان کے لئے جرم عظیم ہو انہیں طبعی محرکات اور بشری تقاضے بھی اس موقف سے متزلزل نہ کر سکیں پھر اس کا صلہ یہ ملتا ہے کہ غیبی نصرت فتوحات اور سعادت کے دروازے کھل جاتے ہیں جو ان کے لئے دنیا ومافیہا سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔ وہ بقدر کفاف معاش کی تحصیل میں لگتے ہیں اسی پر قانع رہتے ہیں اپنے اوقات اور ہر نفس کی نگرانی کرتے ہیں اس قیمتی سرمایہ حیات کو دولت کے دھنی کی طرح تحصیل زر میں ضائع

کرنے سے بچاتے ہیں ہاں مگر جب خالق و مالک کی رضا ہی انہیں اس میں لگنے کی طرف راغب کرے تو پھر یہ اسے دیگر نفلی عبادات پر ترجیح دیتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ محبوب رب العالمین ﷺ نے ارشاد فرمایا :

کفٰی بالمرء شرا ان یضیع من یعول۔

ترجمہ :"کہ انسان کی برائی کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے عیال (جن کی معاش کا وہ کفیل ہے) کو ضائع کردے"۔

نیز

کلکم راع وکل مسئول عن رعیتہ۔

ترجمہ :"تم سب رکھوالے ہو اور ہر ایک اپنے ماتحت کے بارے میں جواب دہ ہے"۔

تو وہ اپنے ماتحت، بیوی، بچوں، والدین وغیرہ کی دینی دنیاوی ضروریات کا پورا کرنا اپنا واجب سمجھتے ہیں کیونکہ حدیث بالا میں وعید ہے اور وعید کسی واجب کے چھوڑنے پر ہی آتی ہے نفل کے ترک پر نہیں آتی لہٰذا وہ حقوق واجبہ کے واسطے کسب میں لگنے کو نفلی عبادت پر مقدم کرتے ہیں اور انہیں یہ یقین و اطمینان ہوتا ہے کہ اس موقع پر تحصیل معاش میں لگنا ہی قرب الٰہی کا قریب ترین راستہ ہے۔ بے شک صدیقین اور متقین کا یہی مقام ہے۔ علوم نبوت کے حاملین اور اس کے امین

حضور ﷺ کے سچے جانشین خلفائے راشدین و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اسی پر عمل رہا۔ آیت شریفہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم میں اولی الامر سے یہی حضرات مراد ہیں یعنی خدا و رسول اور اولوالامر کی اطاعت ہم سب پر فرض اور لازمی ہے"۔

(انتہی ملخصا من کتاب المکاسب)

"وفی السماءرزقکم" کی تفسیر

فریق مخالف نے دلیل میں آیت شریفہ وفی السماءرزقکم وما توعدون۔ (الذاریات ۲۲) پیش کی حالانکہ اس سے بھی ان کا مدعا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس رزق سے مراد بارش ہے جو آسمان سے نازل ہوتی ہے جس سے نباتات پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ بعض سلف کا قول منقول ہے:

"اے ابن آدم بلاشبہ اللہ تعالیٰ تجھے بھی رزق عطا فرماتے ہیں اور تیرے رزق کو بھی رزق دیتے ہیں اور اس رزق کو بھی رزق عطا فرماتے ہیں"۔

وہ اس طرح پر کہ آسمان سے بارش بھیجتے ہیں جو نباتات کے لئے رزق ہے اور نباتات مویشیوں کے لئے رزق ہیں اور مویشی انسان کے لئے رزق کا سامان ہیں۔

اور اگر ہم آیت کے ظاہری معنی بھی لیں تو ہم کہیں گے کہ

بے شک جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے ہمارا رزق آسمان میں ہے۔ مگر ہمیں حکم یہ ہے کہ اسباب اختیار کریں تاکہ ہمارا وہ رزق ہماری کمائی کے ذریعہ ہمیں حاصل ہو۔ چنانچہ حدیث قدسی وارد ہے

عبدی حرک یدک انزل علیک رزقک۔

ترجمہ: "اے میرے بندے تو اپنا ہاتھ ہلا (کوشش کر) تاکہ میں تجھ پر رزق اتاروں"۔

نیز حق تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو حکم فرمایا کہ "کھجور کے تنے کو حرکت دیں"۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وھزی الیک بجذع النخلة تساقط علیک رطبا جنیا۔

(مریم۔ آیت ۲۵)

ترجمہ: "اور اس کھجور کے تنے کو (پکڑ کر) اپنی طرف ہلاؤ اس سے تم پر تازہ کھجوریں جھڑیں گی"۔

حالانکہ حق تعالیٰ شانہ اس پر قادر ہیں کہ جس طرح انہیں محراب میں بے مشقت اور بے اسباب اور بے موسم رزق عطا فرماتے تھے اسی طرح اس موقع پر بھی بغیر تنے ہلائے کھجوریں عطا فرما دیتے۔ (ف)

....

(ف):۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب" تحریر فرماتے ہیں:

"حکمت یہ ہے کہ اس میں تحصیل رزق کے لئے کوشش کرنے کا سبق ملتا ہے اور یہ بھی بتلاتا ہے کہ رزق حاصل کرنے میں کوشش اور محنت کرنا توکل کے خلاف نہیں۔"

(معارف القرآن ۶ر۱۹)

حضرت هاجرہ علیہا السلام کی سعی مشکور

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی زوجہ مکرمہ اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی والدہ محترمہ حضرت ھاجرہ علیہا السلام کے واقعہ سے بھی اسی طرف اشارہ ملتا ہے جب انہیں اللہ تعالٰی کے حکم سے "وادی غیر ذی زرع" بے آب وگیاہ چٹیل میدان (مکہ مکرمہ) میں اپنے شیر خوار صاحبزادہ (حضرت اسماعیلؑ) کے ساتھ چھوڑا گیا تھا۔ بے شک اللہ تعالٰی انہیں بے مشقت اور بلا کسی تگ ودو کے رزق عطا فرمادیتے مگر علیم وحکیم نے حضرت ھاجرہؑ کی سعی کے بعد ہی اپنی قدرت سے اس بے آب وگیاہ میدان میں چشمہ زمزم ابالا اور وہ آب حیات نکالا جسے آج بھی پی کر عاشقان خدا شراب طہور کا مزہ لیتے ہیں۔

چنانچہ جب حضرت ھاجرہؑ کے پاس کھجوروں کی تھیلی خالی ہوگئی اور مشکیزہ کا پانی ختم ہوگیا اور بچہ شدت پیاس سے بیتاب ہونے لگا تو اس سراپا توکل ہستی نے حتی المقدور سبب اختیار فرمایا اور صفا اور

مروہ پہاڑیوں پر چڑھیں اور ایک بار نہیں سات بار یہی عمل دہرایا اور ان کی یہ سعی عند اللہ اتنی مقبول ومشکور ہوئی کہ رہتی دنیا تک شمع وحدت کے پروانوں کے لئے سعی بین الصفا والمروہ کے نام سے واجب اور ضروری قرار پائی۔ ۱۲ واللہ اعلم۔

....

(ت) :-

محراب میں رزق ملنے کے متعلق ارشاد ہے :

كلما دخل عليها زكريا المحراب وجد عندها رزقا قال يا مريم انى لك هذا قالت هو من عند الله ان الله يرزق من يشاء بغير حساب ○

(آل عمران نمبر۳۷)

ترجمہ :"جب کبھی حضرت زکریاؑ ان کے پاس اس عمدہ مکان میں (جس میں ان کو رکھا تھا) تشریف لاتے تو ان کے پاس کچھ کھانے پینے کی چیزیں پاتے اور یوں فرماتے "اے مریم یہ چیزیں تمہارے پاس کہاں سے آئیں ہیں"۔ (جب کہ مکان مقفل ہے باہر سے کسی کے آنے جانے کا امکان نہیں) وہ کہتیں کہ اللہ تعالٰی کے پاس (جو خزانہ غیب ہے اس میں) سے آئیں بے شک اللہ تعالٰی جس کو چاہتے ہیں بے استحقاق رزق عطا فرماتے ہیں"۔

حضرت مریمؑ کو حق تعالٰی نے ایسا حکم اسی لئے فرمایا تاکہ

لوگوں کو یہ معلوم ہوجائے کہ انہیں اسباب اختیار کرنا بھولنا نہ چاہئے اگرچہ انہیں پورا وثوق اور پختہ یقین ہے کہ خالق کائنات ہی رزق عطا فرماتے ہیں۔

کسب معاش کے عقلی دلائل

اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے پیدائش کا معاملہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ ہی خالق ہیں وہ کبھی تو دو طرفہ اسباب کے بغیر ہی (یعنی بدون ماں باپ کے) تخلیق فرمادیتے ہیں جیسے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور کبھی یک طرفہ سبب سے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق ہوئی۔

مگر عام طور سے (عادۃ اللہ یہ جاری ہے کہ) دو طرفہ اسباب کے جمع ہونے پر ہی پیدائش کا تحقق ہوتا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثیٰ۔

(الحجرات نمبر ۱۳)

ترجمہ: "اے لوگو ہم نے تم (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا"۔

(پیدائش کا معاملہ تو رب العالمین کے ہاتھ میں ہے مگر سبب اختیار کرنے کے لئے) حق تعالیٰ شانہ نے انسان کو نکاح کرنے کا حکم فرمایا ہے' اور اولاد کی طلب بندہ کے اس یقین کے منافی نہیں کہ

خالق حق سبحانہ وتعالیٰ ہیں۔ پس یہی حال رزق کے حصول میں اختیار اسباب کا ہے تاکہ جو شخص ترک اسباب کو حقیقی توکل سمجھتا ہے اسے معلوم ہوجائے کہ اس کا یہ نظریہ شریعت خداوندی کے خلاف ہے۔

نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے جب کہ ایک شخص نے دریافت کیا کہ کیا میں اپنی اونٹنی کھلی چھوڑ کر توکل کروں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: "لابل اعقلھا وتوکل نہیں! (توکل کا طریقہ یہ نہیں) بلکہ (پہلے) اونٹنی کو باندھ لو اور (پھر اللہ تعالیٰ پر) توکل کرو۔ (الجامع الصغیر ص۱۱۹)

نیز دعا مانگنا بھی اس کی ایک واضح دلیل ہے چنانچہ حق تعالیٰ شانہ نے ہمیں دعا کا حکم فرمایا' ارشاد باری ہے:

واسئلوا اللہ من فضلہ۔

(النساء۔ ۳۲)

ترجمہ: یعنی "اور اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کی درخواست کیا کرو"۔ (یعنی دعاء مانگا کرو۔

اور اس کا ہر ایک کو یقین ہے کہ جو اس کے لئے مقدر ہوچکا وہ اسے مل کر رہے گا مگر کوئی اپنی قسمت پر بھروسہ کرکے دعاء کرنا ترک نہیں کرتا۔ حضرات انبیاء کرامؑ باوجود اس علم کے کہ حق تعالیٰ انہیں جنت میں داخل فرمائیں گے جنت کے لئے دعا فرماتے تھے۔ حالانکہ حق تعالیٰ شانہ نے ان سے اس کا وعدہ بھی فرمایا تھا اور حق تعالیٰ شانہ کا وعدہ پورا ہوکر رہتا ہے۔ نیز حضرت انبیاء کرامؑ (اپر

بھروسہ کرکے دعاء سے پہلو تہی نہیں فرماتے تھے اور انہیں) اپنی عاقبت بخیر ہونے کا پورا یقین تھا مگر وہ اپنی دعاؤں میں حق تعالیٰ سے اس کا بھی سوال فرماتے تھے۔

نیز اس کی مثال بیماری سے شفاء بھی ہے کہ شفاء تو حق تعالیٰ شانہ کے ہاتھ میں ہے مگر ہمیں اس کے لئے اسباب اختیار کرنے اور علاج معالجہ کرانے کا حکم ہے چنانچہ ارشاد نبویؐ ہے:

تداوو عباد الله فان الله ما خلق داء الا خلق له دواء الا السام او قال۔ الا الهرم

(عن اسامة بن شريك قال قالوا يا رسول الله افنتداوى قال نعم يا عباد الله تداووا فان الله لم يضع داء الا وضع له شفاء غير واحد الهرم (رواه احمد والترمذى وابو داود والمشكوة الطب والرقى فصل ۲)

ترجمہ: "اللہ کے بندو علاج کرایا کرو کیونکہ حق تعالیٰ نے ہر بیماری کا علاج بھی ضرور پیدا فرمایا ہے سوائے موت (یا آپ نے فرمایا) سوائے بڑھاپے کے"۔

اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے علاج کرانا ثابت ہے کہ جب کہ غزوہ احد میں چہرہ انور پر زخم آئے تھے۔ پھر جب علاج کے لئے سبب اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کے شافی ہونے کے یقین کے منافی نہیں تو یہی حالت تحصیل معاش کیلئے اسباب اختیار کرنے کا ہے کہ اس کے لئے بھی کوشش کرنا اللہ تعالیٰ کے رازق ہونے کے یقین کے

منافی نہیں۔

بعض صوفیوں کی نرالی ترکیب یہ ہے کہ (خود تو کمانا حرام کہتے ہیں مگر) ان عطیات و تحائف کو بخوشی قبول کرلیتے ہیں جو کمانے والے لوگ اپنے کاروبار اور تجارت وغیرہ کے منافع میں سے لاکر خدمت میں پیش کرتے ہیں حالانکہ انہیں اس کا بخوبی علم ہوتا ہے کہ یہ مال اس شخص کا کمایا ہوا ہے پس اگر (ان کے زعم کے مطابق) کمانا حرام ہے تو اس سے حاصل شدہ مال کا کھانا بھی حرام ہوا۔ کیونکہ جس شے کے حصول کے لئے کسی حرام کا مرتکب ہونا پڑے وہ شے خود حرام ہوتی ہے مثلاً شراب ہے کہ مسلمانوں کے لئے اس کی خرید وفروخت حرام ہے لہذا اس سے حاصل شدہ رقوم و آمدنی کا کھانا بھی حرام ہے۔ اور جب یہ لوگ دوسروں کی کمائی بلا تردد لے کر کھاتے ہیں تو ہم اس سے یہی نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ان کا کمائی کو حرام کہنا جہالت اور تن آسانی پر مبنی ہے۔ (ف)

(ف) :۔

مخالفین کسب امام محاسبیؒ کی نظر میں

امام حارث محاسبیؒ نے کتاب المکاسب میں تارکین اسباب معاش کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں:

اول، وہ جو کسب میں مشغولیت کو معصیت قرار دیتے ہیں کہ جب حق

تعالیٰ شانہ نے رزق کی کفالت کا ذمہ لے لیا ہے تو بندوں کا اسباب اختیار کرنا وعدہ الٰہی پر عدم یقین کی دلیل ہے ان کا جواب مندرجہ ذیل آیات سے دیا گیا :

انفقوا من طیبات ما کسبتم

(سورہ بقرہ)

ترجمہ :"خرچ کرو ستھری چیزیں اپنی کمائی میں سے"۔

لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم

(سورہ نساء)

ترجمہ :"نہ کھاؤ ایک دوسرے کے مال آپس میں ناحق مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی خوشی سے"۔

نیز رجال لا تلھیم تجارۃ میں تجارت کے وقت ذکر خدا سے غافل نہ ہونے کی تعریف آئی ہے۔ نیز آیت بقرہ (یا ایھا الذین آمنوا اذا تداینتم بدین) میں خود حق تعالیٰ نے تجارت و معاملات کے متعلق ہدایات اور مناسب طریقہ کار کی صلاح دی ہے سورہ جمعہ کی آیت میں بیع و شرا سے ممانعت ایک محدود وقت میں ہے۔

لہٰذا ان حضرات کا کسب کو معصیت گرداننا بالکل واہیات اور ناقابل التفات ہے۔

دوم، وہ لوگ جو ابتداء کسب میں لگے مگر اس کے بکھیڑوں میں الجھ کر حدود شرعیہ پر قائم نہ رہ سکے اس لئے عاجز آکر اسے خیرباد کہہ دیا بلکہ پست ہمتی کی بنا پر اس جس لگنے والوں کو بھی مورد طعن و تشنیع سمجھا

اور اپنی کمزوری پر دوسروں کو قیاس کرلیا حالانکہ بوقت ضرورت انہیں ان ہی کمانے والوں کا سہارا لینا پڑتا ہے بلکہ بسا اوقات ان کا کام ایسے لوگوں سے نکلتا ہے جو حلال حرام و مشتبہ کی پرواہ کئے بغیر سب کچھ ہی سمیٹنے میں مصروف رہتے ہیں۔ اور یہ لوگ ایسے شخص کے مال کو اپنی کمائی پر ترجیح دیتے ہیں اور اس کی ایسی عادت پڑگئی کہ اب تحصیل معاش کی محنت و مشقت ان کے بس کی نہ رہی۔ ان کا موقف واضح ہے کہ جس برائی سے بچنے کے لئے انہوں نے کمائی سے دامن سمیٹا تھا اپنی فکر نارسا کی وجہ سے اس سے زیادہ گندگی میں پھنسنا پڑگیا۔ کیونکہ ان کو لاکر دینے والا شخص اگر قوی اور توانا ہے اور حلال کما کر لایا ہے تو پھر ان لوگوں کے لئے بیٹھ کر کھانا کیا معنی جس طرح وہ حدود شرعیہ کی رعایت کرتے ہوئے حلال کما سکتا اسی طرح یہ بھی کما سکتے ہیں اپنی ضروریات کو یہ خود مکلف ہیں خود کمائیں اور کھائیں۔ اگر انہیں یقین ہے کہ کوئی شخص اپنی حلال کمائی کر ہی نہیں سکتا تو پھر دوسروں کی حرام کمائی پر پلنا کون سی غیرت مندی بلکہ یہ تو بد سے بدتر ہے کہ حرام بھی کھاؤ اور دوسروں کے دست نگر بھی رہو۔

سوم، وہ لوگ جن کا خیال ہے کہ جب حق تعالیٰ شانہ نے رزق پہنچانے کا وعدہ فرمالیا ہے تو اب وقت مقررہ کا انتظار کرنا چاہئے۔ حق تعالیٰ خود ہی رزق بھیجے گا اپنی طرف سے خواہ مخواہ اس کے حصول میں محنت مشقت کرنا فضول ہے، ہاں جن کا یقین کمزور ہے انہیں تلاش معاش کیلئے تگ و دو کرنا درست ہے۔

علامہ محاسبیؒ فرماتے ہیں :

"ان کا نظریہ قرآن وحدیث اور عمل صحابہؓ سے دور ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت خطرناک ہے انہیں اپنے ایمان کی خیر منانی چاہئے کیونکہ اس سے لازمی نتیجہ یہ نکلا ہے کہ بس یہی لوگ حق پرست پختہ ایمان اور اعلیٰ مقام والے ہیں اور ان کے علاوہ جو ہیں خواہ وہ نعوذ باللہ انبیاءؑ ہوں جنہوں نے اپنے مقام ومرتبہ کے اعتبار سے کسب فرمایا یا وہ صحابہؓ ہوں جنہوں نے انبیاء کرامؑ کی سنتوں کا احیاء فرمایا سب کے سب یک قلم کمزوروں میں شامل کردیے جائیں" العیاذ باللہ۔

ایسی باتیں بلاشبہ اس سے سرزد ہوتی ہیں جو قرآن وحدیث سے ناواقف ہو۔ قرآن پاک کی تعلیم تو ہے :

کلوا من طیبات ما رزقناکم

ترجمہ :"جو پاک چیزیں ہم نے تم کو مرحمت فرمائیں ان میں سے کھاؤ"۔

اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے :

ان اطیب ما اکل المومن من کسبہ

ترجمہ :"مومن کا سب سے پاکیزہ کھانا وہ ہے جو اس کی اپنی کمائی سے ہو"۔

نیز حضور ﷺ کا تعلیم امت کے لئے کسب فرمانا اس کے مستحب ہونے پر شاہد عدل اور واضح دلیل ہے نیز تمام صحابہ اس پر متفق تھے اور معرفت الٰہی بھی

اسی طرف رہنمائی کرتی ہے"۔

(ملخص از کتاب الکسب)

....

(ت) :-

کرامیہ کے نزدیک کسب کی حیثیت

تمام فقہاء وعلمائے اہل سنت والجماعت اس پر متفق ہیں کہ :

"ہر انسان پر بنیادی ضرورتوں کیلئے کمانا فرض ہے"۔

مگر فرقہ کرامیہ کہتا ہے کہ ضرورت کے وقت بھی اس کا جواز بطریق رخصت ہے دلیل یہ دیتے ہیں کہ کمانا دو حال سے خالی نہیں یا تو اس کی فرضیت ہروقت قائم ہے یا پھر کسی مخصوص وقت پہلی صورت میں لازم آتا ہے کہ آدمی دیگر فرائض مثلاً نماز وغیرہ کے بجائے اسی فریضہ کی ادائیگی میں ہمہ وقت لگا رہے یہ قول سراسر باطل ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس کی فرضیت کسی وقت کے ساتھ مخصوص ہے تو یہ بھی غلط کیونکہ شریعت نے جن فرائض کو وقت کے ساتھ مخصوص کیا ہے ان کے اوقات بھی خود ہی متعین فرمادیے ہیں جیسے نماز' روزہ وغیرہ اور کسب معاش کیلئے کوئی وقت معین نہیں کیا گیا۔

نیز یا تو اس کی فرضیت کی وجہ مال کی طرف لوگوں کی رغبت شدیدہ اور میلان ہوگی یا مال کی ضرورت ہوگی۔ اگر پہلی وجہ تسلیم

کریں تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ لوگوں کو دنیا کی تمام اشیاء مرغوب وپسندیدہ ہیں مگر کوئی اس کا قائل نہیں کہ اس کی وجہ سے تمام اشیاء کی تحصیل کی کوشش فرض ہے۔ اور اگر اس کی فرضیت کو ضرورت پر محمول کریں تو بھی صحیح نہیں کیونکہ پھر تو یہ ضرورت کے تحقق کے وقت فرض ہوگا اور ضرورت کے تحقق کے وقت آدمی کے بس میں یہ ہوتا ہی نہیں کہ جاکر کمائی میں لگے تو اس کی فرضیت کو انسان کی بے بسی کی حد تک موخر کرنا کہاں تک صحیح اور معقول ہے۔

نیز یا تو کسب کے تمام شعبے فرض ہوں گے یا کوئی خاص شعبہ قول اول اس لئے قابل تسلیم نہیں کہ یہ کسی انسان کے بس کا نہیں کہ کسب کے تمام شعبوں میں بہ نفس نفیس حصہ لے سکے نہ ہی وہ ان کو جان سکتا ہے کیونکہ ان کی معلومات ہی حاصل کرتے کرتے عمر فنا کر بیٹھے گا۔ اور اگر یہ مانا جائے کہ کسب کا کوئی مخصوص شعبہ فرض ہے تو یہ قول بھی فضول اور ناقابل قبول ہے کیونکہ اس کا کوئی شعبہ فرضیت میں کسی شعبہ پر مقدم نہیں۔

نیز اسے یا تو تمام انسانوں کے لئے فرض مانا جائے یا کچھ کیلئے اگر سب ہی کیلئے فرض ہے تو یہ قول درست نہیں کیونکہ انبیاء کرامؑ نیز صحابہ کرامؓ وتابعین سلف صالحین اپنی عمر کے اکثر حصہ میں اس جانب مشغول نہ رہے اور ان حضرات کے متعلق یہ سوچا ہی نہیں جاسکتا کہ سب کے سب متفقہ طور پر کسی فرض کے تارک ہیں اور اگر اس کی فرضیت مخصوص افراد کے ساتھ تسلیم کی جائے پھر بھی یہ قول باطل ہے کیونکہ اس کی تخصیص میں کوئی فرد کسی دوسرے سے بڑھ کر

نہیں۔

الغرض یہ واضح ہوگیا کمانا سرے سے فرض ہی نہیں اگر واقعی یہ فرض ہوتا تو اس کی زیادتی مرغوب فیہ ومستحب ہوتی جیسا کہ دیگر نفلی عبادات ہیں۔ حالانکہ اس کی زیادتی اور اس میں ضرورت سے زیادہ انہماک مذموم ہے چنانچہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے :

انما الحیوۃ الدنیا لعب ولھو وزینۃ وتفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال والاولاد کمثل غیث اعجب الکفار نباتہ ثم یھیج فتراہ مصفرا ثم یکون حطاما وفی الاخرۃ عذاب شدید۔

(سورہ حدید نمبر۳۰)

ترجمہ : "دنیوی حیات (ہرگز قابل اشتغال چیز نہیں کیونکہ) وہ محض لہو ولعب اور (ایک ظاہری) زینت اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا (قوت جمال اور دنیوی ہنر وکمال میں) اور اموال واولاد میں ایک کا دوسرے سے اپنے کو زیادہ بتلانا ہے (یعنی مقاصد دنیا کے یہ ہیں : بچپن میں لہو ولعب کا غلبہ رہتا ہے جوانی میں زینت وتفاخر کا اور بڑھاپے میں مال ودولت آل واولاد کو گنوانا یہ سب مقاصد فانی اور خواب خیال محض ہیں جس کی مثال ایسی ہے) جیسے مینہ (برستا) ہے کہ اس کی پیداوار (کھیتی) کاشتکار کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر وہ (کھیتی) خشک ہوجاتی

ہے سو اس کو تو زرد دیکھتا ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے (اسی طرح دنیا کی چند روزہ بہار ہے پھر زوال واضمحلال) اور آخرت میں عذاب شدید ہے"۔

اسی موقع سے طلب کسب اور طلب علم کا فرق آشکارا ہوگیا کہ چونکہ طلب علم فرض ہے جبھی اس کی زیادتی بھی مستحب ومطلوب ہے اور اس کی بکثرت ترغیب وارد ہوئی ہے۔

اہل سنت کے دلائل اور کرامیہ کا رد

اور ہمارے دلائل (کسب کے ثبوت اور اس کے وجوب پر) یہ ہیں:

حق تعالٰی شانہ کا ارشاد ہے:

انفقوا من طیبات ما کسبتم

(بقرہ۔ ۲۶۷)

ترجمہ :"خرچ کرو عمدہ چیز کو اپنی کمائی میں سے"۔

اور امر درحقیقت کسی شی کے واجب کرنے کے لئے ہوتا ہے اور بغیر کمائے آدمی کا اپنی کمائی میں سے خرچ کرنا تصور سے بعید ہے۔ اور جس شے پر کسی عبادت اور کسی فرض کا ادا کرنا موقوف ہو وہ خود فرض ہو جاتی ہے۔ نیز حق تعالٰی شانہ کا ارشاد ہے:

فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا۔

(الجمعہ ۱۰)

ترجمہ :"پھر جب نماز (جمعہ) ہو چکے تو تم زمین پر چلو پھرو (خدا کی روزی تلاش کرو)"۔

یہاں کمانے اور کاروبار میں لگنے کا حکم ہے اور امر وجوب کو چاہتا ہے۔

اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ امام مکحول اور مجاہد (جو بڑے مفسرین میں سے ہیں) سے فانتشروا فی الارض کی تفسیر "طلب علم کے لئے سفر کرنا" ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے جو تفسیر نقل کی ہے وہ حضور اکرم ﷺ سے منقول ہے۔ چنانچہ روایت میں وارد ہے:

طلب الکسب بعد الصلوۃ المکتوبۃ ھی الفریضۃ بعد الفریضۃ وتلا قولہ تعالٰی "فاذا قضیت الصلوۃ"۔ (عہ)

....

(عہ):۔ اخرجہ کل من المنذری فی الترغیب والترہیب ۱۹/۳ والسیوطی فی الجامع الصغیر ۵۳/۲ وصاحب کنز العمال ۵/۴ ۹۔ عن الطبرانی مع خلاف فی اللفظ۔ (ح ک)

ترجمہ :"حلال کمائی کی تلاش بعد فرض نماز کے ایسا ہی

فریضہ ہے جیسے ایک فرض کے بعد دوسرا فرض پھر آپ نے (اس کی توجیہ میں) آیت مذکورہ تلاوت فرمائی۔"

تو ظاہر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر کو امام مجاہد و مکحول کی تفسیر کی وجہ سے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ (ا) اور آیت کا ظاہر بھی اسی تفسیر کو متقاضی ہے چنانچہ اگلی آیت سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے :

وانا ر'و تجارۃ او لھو انفضوا الیھا
وترکوک قائما۔

(الجمعہ۔ نمبر ۱۱)

ترجمہ :"اور جب دیکھیں سودا بکتا یا کچھ تماشا متفرق ہو جائیں اس کی طرف اور تجھ کو چھوڑ جائیں کھڑا"۔

ایک بار ایسا ہوا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ فرما رہے تھے اسی وقت تجارتی قافلہ باہر سے غلہ لے کر آپہنچا لوگ دوڑے کہ اس کو ٹھہرائیں اسی پر یہ آیت نازل ہوئی اور انہیں (نماز کے وقت) ایسا کرنے سے منع کیا گیا۔ اور حکم ہوا کہ نماز کے بعد اس طرف کا رخ کیا کریں۔

اگر کوئی یہ کہے کہ کسی شے کی ممانعت کے بعد اس کا حکم اس کے جواز کی دلیل ہوتی ہے (نہ کہ وجوب کی) تو اس کا جواب یہ ہے کہ امر حقیقۃ وجوب کے لئے آتا ہے اور اگر یہاں اباحت اور رخصت مراد ہوتی تو یہ آیت اس طرح نازل ہوتی :

فلا جناح علیکم ان تبتغوا من فضل
اللہ (البقرہ نمبر ۱۹۸)

یعنی تمہارے لئے کوئی حرج کی بات نہیں کہ نماز کے بعد اللہ کا فضل (روزی) تلاش کرو جیسا کہ سورہ بقرہ میں حج کے دوران تجارت وغیرہ کے لئے اجازت بایں الفاظ نازل ہوئی۔

لیس علیکم ان تبتغوا فضلا من ربکم۔
(البقرہ آیت ۱۹۸)

ترجمہ :"تم کو اس میں ذرا بھی گناہ نہیں کہ (حج میں) معاش تلاش کرو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے"۔

اور وجوب کی دلیل ایک یہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے عیال (جن کی کفالت ذمہ میں ہو جیسے) بیوی بچوں' اور عدت گزارنے والیوں پر خرچ کرنے کا حکم فرمایا ہے اور بغیر کمائے آدمی ان حقوق واجبہ کو پورا نہیں کر سکتا۔ اور جس شے پر کسی واجب کا ادا کرنا موقوف ہو اس کا حاصل کرنا اور اسے مہیا کرنا خود ہی ایک مستقل واجب ہے۔

....

(ف) :۔ معاشی سرگرمیوں سے متعلق مزید قرآنی شواہد :

ا۔ وجعلنا لکم فیھا معایش قلیلا ما تشکرون○

(سورہ اعراف نمبر ۱۰)

ترجمہ: "اور ہم نے مقرر کردیں اس (زمین) میں تمہارے لئے روزیاں تم بہت کم شکر کرتے ہو"۔

علامہ ابن کثیرؒ نے معایش کی تفسیر کسب کے مواقع اور اسباب سے کی ہے حق تعالیٰ نے اسے نعمت قرار دے کر اس پر شکر کا مطالبہ فرمایا ہے۔

۲۔ وتری الفلک مواخر فیہ ولتبتغوا من فضلہ

(سورہ نحل نمبر ۱۴)

ترجمہ: "اور دیکھتا ہے تو کشتیوں کو چلتی ہیں پانی پھاڑ کر اس میں (یعنی سمندر میں) اور اس واسطے کہ تلاش کرو اس کے فضل سے"۔

یعنی جہازوں اور کشتیوں پر تجارتی مال لاد کر ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم میں پہنچاؤ اور خدا کے فضل سے بڑی فراخ روزی حاصل کرو۔ پھر خدا کا احسان مان کر اس کی نعمتوں کے شکرگزار رہو۔

(تفسیر عثانیؒ)

۳۔ وجعلنا آیۃ النہار مبصرۃ لتبتغوا فضلا من ربکم۔

(بنی اسرائیل نمبر ۱۲)

ترجمہ: "اور بنا دیا دن کا نمونہ دیکھنے کو تاکہ تلاش کرو فضل اپنے رب کا"۔

۴۔ ومن رحمتہ جعل لکم اللیل والنہار لتسکنوا فیہ ولتبتغوا من فضلہ ولعلکم تشکرون ○

(سورہ قصص نمبر ۷۳)

ترجمہ: "اور اپنی مہربانی سے بنا دیئے تمہارے واسطے رات اور دن کہ اس میں چین بھی کرو اور تلاش بھی کرو کچھ اس کا فضل اور تاکہ تم شکر کرو"۔

یعنی رات دن کا الٹ پھیر کرتا رہتا ہے تاکہ رات کی تاریکی اور خنکی میں سکون و راحت بھی حاصل کرو اور دن کے اجالے میں کاروبار بھی جاری رکھ سکو اور پھر شب و روز کے مختلف النوع انعامات پر حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہو۔

(تفسیر عثانیؒ)

۵۔ ومن آیاتہ منامکم باللیل والنہار وابتغاؤکم من فضلہ۔

(سورہ روم ۲۳)

ترجمہ: "اور اسکی نشانیوں میں سے تمہارا سونا رات اور دن میں اور تلاش کرنا اس کے فضل سے"۔

حضرت شاہ صاحب (عبدالقادر دہلویؒ) لکھتے ہیں کہ انسان کی دو حالتیں بدلتی ہیں سویا تو بے خبر پتھر کی طرح اور روزی کی تلاش میں لگا تو ایسا ہوشیار کوئی نہیں۔ اصل تو رات ہے سونے کو اور دن تلاش معاش کو، پھر دونوں وقت دونوں کام ہوتے ہیں۔

(تفسیر عثمانی)

۶۔ ومن آیاتہ ان یرسل الریاح مبشرات ولیذیقکم من رحمتہ ولتجری الفلک بامرہ ولتبتغوا من فضلہ ولعلکم تشکرون○

(الروم نمبر ۴۶)

ترجمہ: "اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ چلاتا ہے ہوائیں خوشخبری لانے والیاں اور تاکہ چکھائے تم کو کچھ مزہ اپنی مہربانی کا اور تاکہ چلیں جہاز اس کے حکم سے اور تاکہ تلاش کرو اس کے فضل سے اور تاکہ تم حق مانو"۔

یعنی جہازوں کے ذریعہ سے تجارتی مال سمندر پار منتقل کرسکو اور اللہ کے فضل سے خوب نفع کماؤ، پھر ان نعمتوں پر خدا کا شکر ادا کرتے رہو۔

(تفسیر عثمانی)

۷۔ ھو الذی جعل لکم الارض ذلولا فامشوا فی مناکبھا وکلوا من رزقہ۔

(الملک نمبر ۱۵)

ترجمہ: "وہی ہے جس نے کیا تمہارے آگے زمین کو پست اب چلو پھرو اس کے کندھوں پر اور کھاؤ کچھ اس کی دی ہوئی روزی"۔

یعنی زمین کو تمہارے سامنے کیسا پست وذلیل اور مسخر ومنقاد

کردیا کہ جو چاہو اس میں تصرف کرو تو چاہئے کہ اس پر اور اس کے پہاڑوں پر چلو پھرو اور روزی کماؤ مگر اتنا یاد رکھو کہ جس نے روزی دی ہے اسی کی طرف پھر لوٹ کر جانا ہے۔

(تفسیر عثمانی)

مفسر تفسیر ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

"یعنی دنیا کے مختلف ممالک اور علاقوں میں کمانے اور تجارت وغیرہ کے لئے سفر کرو مگر یاد رکھو تمہاری کوششیں تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچاسکتی ہیں جب تک حق تعالیٰ شانہ تمہارے لئے آسانی پیدا نہ فرمادیں۔ اسی لئے ارشاد فرمایا کلوا من رزقہ۔ کیونکہ سبب اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں جیسا کہ امام احمد نے حضرت فاروق اعظمؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا "اگر تم اللہ تعالیٰ پر اسی طرح بھروسہ کرنے لگو جس طرح پرندے صبح سویرے بھروسہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ تمہیں بھی اسی طرح رزق عطا فرمائیں جس طرح پرندوں کو روزی دیتے ہیں کہ پرندے خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس آتے ہیں"۔

پرندوں کا باوجود توکل علی اللہ کے گھونسلوں سے رزق کی تلاش میں سویرے سویرے نکلنا اور شام کو لوٹنا اس حدیث شریف میں بیان فرمایا گیا ہے۔ حالانکہ مسبب الاسباب اور رزق مسخر کرنے والی ذات حق تعالیٰ کی

ہے"۔ (تفسیر سورہ ملک)

وسائل معیشت عقل کی روشنی میں

اور عقلی طور پر بھی اس کی ضرورت ناقابل فراموش ہے کیونکہ کاروبار سے ہی نظام عالم قائم ہے اور حق تعالیٰ شانہ نے قیامت تک دنیا کی بقاء کا فیصلہ فرمایا ہے اس کی بقاء وانتظام کو بندوں کے آپس کے کاروبار ومعاملات کے ساتھ وابستہ فرمایا ہے۔ لہٰذا اس کے چھوڑنے سے اس نظام کائنات میں تخریب لازم آتی جو ممنوع اور مذموم ہے۔ (ف)

....

(ف) :۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ فرماتے ہیں :

اجتماعی نظام معیشت

اجتماعی حیات کی قدر وقیمت تو ایک مسلمہ امر ہے مگر اسلام اس کی اہمیت کا راز یہ بتاتا ہے کہ صالح نظام اجتماعی اس لئے ضروری ہے کہ وہ افراد امت کی صلاح وخیر کا بہترین ذریعہ ہے اور "فرد" کی انفرادیت کا صحیح نشو ونما اور اس کے شعبہ ہائے زندگی کی تکمیل اجتماعی نظام کے بغیر ناممکل ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ ایک انسان اس وقت تک معراج انسانیت کو نہیں حاصل کرسکتا جب تک وہ اپنے حقوق وفرائض کو ٹھیک ٹھیک نہ ادا کرے۔ جو خدائے تعالیٰ کی مخلوق ہونے اور جماعت کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں اور یہ حقوق

وفرائض اس وقت تک انجام نہیں پاسکتے جب تک کوئی صالح صحیح نظام اجتماعی موجود نہ ہو اسی لئے قرآن عزیز میں جگہ جگہ انفرادی تخاطب کے بجائے اجتماعی خطاب کو ترجیح دی گئی ہے عمومی خطاب یاایھا الناس، خصوصی خطاب یاایھا الذین آمنوا۔ نیز اقیموا الصلوہ، آتوا الزکوہ، وللہ علی الناس حج البیت، فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ، لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل، لاتاکلوا الربوا۔ ان تمام مقامات میں جمع کا صیغہ بول کر اجتماعی خطاب ہی کو اختیار کیا گیا ہے اور ان تمام آیات سے بھی زیادہ واضح اور اس حقیقت کی آئینہ دار یہ آیات ہیں :

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون
بالمعروف وتنھون عن المنکر۔

(آل عمران)

ترجمہ :۔"تم جو انسانوں کی فلاح کے لئے عالم وجود میں لائے گئے ہو، بہترین امت ہو تم لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو"۔

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی
الامر منکم۔

(نساء)

ترجمہ :۔"تم سب اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور تم میں سے جو صاحب امر ہو اس کی اطاعت کرو"۔

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا۔

(آل عمران)

ترجمہ :"اور تم سب ایک ساتھ اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑو اور پراگندہ نہ ہوجاؤ"۔

ان تمام آیات کی روح یہی ہے کہ فرد کی انفرادی زندگی کی تکمیل بغیر اجتماعی نظم کے ناممکن ہے اور اس کی سعادت وفلاح کا انحصار نظم اجتماعی کی سعادت وفلاح پر موقوف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بہ صراحت یہ فرمادیا :

لا رہبانیۃ فی الاسلام

ترجمہ :"اسلام میں جوگیانہ زندگی کی کوئی قدر وقیمت نہیں"۔

پھر جب کہ نظام اجتماعی کے مختلف شعبوں میں وہ شعبہ کہ "بہ اسباب ظاہر" جس پر انسان کی جسمانی حیات اور اس کی بقاء کا انحصار ہے معاشیات کا شعبہ ہے اور جب کہ یہ شعبہ بھی مثل دیگر شعبہ ہائے زندگی کے انسان کی دینی اور دنیوی دونوں قسم کی عملی جدوجہد میں بڑی حد تک دخیل ہے تو بے شبہ یہ شعبہ بھی اجتماعی زندگی کا ایک اہم جز ہے اور اس لئے عقل وفطرت بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ انسانوں کے اجتماعی نظام کی سعادت وفلاح کا بہت کچھ مدار اس کے صالح اور بہتر ہونے پر ہے۔"

(اسلام کا اقتصادی نظام ص ۸،۷ بتغیر یسیر)

نیز مولانا تحریر فرماتے ہیں :

کائنات ہست وبود میں "ایک صالح معاشی نظام" کی اس لئے ضرورت پیش آتی ہے کہ ہر ایک انسان میں یہ فطری جذبہ موجود ہے کہ خدائے تعالیٰ کی بخشی ہوئی زندگی سے فائدہ اٹھانا چاہے مگر یہ انفرادی جذبہ جب زندگی کی کشمکش اور وسائل حیات کی کشاکش میں ایک دوسرے سے ٹکراتا ہے تو قانون فطرت جو کہ خدائے تعالیٰ کی جانب سے تمام کائنات پر حاوی ہے ہر انسان کو اجتماعی زندگی بسر کرنے پر مجبور کرتا ہے لیکن یہ حیات اجتماعی بغیر کسی ایسے نظام کے متصور نہیں ہوسکتی جب تک ان کے درمیان ایسا تعاون واشتراک موجود نہ ہو جس کی بنیاد عدل اور حق معیشت کی مساوات پر قائم ہو تاکہ وہ "صالح معاشی نظام" کیلئے کلید بن سکے اور اس قسم کا تعاون واشتراک جب ہی عالم وجود میں آسکتا ہے کہ نظام معاشیات میں حسب ذیل اصول کار فرما ہوں :

۱۔ وہ نظام ہر متعلقہ فرد کی معاشی زندگی کا کفیل ہو اور اپنے دائرہ عمل میں کسی بھی فرد کو معاشی زندگی سے محروم نہ رکھتا ہو۔

۲۔ ایسے اسباب ووسائل کا قلع قمع کرتا ہو جو معاشی دستبرد کا موقع مہیا کرکے افراد انسانی کے درمیان ظلم واستبداد کی راہیں کھولتے اور معاشی نظام کے فساد کا موجب بنتے ہوں۔

۳۔ دولت اور اسباب دولت کو کسی خاص فرد یا محدود جماعت کے اندر سمٹ آنے اور اس فرد یا جماعت کو نظام معیشت پر قابض و مسلط ہونے سے باز رکھتا ہو تاکہ معاشی نظام تمام کائنات انسانی کی فلاح کے بجائے مخصوص طبقوں کے اغراض کا آلہ کار بن کر نہ رہ جائے۔

۴۔ محنت اور سرمایہ کے درمیان صحیح توازن قائم کرتا ہو اور ایک کو دوسرے کی حدود پر غاصبانہ دستبرد سے بچاتا ہو۔"

(اقتصادی نظام ص ۳۱)

نیز وہ تحریر فرماتے ہیں :

"اسلام ایک ایسے معاشی نظام کا بانی اور موسس ہے کہ جس کی بنیاد صرف کائنات انسانی کی رفع حاجات و ضروریات اور انفرادی و اجتماعی احتیاجات کی تکمیل پر قائم ہے۔ وہ معاشیات کو دولت مندوں کے درمیان نفع کی دوڑ کا میدان نہیں بنانا چاہتا بلکہ رفع حاجات و تکمیل ضروریات کیلئے ایک مفید اور نفع بخش ذریعہ بنا کر اس کی افادیت کو عام کرنا چاہتا ہے......

..... اب غور کیجئے کہ جس "معاشی نظام" کے کل پرزے اس طرح ڈھالے گئے ہوں اور اس کی نشو و نما اور اس کی ترقی ایسے ترتیبی اجزاء پر قائم ہو جو صرف طبیعیات ہی تک آکر نہ ٹھہر جائیں' اخلاقی اور مذہبی

محاسن کو بھی اپنی آغوش میں لیں بلکہ مذہب اور دستور الٰہی کے زیر فرمان عالم وجود میں آئیں اور اس کے محرک فلاح دارین اور سعادت کائنات کے وہ اصول ہوں جن میں معاشیات' رفع حاجات اور تکمیل ضروریات کیلئے ہو نہ کہ زیادہ سے زیادہ سودا بازی اور نفع طلبی کیلئے تو ایسے صالح اور صحیح نظام معاش کا وجود بلاشبہ دنیا کے لئے پیام رحمت اور دعوت امن و سلامتی ہے۔

الحاصل "اسلامی معاشی نظام" ایسا بہتر نظام ہے جو اپنے اندر علم المعیشت کے قدیم و جدید نظامہائے مذہبی و عقلی کے تمام محاسن سموئے ہوئے ہے' اور اس سے بھی زیادہ خوبیوں کا مالک ہے اور ان کے معائب و نقائص سے یکسر خالی بلکہ ان کے مسموم اثرات کا بے نظیر تریاق ہے۔ ان تمام محاسن کے علاوہ اس کو یہ برتری حاصل ہے کہ وہ انسانوں کے دماغ کی اختراع نہیں ہے کہ جس کی بنیاد انتقام یا طبقاتی منافرت جیسی خام کاریوں پر رکھی گئی ہو بلکہ وہ نظام کائنات کے خالق کا بنایا ہوا نظام ہے"۔

(اقتصادی نظام ص ۳۸-۳۹ مولانا سیوہاروی)

نیز وہ فرماتے ہیں :

"پس اسلام نے جس اجتماعی نظام کی بنیاد ڈالی وہ ایسے اصولوں پر مبنی ہے جس میں حکومت سیاست اور

معیشت کو ایک طرف خدا پرستی اور مذہب کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہو اور دوسری جانب معاشیات میں اس روح کو داخل کیا جس سے عام خوشحالی عام اخوت وہمدردی اور مساوات ومواسات باہمی کار فرما ہوجائے۔ اس نے کہا کہ تمام کائنات ذی روح حق معیشت میں مساوی ہے اور وہ تمام معاشی طریقے ناجائز ومردود ہیں جن کی بدولت مذموم سرمایہ داری نشو ونما پاتی ہے۔ یعنی ایسے طریقے جو دولت کو مخصوص طبقوں میں سمیٹ کر جمع کردیتے ہیں اور عام مخلوق خدا کے افلاس اور فقر وفاقہ کا موجب بنتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہہ دیجئے کہ اس نے "اکتناز واحتکار" کو حرام قرار دے کر ان تمام ذرائع کا سد باب کردیا جو حق معیشت کی مساوات میں رخنہ انداز ہوسکتے تھے۔ نیز اس نے اعلان کیا کہ درجات معیشت میں فطری تفاوت اور انفرادی ملکیت کا انکار بھی غلط اصول پر مبنی ہے کیونکہ ایسا کرنے میں قوائے عمل کو معطل کرنا اور ان میں جمود وخمود پیدا کردینا ہے اور اس طرح کارخانہ میں زندگی کی جدوجہد کو بے کار بنانے کی ناکام سعی کرنا ہے۔

(اسلام کا اقتصادی نظام ص۸۰)

امام غزالیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کی نظر میں معاشی سرگرمیوں کی اہمیت

نیز اسی طرف اشارہ فرماتے ہوئے شیخ الاسلام علامہ غزالیؒ احیاء العلوم میں تحریر فرماتے ہیں :

"کہ آدمی کو اپنے پیشہ یا تجارت وغیرہ میں لگتے وقت یہ نیت رکھنی چاہئے کہ وہ ایک فرض کفایہ انجام دے رہا ہے کیونکہ اگر تمام پیشوں اور تجارت وکاروبار کو چھوڑ دیا جائے تو کمائی کے تمام دروازے بند ہوجائیں گے اور مخلوق خدا تباہی سے دوچار ہوجائے گی۔ پس (معلوم ہوا کہ) تمام مخلوق کا انتظام ایک دوسرے کے باہمی تعاون سے نیز ہر فریق کے اپنے اپنے پیشہ وکاروبار سے منسلک رہنے سے قائم ہے۔ اسی طرح اگر سب کے سب کسی ایک ہی پیشہ کو اختیار کرلیں تو بھی بقیہ کاروبار ٹھپ پڑجائیں گے اور یہ بھی مخلوق کی معیشت کے لئے ناقابل تلافی نقصان کا باعث ہوگا چنانچہ بعض علماء نے حدیث شریف "اختلاف امتی رحمة" سے یہی معنی لئے ہیں کہ امت کا مختلف کاروبار اختیار کرنا رحمت ہے۔"

(احیاء ۲/ ۹۳)

نیز آپ فرماتے ہیں :

"کہ مخلوق کے مقاصد دین ودنیا دونوں سے ہی وابستہ ہیں اور دین کا کام بغیر دنیاوی نظام کے قائم رہنا ناممکن ہے

کیونکہ دنیا ہی انسان کے لئے آخرت کی کھیتی ہے اور یہی وہ وسیلہ ہے جس کے ذریعہ بندہ اپنے خالق ومالک تک رسائی حاصل کرتا ہے بشرطیکہ اس سے آلہ کار کے طور پر کام لے' اور جو اسے اپنا وطن اور اصلی مستقر سمجھتا ہے (اسے معلوم ہونا چاہئے کہ) اس کے لئے یہ ایک عارضی منزل اور سرائے ہے۔

اور دنیاوی معاملات کا انتظام لوگوں کے کاروبار پر موقوف ہے۔ کاروبار اصل میں تین طرح کے ہیں :

اول' اصل الاصول یعنی جو بقائے عالم کیلئے بنیادی حیثیت کے ہیں اور وہ چار ہیں :

۱۔ زراعت خورد ونوش کے لئے۔

۲۔ حیاکت (کپڑے تیار کرنا) لباس کے لئے۔

۳۔ بناء وتعمیر رہنے بسنے کے لئے۔

۴۔ سیاست مخلوق کی اجتماعیت اور وسائل معاش نیز دیگر ضرویات زندگی میں نظم ونسق قائم رکھنے کے لئے۔

دوم' وہ صنعتیں جو ان بنیادی چیزوں کیلئے مددگار ہوں جیسے آہنگری کہ زراعت وغیرہ کے آلات تیار کرنے کے لئے ضروری ہے نیز اسی قسم کی دیگر صنعتیں۔

سوم' وہ کاروبار جو قسم اول کیلئے تکمیل اور تزئین کے کام آئیں مثلاً غلہ پیسنے سے لے کر روٹی تیار کرنے تک کے مراحل زراعت کے واسطے اور کپڑے تراشنا اور سینا حیاکت

کے واسطے۔

یہ تمام صنائع اور کاریگریاں عالم کی بقاء کے لئے ایسی لازم وملزوم ہیں جیسے انسانی اعضاء وجوارح انسان کے وجود کو باقی رکھنے کیلئے ازبس ضروری ہیں۔ انسانی اعضاء میں بھی یہی ترتیب کار فرما ہے کہ اول اعضائے رئیسہ مثلاً قلب وجگر اور دماغ' دوم ان کے خادم ومددگار اعضاء مثلاً معدہ' عروق' شرائین' اعصاب' آوردہ وغیرہ' سوم جو تکمیل وتزئین کے لئے ہیں جیسے ناخن' انگلیاں' اور بھنویں وغیرہ۔ ان تمام کاروبار میں افضل اصولی صنعتیں ہیں اور ان میں بھی جسے سب سے زیادہ فضیلت اور اولویت حاصل ہے وہ ایسی سیاست اور قیادت ہے جس سے مخلوق میں اتحاد واتفاق قائم ہو اور رشد وہدایت صلاح وفلاح کی فضاء استوار ہو یہی وجہ ہے کہ اس کام کو لے کر چلنے والے کے لئے ایسی غیر معمولی صلاحیت درکار ہے کہ ویسی صلاحیت دنیا کے کسی کاروبار میں مطلوب نہیں اور اس سیاست کے چار مراتب ہیں : ۱۔ انبیائے کرام کی سیاست' ۲۔ خلفاء وملوک کی سیاست۔

۳۔ علمائے حق کی سیاست' ۴۔ واعظین وناصحین کی سیاست۔

(احیاء العلوم بتغییر یسیر)

اور مسند علمائے ہند حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں :

"جب کہ انسان مدنی الطبع واقع ہوئے ہیں تو ان کی

معاشی زندگی باہمی تعاون واشتراک کے بغیر ناممکن ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے تعاون اور باہمی اشتراک عمل کو واجب کردیا اور یہ بھی لازم کردیا کہ کسی فرد کو بھی ایسے امور سے کنارہ کش ہونے کا حق حاصل نہیں ہے جو تمدن میں دخیل ہو مگر یہ کہ کسی شخص کو بعض مجبور کن حالات ایسا کرنے پر مجبور کردیں۔

نیز آپؒ تحریر فرماتے ہیں :

"پھر یہ بات بھی پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ اگر "معاشی معاملات" میں لوگوں کے درمیان باہمی تعاون اور اشتراک عمل کے ذریعہ مالی ترقی ونمو بروئے کار نہ آئے تو تمدن کا صالح اور صحیح رہنا دشوار تر ہوجائے گا مثلاً ایک چاہتا ہے کہ وہ تجارتی مال کو ایک شہر سے دوسرے شہر میں لے جائے اور ایک معین مدت کیلئے وہ اس ذھاب وایاب (جانے آنے) کی گارنٹی چاہتا ہے (یعنی تجارت کو ذریعہ معاش بناتا ہے) یا مثلاً ایک دوسرا شخص اپنی عملی جدوجہد کے ذریعہ دوسروں کے مال کی دلالی کرتا ہے (یعنی محنت کو ذریعہ معاش بناتا ہے) یا ایک تیسرا شخص اپنی نئی نئی پسندیدہ ایجادات کے ذریعہ دوسروں کے مال کو بیش قیمت اور بہتر بناتا ہے (یعنی صنعت وحرفت کو وسیلہ معاش بناتا ہے) اور اس طرح دوسرے جائز طریقے اختیار کرتا ہے (تو ان سب صورتوں میں تعاون کے بغیر معاشی زندگی میں استواری پیدا نہیں ہوسکتی) بہرحال ان تمام معاملات میں صحیح تعاون واشتراک عمل

ضروری اور واجب ہے۔ اور اگر یہ مالی ترقی ایسے طریقے سے کی جائے کہ اس میں سرے سے تعاون کا کوئی دخل نہ ہو جیسا کہ قمار (جوا) کا کاروبار یا ایسے طریقے سے عمل میں آئے کہ بظاہر تو تعاون نظر آتا ہو لیکن حقیقت میں وہ زبردستی کا تعاون ہو حقیقی تعاون نہ ہو جیسے کہ مثلاً ربوا (سود) کا کاروبار اس لئے کہ یہ بات بہت صاف ہے کہ ایک مفلس اور نادار اپنی معاشی پریشانیوں کی وجہ سے اپنے ذمہ ایسی ذمہ داریوں کو لے لینے کے لئے مجبور ومضطر ہوجاتا ہے جن کو پورا کرنے کی اپنے میں طاقت نہیں پاتا اور اس کی اس قسم کی رضامندی ہرگز رضامندی نہیں کہلائی جاسکتی پس اسی طرح کے کاروبار نہ پسندیدہ اور جائز معاملات کہلائے جاسکتے ہیں اور نہ ان کو معاشیات کے اسباب صالحہ کہا جاسکتا اور بلاشبہ اس قسم کے معاملات حکمت تمدن کی نگاہ میں باطل اور ظلم ہیں۔"

(اسلام کا اقتصادی نظام ص ۷۵ نقلاً عن حجۃ اللہ البالغۃ)

نیز اس باہمی تعاون کی اہمیت کے پیش نظر آپؒ البدور البازغہ میں تحریر فرماتے ہیں :

ثم لا بد من تعليم العلوم النافعة في معاشه ومعاده واذا كبر فليزوجه وليعلمه كسبا يليق امثاله

(البدور البازغہ بحوالہ پیشہ رزق حلال (مولفہ مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب)

ترجمہ :یعنی بچے کی ابتدائی نشو ونما کے بعد لازمی ہے کہ اس کے معاش اور معاد کے متعلق ضروری نفع بخش تعلیم دی جائے اور جب وہ بڑا ہوجائے تو اس کی شادی کی جائے اور اسے ایسا پیشہ اور ہنر سکھایا جائے جو اس جیسے دوسرے ساتھیوں کے شایان شان ہو"۔

بقائے عالم کا قدرتی نظام

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب" تحریر فرماتے ہیں کہ :

"اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں (دنیاوی مال ومتاع) کی محبت طبعی طور پر انسانوں کے دلوں میں ڈال دی ہے جس میں ہزاروں حکمتیں ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ اگر انسان طبعی طور پر ان چیزوں کی طرف مائل اور ان سے محبت کرنے والا نہ ہوتا تو دنیا کا سارا نظام درہم برہم ہوجاتا۔ کسی کو کیا غرض تھی کہ کھیتی کرنے کی مشقت اٹھاتا یا مزدوری وصنعت کی محنت برداشت کرتا یا تجارت میں اپنا روپیہ اور محنت صرف کرتا۔ دنیا کی آبادی اور بقاء اس میں مضمر تھی کہ لوگوں کی طبائع میں ان چیزوں کی محبت پیدا کردی جائے۔ جس سے وہ خود بخود ان چیزوں کے مہیا کرنے اور باقی رکھنے کی فکر میں پڑ جائیں۔ صبح اٹھ کر مزدور اس فکر میں گھر سے نکلتا ہے کہ

کچھ پیسے کمائے، مالدار اس فکر میں گھر سے نکلتا ہے کہ پیسے خرچ کرکے کوئی مزدور لائے جس سے اپنے کام نکالے۔ تاجر بہتر سے بہتر سامان مہیا کرکے گاہک کے انتظار میں بیٹھتا ہے کہ پیسے حاصل کرے گا، گاہک سو کوششیں کرکے پیسے لے کر بازار پہنچتا ہے کہ اپنی ضرورت کا سامان خریدے۔ غور کیا جائے تو سب کو دنیا کی انہی مرغوبات کی محبت نے اپنے اپنے گھر سے نکالا اور دنیا کے تمدنی نظام کو نہایت مضبوط ومستحکم اصول پر قائم کردیا۔"

(معارف القرآن ۲ر۲۸)

....

(ت) :۔ اگر یہ کہا جائے کہ نظام عالم کی بقاء کا تعلق حیوانات کے آپس میں جنسی اتصال سے بھی ہے اسے اس اصول کے تحت فرض ہونا چاہئے مگر کوئی اس کی فرضیت کا قائل نہیں تو ہم کہیں گے بے شک یہ بات درست ہے مگر خالق کائنات نے اس کی فرضیت کے بجائے اس کا انتظام ایسا فرمایا ہے کہ جس سے یہ کام خود بخود انجام پاتا رہے یعنی حیوانات کے اندر جنسی اتصال ومباشرت کی خواہش ودیعت فرمادی جس سے وہ خود بخود اس کے کرنے پر مجبور ہیں لہٰذا ان پر اسے فرض کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی۔ کیونکہ شہوت مٹانے پر طبیعت ہی سب سے زیادہ مجبور کرتی ہے اس لئے وہ اس سے رک ہی نہیں سکتے۔

رہا معاملہ کسب کا تو چونکہ ابتداء اس میں محنت ومشقت ہے اور یہ مسئلہ اتنا اہم ہے کہ نظام عالم کی بقاء اس سے متعلق ہے لہٰذا اسے فرض نہ کیا جاتا تو ساری دنیا (اس محنت ومشقت پر تن آسانی اور آرام طلبی کو ترجیح دیتے ہوئے) اسے چھوڑ بیٹھنے میں ہی عافیت سمجھتے ہیں۔ کیونکہ طبعی طور پر انسان محنت ومشقت کے کاموں سے جی چراتا ہے لہٰذا شریعت نے اسے اصلا فرض قرار دے کر (ہر فرد پر بقدر ضرورت) یہ قانون لاگو کردیا تاکہ سب کے سب اسے چھوڑ کر نہ بیٹھ جائیں۔ اور تاکہ اس طرح (فرض قرار دینے سے) بقائے نظام عالم کا مقصود حاصل ہو۔

اور فرقہ کرامیہ کی تمام تقسیمات کا رد امام محمدؒ کے اس ارشاد سے ہوگیا :

طلب الکسب فریضۃ کما ان طلب العلم فریضۃ

کیونکہ کرامیہ کی مذکورہ بالا تقسیمات بعینہ علم کے باب میں بھی وارد ہوتی ہیں اور جب ان سب کے باوجود علم کا حصول بالاتفاق فرض ہے لہٰذا کسب معاش بھی اس قاعدہ کے تحت فرض ہوگا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ فرضیت اس کی وہیں تک ہے کہ جس سے نظام عالم کی بقاء کا مقصود پورا ہو (یعنی ضرورت کے بقدر مشروع طور پر کماتا ہے) اور بڑے دولت مند بننے اور فخر وغرور کیلئے دنیا میں منہمک ہوجانے کے اندر اسی مقصد کا فقدان ہے اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے دنیا پر

ٹوٹ پڑنے کی مذمت فرمائی ہے چنانچہ آیت میں وتفاخر بینکم وتکاثر کی صراحت ارشاد فرمائی گئی۔

عبادت اور معاشی سرگرمیوں میں تفاضل

اسی سلسلہ کا ایک اہم مسئلہ یہ بھی ہے کہ آیا بقدر کفایت معاش فراہم کرنے کے بعد عبادت کے لئے فارغ ہوجانا افضل ہے یا معاشی سرگرمیوں میں مشغول رہنا زیادہ پسندیدہ ہے؟.....

بعض فقہاء کی رائے تو یہ ہے کہ معاشی سرگرمیوں میں مصروف رہنا ہی افضل ہے مگر ہمارے اکثر مشائخ رحمہم اللہ عبادت کے لئے فارغ ہونے کو افضل قرار دیتے ہیں۔ قول اول کی وجہ ترجیح یہ ہے کہ معاشی سرگرمیوں میں مشغولیت اختیار کرنے کا فائدہ نہایت وسیع اور عام ہے مثلاً کسان کی کمائی سے عموما ایک بڑی جماعت کو فائدہ پہنچتا ہے بخلاف عبادت کیلئے فارغ ہونے والے شخص کے کہ اس کی عبادت کا نفع اس کی ذات تک ہی محدود رہتا ہے کیونکہ عبادت کرکے وہ اپنے ہی لئے اخروی نجات اور رفع درجات کا سامان کرتا ہے۔ حالانکہ لوگوں میں بہتر شخص وہ ہے جو لوگوں کے کام آتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے :

خیر الناس من ینفع الناس۔

(فی الجامع الصغیر ۲/۹۔ "خیر الناس انفعھم للناس" ص۳۰۲۲)

ترجمہ :"یعنی بہترین آدمی وہ ہے جو لوگوں کے کام آئے"۔

اور اسی بنا پر علمی مشغولی عبادت کی مشغولی سے افضل ہے کیونکہ علم کا نفع زیادہ عام ہے نیز اسی وجہ سے عدل وانصاف کے ساتھ مسلمانوں کی قیادت اور امور سلطنت کا فریضہ انجام دینا بھی عبادت کے لئے گوشہ نشین ہونے سے بدرجہا بہتر ہے چنانچہ خلفائے راشدینؓ نے اسی بنا (ف) پر اسے اختیار فرمایا کہ اس سے مسلمانوں نیز مخلوق کی اجتماعی زندگی کے تمام امور وابستہ ہیں اور یہ ان کی ہر ضروریات کو محیط ہے۔

....

(ف) :-

اسلامی سیاست وخلافت کی اہمیت

علامہ غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اور امام محاسبیؒ نے بھی المکاسب میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ اگر بنظر غور منصب امامت وقیادت کو دیکھا جائے تو یہ فی نفسہ جائز ومستحسن ہی نہیں بلکہ نظام عالم کے قیام واستحکام کے لئے ایک انتہائی ضروری امر ہے اور سیاست صالحہ دین اسلام کا ایک اہم جز ہے۔ چنانچہ اسلام نے ضابطہ حیات اور روح زندگی یا سیاسی قومیت کی بنیادی تعمیر کو یوں بیان فرمایا ہے :

واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا واذكروا نعمة الله عليكم اذ كنتم اعداء فالف بين قلوبكم فاصبحتم بنعمته اخوانا۔

(آل عمران)

ترجمہ :"اور مضبوط پکڑو رسی اللہ کی سب مل کر اور پھوٹ نہ ڈالو اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب کہ تھے تم آپس میں دشمن پھر الفت دی تمہارے دلوں میں اب ہوگئے اس کے فضل سے بھائی"۔

یعنی سب مل کر قرآن کو مضبوط تھامے رہو جو

خدا کی مضبوط رسی ہے یہ رسی ٹوٹ نہیں سکتی ہاں چھوٹ سکتی ہے اگر سب مل کر اس کو پوری قوت سے پکڑے رہو گے، کوئی شیطان شر انگیزی میں کامیاب نہ ہو سکے گا اور انفرادی زندگی کی طرح مسلم قوم کی اجتماعی قوت بھی غیر متزلزل اور ناقابل اختلال ہو جائے گی۔"

(تفسیر عثمانی)

دیکھئے پہلے واعتصموا امر کی شکل میں ہے اور پھر لاتفرقوا سے ہر قسم کی تفریق و تقسیم اور تشاجر و تحزب نا اتفاقی اور پھوٹ سے مسلمانوں کو روکا گیا ہے۔

اسلام کے فلسفہ اجتماع و تمدن اور سیاست صالحہ کا نچوڑ اس آیت میں صاف نظر آ رہا ہے اس سے زیادہ سیاست اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ تمام انسانیت کو ایک مرکز پر لا کر جمع کرنا چاہتا ہے اور جو اسلامی سیاست اور اسلامی ضابطہ زندگی کو تسلیم کر چکے ہیں ان کو اس آیت میں حکم دیا جا رہا ہے کہ تم زندگی کی روح اور قوت اگر حاصل کرنا چاہتے ہو تو وہ قومیت اسلامی میں ہے جس کی بنیاد کی مضبوطی اللہ کی رسی یعنی اسلام یا قرآن کو متفقہ اور مجتمع طور پر مضبوط پکڑنے یعنی اس پر عمل کرنے سے

حاصل ہو سکتی ہے تا آنکہ اس بنیاد کو کانہم بنیان مرصوص ایک سیسہ پگھلائی ہوئی تعمیر سے تعبیر کیا گیا ہے"۔

(از تجلیات عثمانی مولفہ جناب محمد انوار الحسن صاحب انور شیر کوٹی)

"آنحضور ﷺ کی کی خاموش زندگی پیش خیمہ تھی ان طاقتوں کے اجتماع کی جو مدنی زندگی میں حاصل ہوا چنانچہ مدنی زندگی کا ہر شعبہ ہر قسم کی زندگی اور خصوصاً ملکی و سیاسی زندگی کا نمونہ تھا....

اسلام کی تاریخ میں سیاسیات کے روشن عنوانوں کے ماتحت اسلامی سیاسی قدروں کا آپ پورا جائزہ لے سکتے ہیں ذرا قرآن کے اوراق کو الٹا کر دیکھو تو معلوم ہوگا کہ قرآن حکیم دنیا کے نظام کو کس طرح اعتدال پر رکھنے کے لئے مصر ہے وہ کس طرح دنیا میں حق کی آواز کے ساتھ ساتھ نہ صرف سیاست انسانی بلکہ سیاسیات کائنات کو اپنی گرفت میں رکھتا ہے اس نے نظام عالم پر ایک ایسی کڑی نگرانی اور اس کو ایک، ایسے عادلانہ نظام میں جکڑ کر رکھ دیا ہے کہ کسی کو چون وچراں کی گنجائش نہیں۔ اس سیاست کو قرآن حکیم کی ان آیات میں غور کر کے دیکھو:

الشمس والقمر بحسبان ○ والنجم والشجر يسجدان○ والسماء رفعها ووضع الميزان○ الا تطغوا في الميزان○.

(الرحمٰن۔)

ترجمہ :"سورج اور چاند حساب (نظام) کے ساتھ گردش میں مصروف ہیں اور ستارے اور درخت بھی (خالق کے آگے) سر بہ سجود ہوتے ہیں اور آسمان کو بھی اسی نے بلندی بخشی اور میزان بھی اس نے قائم کی تاکہ وزن میں تم کمی بیشی نہ کرو"۔

(مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تجلیات عثمانی ص۶۱۱)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں :

"اکثر سلف نے وضع میزان سے اس جگہ عدل کا قائم کرنا مراد لیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان سے زمین تک ہر چیز کو حق وعدل کی بنیاد پر اعلیٰ درجہ کے توازن وتناسب کے ساتھ قائم کیا ہے اگر عدل وحق ملحوظ نہ رہے تو کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے لہٰذا ضروری ہے کہ بندے بھی عدل وحق کے جادہ مستقیم پر رہیں اور انصاف کی ترازو کو اٹھنے یا جھکنے نہ دیں نہ کسی پر زیادتی کریں نہ کسی کا حق دبائیں' حدیث میں آیا ہے کہ عدل ہی سے زمین وآسمان قائم ہیں"۔

(تفسیر عثمانی)

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ :

"جب اسلام نے حریت انسانی کا علم بلند کیا تو سب سے پہلے یہ اعلان کیا کہ اس اجتماعی نظام میں حکومت' کارفرمائی اور وضع قانون اساسی کا معاملہ دنیا کے کسی انسان کے ہاتھ میں نہیں بلکہ حکم صرف خدا کا ہے اور حکمرانی صرف ذات واحد کی ہے وہی واضع قوانین ہے اور اسی کی کارفرمائی سب پر حاوی ہے۔

ان الحكم الا لله.

(سورہ یوسف نمبر۴۰)

ترجمہ :"حکم خدا کے سوا کسی کا حق نہیں"۔

الا له الحكم.

(الانعام۔ ۶۲)

ترجمہ :"خبردار رہو "حکم" اسی خدا کا ہے"۔

حیثیت امیر

اسی لئے اس نے حکومت الٰہی کے نائب کیلئے شہنشاہ' ڈکٹیٹر اور صدر جمہوریہ اور نیابت کیلئے شہنشاہیت' ڈکٹیٹر شپ اور جمہوریت کی تعبیر نہیں کی بلکہ "خلیفہ" اور "خلافت" کے عنوان کو اختیار کیا تاکہ ابتدائی تخیل میں ہی واضح ہو رہے کہ یہاں

"نیابت الٰہی" اور "خدمت خلق" کے علاوہ شخصی اور پارٹی اقتدار کا کوئی مقام نہیں بن سکتا چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے ارشاد ربانی ہے :

انی جاعل فی الارض خلیفۃ

(البقرہ نمبر ۳۰)

ترجمہ :"میں زمین میں اپنا ایک نائب بنانے والا ہوں"۔

اور حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے ارشاد ہے :

یا داود انا جعلناک خلیفۃ فی الارض۔

(ص نمبر ۲٦)

ترجمہ :"اے داود ہم نے تم کو زمین میں اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے"۔

بے شک اسلام کے نظام حکومت میں خلیفہ کی شخصیت نمایاں ہے مگر ذاتی اور پارٹی کے اقتدار کی خاطر نہیں بلکہ قلمرو خلافت کے ہر فرد کی خدمت کے لئے بلاشبہ اس میں جمہوریت کا عنصر روشن ہے لیکن جمہوری حقوق کی حفاظت کے لئے نہ کہ وضع قوانین وطرز حکومت میں مخالف موافق جماعت قائم کرنے اور اقلیت واکثریت کی بحث جاری رکھنے کے لئے۔ اس لئے اسلام کا طرز حکومت (خلافت) قدیم وجدید طریقہائے حکومت میں سے کسی کے ساتھ تعبیر نہیں کیا جا سکتا بلکہ وہ ان سب سے الگ ایک ایسا روشن نظام ہے جس میں عدل وانصاف کی یکسانیت اور افراد امت کی خدمت اصل بنیاد واساس ہے وہ

ایک ایسا "شورویٰ نظام" ہے جس میں خلیفہ راہ حق کا راہنما بھی ہے اور خلق خدا کا خادم بھی' وہ نیابت الٰہی کے منصب سے اگرچہ تمام افراد کا والی ہے لیکن اسکے عزل ونصب میں افراد امت دخیل وسہیم ہیں وہ مہمات امور میں "شوریٰ" کا پابند ہے اور اہل الرائے کی مشاورت ہی اس کا عزم ہے۔ غرض اسلام نے "خلافت" کا ایک ایسا نقشہ پیش کیا ہے جس میں امیر ومامور اور خلیفہ اور جماعت کے درمیان ایک لمحہ کیلئے بھی حاکم ومحکوم کا علاقہ قائم نہیں ہونے پاتا اور عدل وانصاف میں مساوات عام کو اساس بنا کر جماعتی اور شخصی اقتدار کی جنگ کا خاتمہ کردیتا ہے۔ (مولانا نے اس کے ثبوت میں کئی آثار پیش کئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے :)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے اگر کوئی شخص لوگوں کے معاملات کا والی بنا اور اس نے ان کے معاملات کی اس طرح حفاظت نہ کی جس طرح اپنی اور اپنے اہل وعیال کی حفاظت کرتا ہے تو جنت کی بو بھی نہ پاسکے گا۔ (نقلا عن الطبرانی)

التزام جماعت واطاعت امیر

پس اگر خلیفہ' امیر یا امام نیابت الٰہی کے بنیادی اصولوں کا پابند ہے تو پھر اسلام نے جمہور کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ نیابت الٰہی کے حامل "خلیفہ" کی پیروی کریں کیونکہ یہ پیروی اس کی شخصیت کی پیروی نہیں ہے بلکہ درحقیقت اللہ اور اس کے رسول کی پیروی ہے نیز ان

کو جماعتی نظم کے ایک عنصر بننے اور روز مرہ کی زندگی میں بھی "امارت" کے اس تخیل کو داخل کرنے کو ضروری اور اہم قرار دیا۔ چنانچہ آیات قرآنی اور احادیث نبویؐ ان حقائق کیلئے شاہد عدل ہیں :

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔

(النساء نمبر ۵۹)

ترجمہ :"اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور صاحب امر (امیر) کی اطاعت کرو"۔

واطیعوا اللہ ورسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم۔

(الانفال نمبر ۴۶)

ترجمہ :"اور اللہ کی پیروی کرو اور اسکے رسول کی اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ایسا کرو گے تو تمہاری قوت سست پڑ جائے گی اور ہوا اکھڑ جائے گی"۔

ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءھم البینات۔

(آل عمران آیت نمبر ۱۰۵)

ترجمہ :"اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جن کا یہ حال ہے کہ ان کے پاس خدا کی بینات آئیں مگر ان کے بعد بھی وہ ٹکڑے ٹکڑے ہی رہے"۔

۱۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا بنی اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاءؑ انجام دیتے تھے جب ایک نبی کا انتقال ہو جاتا تو دوسرا نبی پہلے کے قائم مقام ہو جاتا اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور قریب ہے (کہ میرے بعد مسلمانوں کی سیاست) خلفاء انجام دیں گے۔ (بخاری و ترمذی)

۲۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تین آدمی اگر چٹیل میدان میں بھی موجود ہوں تو ان کے لئے بغیر اس بات کے کہ اپنے میں سے ایک کو امیر بنالیں زندگی گزارنا جائز نہیں۔ (مسند احمد و مشکوۃ شریف)

۳۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسلام بغیر جماعت کے نہیں اور جماعت امارت کے بغیر نہیں اور امارت بغیر اطاعت (پیروی) کے نہیں۔ (جامع ابن عبدالبر)

....

۴۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے وہ فرماتے تھے جو شخص اطاعت (امیر) سے باہر ہو گیا اور جماعت سے علیحدہ ہو گیا اس کی موت جاہلیت کی موت ہے۔ (مسلم شریف)

۵۔ حضرت عروہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابو بکرؓ نے خطبہ دیا اول اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی پھر فرمایا : "بعد حمد وصلوۃ میں تمہارا امیر بنا دیا گیا ہوں، حالانکہ میں تم سے بہتر

نہیں ہوں، لیکن قرآن عزیز نازل ہوا اور نبی اکرم ﷺ نے اپنی سنت (حدیث) کو بیان فرمایا ہم نے ان کو سیکھا اور ان پر عمل کیا اور بلاشبہ تمہارے زبردست میرے لئے اس وقت تک کمزور ہیں جب تک میں ان سے ان پر واجب شدہ حق کو نہ لے لوں اور بلاشبہ تمہارے زیردست میرے پاس اس وقت تک زبردست ہیں جب تک کہ میں ان کا غصب شدہ حق واپس نہ لے لوں۔ اے لوگو! میں احکام اسلام کا پیرو ہوں۔ کسی بدعت کا موجد نہیں ہوں پس اگر میں نیکی کی زندگی اختیار کروں تو میری مدد کرو اور اگر کجی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کردو۔ میں یہی باتیں کہتا ہوں اور اپنے اور تمہارے لئے خدا سے مغفرت چاہتا ہوں"۔

(الاموال لابی عبید بحوالہ اقتصادی نظام ص۸۸)

اسلام کے نظام حکومت میں نیابت الٰہیہ کی ادائیگی فرض کے علاوہ عدل و آئین عدل اور شعبہ ہائے زندگی کے ہر شعبہ میں امیر و مامور اور راعی و رعایا مساوی ہیں۔ "مکمل اسلامی حکومت" خلافت راشدہ ہوئی ہے لفظ "رشد" حکومت کے اعلیٰ انتہائی معیار حسن و خوبی کو ظاہر کرتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ حکومت کے کارکن اور مملکت کے عوام کو نیکوکار ہونا چاہئے۔ جس کی کارکردگی اخلاقی و نیز قانونی طریقہ پر عام خوش دلی، عدل و اعتدال کے ساتھ ہوا کرتی۔ جس کا بلند ترین منتہائے خیال ہے کہ سلطنت کی بنا جغرافیائی، نسلی، قومی، حرفتی اور طبقاتی قیود سے بالاتر ہو کر انسانیت اور اعلیٰ اصولوں پر ہو۔ جو اپنے کاموں میں رائے عامہ، مساوات

حقوق آزادی ضمیر اور سادگی کا امکانی حد تک خیال رکھتی ہے"۔

(قص از تقریر علامہ عثمانیؒ در مرکزی پارلیمنٹ۔ ۹ر مارچ ۱۹۴۹ء)

مذکورہ بالا تمام تفصیلات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ "مذہب اسلام اور سیاست کوئی دو علیحدہ علیحدہ شے نہیں بلکہ خدائے تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنا کر دنیا میں بھیجا ہے اور اس کے ساتھ ایک دائمی دستور حیات نازل فرمائی جو عبادات، معاملات، اقتصادیات، سیاسیات، اخلاقیات غرض کہ تمام علمی و عملی زندگی کو محیط ہے۔ اور سرور کائناتؐ جنہیں رب العالمین نے اسوہ حسنہ قرار دیا ہے آپ کی عملی زندگی قرآن کی خاموش تفسیر ہے۔ جسے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کان خلقہ القرآن" سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور آپ کے بعد خلفاء راشدین کی ہستیاں اور ان کا عہد خلافت سیاست صالحہ کا ایک بے مثال نمونہ ہے جس کے متعلق حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين
المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ۔

(المشکوۃ، الایمان، الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

ترجمہ: "تم پر ضروری ہے لازم پکڑو میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو اور اس کی اتباع کرو اور اسے دانتوں سے مضبوط تھام لو"۔

تاکہ اس سیاست صالحہ کے سایہ تلے تمام مخلوق خدا امن و سلامتی کی زندگی گزارے اور تمام انسان اپنے مقصود اصلی جس کی بنا پر

ان کی تخلیق ہوئی ہے (یعنی خالق ومالک کی عبادت واطاعت) کا حق بجا لائیں۔

علماء اور سیاست

"تاریخ اسلام کے بہت سے درخشاں اوراق وصفحات اس حقیقت کو روشن کررہے ہیں کہ ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک علماء کی ایک جماعت ہمیشہ ہر دور میں ایسی رہی ہے جس نے سیاسیات صالحہ سے ملک کی صحیح نمائندگی کی ہے۔ البتہ یہ دوسری بات ہے کہ سیاسیات میں حصہ لینے کے عنوانات اور ان کی راہیں جدا تھیں بلکہ آج دنیا میں انہی علمائے حق کی سیاسی ومذہبی بصیرت کے نیک نتائج ہیں کہ (باوجود مخالفین کی سر توڑ کوشش کے) مسلمان دنیا کی جدوجہد میں (کسی نہ کسی حد تک) برابر کے شریک نظر آرہے ہیں۔

جس خوش فہم طبقہ کا گوشہ چشم علماء اور سیاست کے اجتماع ضدین کی طرف ہے وہ دراصل یورپ کے اس نظریہ کا عکس اپنے آئینہ ادراک میں پارہے ہیں جس نے سیاسیات کو پاپائے روم سے الگ کردیا ہے وہ اس سے بے خبر ہیں کہ اسلام ایک ایسا ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے ہر پہلو کا ضامن اور انسانی اجتماع کی ہر روحانی ومادی ضرورت کا کفیل ہے۔ اور اسی ضابطہ حیات کو لے کر ہمارے اسلاف

نے دنیا کو ایک مکمل انسانی زندگی بخشی، جس نے باطل پرستوں کو حق پرستوں، گداؤں کو سلطان، جاہلوں کو عالم، سنگ دلوں کو رحم دل، قزاقوں کو محافظ اور بے شعوروں کو صاحب شعور، کج رووں کو راست باز سرکشوں کو منقاد ومطیع، بے شرموں کو باحیاء، غلاموں کو حکمراں اور مس خام کو کندن بنادیا تھا۔ بقول حالی۔

مس خام کو جس نے کندن بنایا
کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پر قرنوں سے تھا جہل چھایا
پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا
وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ھادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی

الغرض بلا تعصب یہ حقیقت تسلیم کرنی پڑے گی کہ علمائے دیدہ وری صحیح معنی میں سیاسیات صالحہ کے اہل ہوسکتے ہیں جن کی وسیع نظریں زمانہ کی نبضوں کی دھڑکنوں اور تقاضوں کو پرکھتے ہوئے قرآن وسنت اور فقہ کی بصیرت کے ماتحت دینی اور ملکی کلیات وجزئیات پر گہری نظر رکھ سکتی ہیں یہ بھی اگرچہ مشکل نہیں کہ شریعت غرا سے ناواقف اور سیاسیات اسلامی سے نابلد مغربیت پالیٹکس کی راہ سے ملکی معاملات میں دخیل ہوکر کسی درجہ تک ملک کو ایک مرکز پر لاکر جمع کردے لیکن اسلام جن قوانین ونظریات کا نور دنیا

میں پھیلانا چاہتا ہے اس کے بغیر صلاحیتوں کی تکمیل ناممکن ہے اور وہ نور دین متیں کے صحیح حاملین ہی کے ذریعہ جلوہ نما ہوسکتا ہے"۔

(تجلیات عثمانیؒ ص ۶۰۲)

علماء کی سیاست کے مختلف رنگ

ہندوستان کی سیاسیات میں اکبر کے ملحدانہ دور کی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مجددانہ تجدید صرف اس رنگ میں کی کہ اکبر کے جاری کردہ شعائر کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ اس کی اصلاح پر مسلمانان ہند کی اصلاح موقوف تھی گویا جڑ کی اصلاح سے شاخوں کی اصلاح خود بخود ہوجائے گی چنانچہ اس طریقہ سے انہوں نے ہندوستان میں اسلام کو فنا ہونے سے بچالیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے افراد خاندان حضرت شاہ عبدالعزیزؒ شاہ عبدالقادرؒ شاہ رفیع الدینؒ قرآن وحدیث اور اسلامیات کی اشاعت سے مسلمانوں کی حالت درست کرنے میں مصروف رہے۔

پھر اسی خاندان کے مجاہد انسان حضرت شاہ محمد اسماعیلؒ شہید نے اپنی شعلہ زار تقریروں سے دہلی کے سوختہ خرمن مسلمانوں کے دلوں میں ایمان کی مشعلیں روشن کردیں اور دوسری طرف یہ مرد مومن جہاد فی سبیل اللہ کے لئے دلی سے آگرہ تک جمنا کی موجوں میں تیر کر خون کی موجوں میں نہانے کے لئے مشق کرتا رہا اور کبھی دلی کی جامع مسجد کے سنگ سرخ پر سخت گرمیوں کی کڑاکے کی دھوپ میں ننگے پاؤں پھر پھر کر

جہاد کی تکلیفوں کا اپنے آپ کو عادی بناتا رہا۔ مولانا شہیدؒ نے روحانی طاقتوں سے مسلمانوں میں روح اسلامی پھونکی اور پھر تلوار لے کر میدان میں اترے۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب کہ مسلمان بالکل دب چکا تھا اور انگریز کا اقتدار ہندوستان میں ہوتا جارہا تھا۔ غیور مسلمانوں کے دل اعلائے کلمتہ اللہ اور احیائے اسلام کے لئے بیتاب تھے مگر زمانہ کے حالات نے مجبور کر رکھا تھا۔ حضرت سید احمد شہیدؒ انگریز کے خلاف جہاد کرنا مقصد زندگی سمجھتے تھے ..... اسی خاندان کا پرتو حضرت حاجی امداد اللہ جیسے ولی کامل اور ان کے ساتھ بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ پر پڑا' ان حضرات نے اپنے نور ایمانی اور تنویر روحانی سے اپنے دور میں مختلف عنوانات میں تحریر وتقریر مجلس رشد وہدایت اور مدرسہ عالیہ دارالعلوم کی شکل میں جہاد جاری رکھا۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ جیسے جفاکش اور مجاہد عالم کا اثر ان کے شاگرد رشید حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی (شیخ الہند شیخ الحدیث وصدر مدرس دارالعلوم پر پڑا اور انہوں نے) اپنی ساری زندگی احیاء اسلام اور آزادی ہند میں گزار دی۔ شیخ الہندؒ کی روحانی اور مجاہدانہ زندگی کا پرتو ان کے مخصوص تلامذہ حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ، حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ، اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ اور دیگر شاگردوں پر پڑا۔ اور ان حضرات نے اپنے اپنے رنگ میں اپنے اپنے اجتہاد

وبصیرت مذہبی کے ماتحت نیک نیتی سے جہاد حریت میں حصہ لیا۔ غرض کہ یہ دور بھی اپنے علماء دیدہ ور کے موقر وجود سے ممتاز رہا' بلکہ حریت و آزادی کے تصور سے اگر دیکھا جائے تو ہندوستان کے لئے یہ دور بہت سی نازک اور اہم سیاسیات کا دور ہے خصوصا وہ زمانہ جس میں کہ ہندوستان کی قسمت کا ستارہ چمکا اور دو سو سال کی انگریزوں کی غلامی کا وجود اس کی گردن سے اترا اس وقت حضرت شیخ الہند کے تلامذہ میں ہندوستان کی سیاسیات پر حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ' حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی خصوصی طور پر میدان سیاست میں پورے شد ومد سے اترے ہوئے تھے ......
(تجلیات عثمانی ص ۶۱۵ و ص ۶۱۸)

....

(ت) :۔ نیز حضور اکرم ﷺ نے اسی مفہوم کی طرف اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے :

العبادة عشرة اجزاء۔ (عہ)

ترجمہ : "عبادت کے دس حصے ہیں"۔

....

(عہ) :۔ حديث العبادة عشرة اجزاء فتسعة منها فى طلب الحلال رواه ابو منصور الديلمى من حديث انس الا انه قال "تسعه منها فى الصمت والعاشره كسب اليد من الحلال" وهو منكر المغنى ۲/۱۰۲ وفى منتخب كنز العمال ۲/۲۰۸ العافية عشرة اجزاء تسعة فى طلب المعيشة وجزء فى سائر الاشياء۔

....

(ت) :۔ نیز ارشاد ہے :

الجهاد عشرة اجزاء تسعة منها فى طلب الحلال۔

(فى الجامع الصغير ص۵۲۵ العافية عشرة اجزاء تسعة فى طلب المعيشة وجزء فى سائر الاشياء یعنی عافیت کے دس حصے ہیں ان میں نو طلب معیشت میں ہیں اور ایک حصہ بقیہ تمام اشیاء میں)

ترجمہ : "جہاد کے دس حصے ہیں ان میں سے نو حلال کمائی میں ہیں"۔

یعنی اہل وعیال کی ضروریات کے لئے حلال کمائی۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ کسب کے ذریعہ انسان مختلف قسم کی عبادات ادا کرنے کی صلاحیت پیدا کرلیتا ہے مثلا جہاد' حج' صدقہ' خیرات' والدین کی خدمت' صلہ رحمی' اور اپنوں پرائیوں کے ساتھ سلوک واحسان' اور عبادت کے لئے گوشہ نشینی سے یہ مواقع میسر نہیں آتے انسان چند مخصوص عبادات مثلا روزہ نماز تک ہی محدود رہتا ہے۔

قول ثانی جو ہمارے نزدیک زیادہ قابل قبول ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء کرامؑ نے کسب میں زیادہ وقت صرف نہیں فرمایا۔ اور یہ ہر ایک جانتا ہے کہ ان کی عمر کا اکثر حصہ کسب کے بجائے عبادات میں صرف ہوا۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ اپنے لئے اعلی درجات ہی

اختیار فرماتے تھے۔ اور بلاشبہ انبیاءؑ کا طریقہ ہی دین کا سب سے بلند اور عند اللہ مقبول مقام ہے۔ نیز جب لوگوں پر کوئی بلا و مصیبت آتی ہے تو وہ کسب کے بجائے عبادت کی طرف لپکتے ہیں اور اسی طرح لوگ بزرگوں کی قربت اور ان کی مصاحبت کو بابرکت اور باعث نجات سمجھتے ہیں نہ کہ کمانے والوں کے پیچھے پھرنے کو' نیز اس کی فضیلت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ :

کسب میں کافر و مسلم دونوں (مشترک ہیں کہ دونوں) مستفید ہوتے ہیں (اور عبادت صرف مومن کا حصہ ہے) لہٰذا ایسی شے کو (جس میں مسلمان اور کافر مشترک ہیں) ایسی شے (یعنی عبادت) پر مقدم کرنا کہاں صحیح ہے؟ جو صرف مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے۔

نیز ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جب نبی کریم ﷺ سے افضل اعمال کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا "احمزھا" یعنی زیادہ با مشقت" اس سے اشارہ اس طرف تھا کہ انسان اپنی خواہشات کی مخالفت کرکے ہی اعلیٰ درجات حاصل کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

نهى النفس عن الهوىٰ فان الجنة هى
الماوىٰ۔

(النازعات آیت ۴۰۔ ۴۱)

ترجمہ : "اور نفس کو خواہش سے روکا تو جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے"۔

اور عبادت میں شروع سے آخر تک انسان اس صفت سے متصف رہتا ہے بخلاف کسب کے کہ اس میں اگرچہ ابتداء کچھ محنت

مشقت ضرور ہوتی ہے مگر اس کا انجام راحت جسمانی اور نفس کی آسودگی اور خواہشات کی تکمیل ہوتا ہے۔

لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ جو عمل آغاز و انجام دونوں اعتبار سے با مشقت ہو اور نفس کے خلاف ہو وہی افضل ہے۔

اور واضح رہے کہ اس کا نکاح کے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں (اور اسے اس پر قیاس نہ کیا جائے) کیونکہ ہمارے نزدیک نکاح کرنا عبادت کے لئے گوشہ نشینی اختیار کرنے سے افضل ہے کیونکہ (اس سے ایک بڑی مصلحت وابستہ ہے) نکاح میں عبادت کا معنی بدرجہ اتم موجود ہے کیونکہ اس کی فضیلت اس بنا پر ہے کہ یہ عمل بندگان خدا میں اضافے کا سبب ہے نیز حضور اکرم ﷺ کے واسطے امت کی کثرت پر فخر و مباہات کے متحقق ہونے کا ایک ذریعہ ہے اور عبادت کے لئے گوشہ نشینی اختیار کرنے میں یہ شے حاصل نہیں ہوتی۔

خلاصہ یہ کہ عبادت کے لئے فارغ ہونا ہی (کسب کی مشغولیت سے) افضل ہے بشرطیکہ آدمی ضرورت بھر معاش کا بندوبست کرچکا ہو۔

نادار و مالدار کا تقابل

اسی ضمن میں ایک مختلف فیہ مسئلہ یہ بھی ہے کہ آیا صفت "فقر" افضل ہے یا صفت "غنا"۔ ہمارے نزدیک صفت فقر افضل ہے مگر بعض فقہاء غنا کو فقر پر ترجیح دیتے ہیں۔

امام محمد رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں دو جگہ اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ ارشاد فرماتے ہیں :

ولو ان الناس قنعوا بما يكفيهم وعمدوا الى الفضول فوجهوها لامر آخرتهم كان خيرا لهم۔

ترجمہ : "اگر لوگ بقدر کفایت پر قناعت کرتے ہوئے ضرورت سے زیادہ مال ودولت کو اپنی آخرت کے لئے آگے چلتا کردیا کریں تو یہ ان کے لئے بہت بہتر ہو"۔

نیز دوسری جگہ ارشاد ہے :

وما زاد على مالا بد منه يحاسب المرء عليه

ترجمہ : "ضرورت سے فاضل مال ودولت پر انسان سے آخرت میں حساب ہوگا"۔

پس بلاشبہ ایسی صفت کہ جس میں آخرت کے حساب وکتاب کا اندیشہ نہ ہو اس صفت سے بدرجہا افضل وبہتر ہے کہ جس میں حساب وکتاب یقینی ہو۔

غنا کو فقر پر ترجیح دینے والوں کے دلائل

جو لوگ غنا کو افضل قرار دیتے ہیں ان کا خیال یہ ہے کہ غنا اور تونگری ایک نعمت خداوندی ہے اور فقر تو بلا ومصیبت ہے اور سزا اور آزمائش ہے اور عقل انسانی کی رہنمائی میں یہ فیصلہ کرنا کچھ مشکل نہیں کہ نعمت ہر حال میں سزا اور آزمائش سے بدرجہا بہتر ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے مال کو "فضل" قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے

وابتغوا من فضل الله۔

ترجمہ : (اور ڈھونڈو فضل اللہ کا"۔ (یعنی روزی تلاش کرو)۔

(جمعہ۔ ۱۰)

نیز ارشاد ہے :

ليس عليكم جناح ان تبتغوا فضلا من ربكم۔

دونوں آیتوں میں مال کو اللہ تعالیٰ کا فضل قرار دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فضل حاصل ہونا بے شک اعلیٰ درجہ ہے۔ نیز مال کو "خیر" کے لفظ سے بھی موسوم کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے :

ان ترک خيرا الوصية للوالدين۔

(البقرہ آیت ۱۸۰)

ترجمہ : "بشرطیکہ کچھ خیر (مال) بھی ترکہ میں چھوڑا ہو اپنے والدین کے لئے"۔

یہ لفظ خود ہی اپنی نقیض پر برتری کا ثبوت ہے۔ نیز حق تعالیٰ شانہ کا یہ ارشاد بھی ملاحظہ ہو :

ولقد آتينا داود منا فضلا۔

(السبا۔ آیت ۱۰)

ترجمہ : "اور ہم نے داود علیہ السلام کو اپنی طرف سے بڑی فضیلت دی تھی"۔

یہاں بھی فضل سے مراد مال ودولت اور سلطنت ہے حتیٰ کہ

روایت میں آتا ہے کہ آپ کے پاس سو کنیزیں تھیں اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے احسانات میں شمار کیا اور اسے اپنا فضل قرار دیا۔

اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اس کی دعاء فرمائی :

رب اغفرلی وھب لی ملکا لا ینبغی لاحد
من بعدی۔

(ص۔ نمبر ۲۵)

ترجمہ : "اے رب میرا قصور معاف کر اور مجھ کو ایسی سلطنت دے کہ میرے سوا کسی کو میسر نہ ہو"۔

اور کسی رسول اور پیغبر کے متعلق یہ خیال بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اعلیٰ کے بجائے ادنیٰ چیز کی دعا کریں گے"۔

....

(ف) حکومت واقتدار کی دعا :۔

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ انبیاء علیہم السلام کی کوئی دعا اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتی حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ دعا بھی باری تعالیٰ کی اجازت ہی سے مانگی تھی اور چونکہ اس کا منشا محض طلب اقتدار نہیں تھا بلکہ اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کے احکام نافذ کرنے اور کلمہ حق کو سربلند کرنے کا جذبہ کار فرما تھا اور باری تعالیٰ کو معلوم تھا کہ حکومت ملنے کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام انہی مقاصد عالیہ کے لئے کام کریں گے اور حب جاہ کے جذبات ان کے دل میں جگہ نہیں پائیں گے اس لئے انہیں اس دعا کی اجازت بھی دیدی گئی اور اسے

قبول بھی کر لیا گیا۔

لیکن عام لوگوں کے لئے از خود اقتدار کے طلب کرنے کو حدیث میں اس لئے منع کیا گیا ہے کہ اس میں حب جاہ ومال کے جذبات شامل ہو جاتے ہیں چنانچہ جہاں انسان کو اس قسم کے جذبات نفسانی سے خالی ہونے کا یقین ہو اور واقعۃً وہ اعلائے کلمۃ الحق کے سوا کسی اور مقصود سے اقتدار حاصل نہ کرنا چاہتا ہو تو اس کے لئے حکومت کی دعا مانگنا جائز ہے۔

(معارف القرآن ۸، ۵۱۹)

....

(ت) :۔ نیز نبی کریم ﷺ کے فرمان سے بھی اس قول کی تائید ہوتی ہے چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے :

الایدی ثلاثۃ ید اللہ ثم الید المعطیۃ ثم
الید المعطاۃ فھی السفلیٰ الی یوم القیامۃ (عہ)

....

(عہ) :۔ الید العلیا خیر من الید السفلی والید العلیا ھی المنفقۃ والید السفلی ھی السائلۃ

ترجمہ : "ہاتھ تین قسم کے ہیں ایک تو دست قدرت پھر دینے والا ہاتھ پھر لینے والا اور یہی قیامت تک نیچے رہے گا۔

نیز ارشاد ہے :

اليد العليا خير من اليد السفلىٰ۔

"اونچا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے"۔

نیز آنحضرت ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

انک ان تدع ورثتک اغنیاء خیر لک من ان تدعھم عالۃ یتکففون الناس۔ (ع)

ترجمہ: "بلاشبہ تمہارا اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ جانا اس سے بہتر ہے کہ انہیں تنگ دست چھوڑو کہ پھر وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں"۔

....

(ع) :۔ انک ان تذر ورثتک اغنیاء خیر من ان تذرھم عالۃ یتکففون الناس۔ (متفق علیہ المشکوۃ، البیوع الوصایا)

اور خلیفۃ المسلمین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مرض الوفات میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے (اسی وجہ سے) فرمایا کہ مجھے لوگوں میں تمہارا غنی اور فارغ البال ہونا سب سے زیادہ عزیز اور محبوب ہے اور اسی طرح سب سے زیادہ میرے لئے گراں خاطر اور میرے اوپر شاق تمہاری تنگ دستی ہے۔

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ صفت غنا صفت فقر سے اعلیٰ وافضل ہے۔ نیز روایت میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

کاد الفقر ان یکون کفرا۔

ترجمہ: "قریب تھا کہ فقر (وافلاس) کفر ہو جاتا"۔

....

(ف) :۔

۱۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان (المشکوۃ، الآداب باب ما ینھی من التھاجر والتقاطع واتباع العورات)

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب "معارف القرآن" میں تحریر فرماتے ہیں

"دور حاضر میں لوگوں میں دین وایمان کی اہمیت زیادہ نہیں دنیوی ساز وسامان کی طرف زیادہ متوجہ ہوتے ہیں اور معمولی سی تکلیف ہی نہیں بلکہ ظاہری فیشن کی خلاف ورزی ہو جانے پر دین چھوڑنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ایسے لوگوں کے لئے مال حلال کسب کرنے اور اس کو محفوظ رکھنے کی زیادہ اہمیت ہے اس طرح کے لوگوں کے لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہے کاد الفقر ان یکون کفرا۔ (یعنی تنگ دستی انسان کو بعض اوقات کافر بنا سکتی ہے)۔

حضرت سفیان ثوریؒ نے اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

کان المال فیما مضی یکرہ فاما الیوم فھو ترس المومن۔

ترجمہ: "یعنی زمانہ سابق میں مال کو پاس رکھنا اچھا نہیں

سمجھا جاتا تھا لیکن آج کل یہ مال مومن کی ڈھال ہے"۔

نیز انہوں نے فرمایا :

من کان فی یدہ من ھذہ شیئا فلیصلحہ فانہ زمان ان احتاج کان اول من یبذل دینہ۔

(رواہ فی شرح السنہ

(المشکوۃ، الرقاق، استحباب المال)

ترجمہ : "یعنی جس کے پاس دراھم ودنانیر (روپے پیسے) میں سے کچھ ہو تو اسے چاہئے کہ اس مال کو مناسب طریقہ پر کام میں لائے کیونکہ یہ وہ زمانہ ہے کہ اگر کچھ حاجت پیش آگئی تو انسان سب سے پہلے اپنی حاجت پوری کرنے کے لئے اپنے دین ہی کو خرچ کرے گا"۔

مال کی حفاظت ضروری امر ہے اور اس کو ضائع کرنا گناہ، اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے اگر کوئی شخص مقتول ہوجائے تو شہید ہے۔ جیسا کہ جان کی حفاظت کرتے ہوئے مقتول ہونے پر شہادت کا اجر موعود ہے۔

(معارف القرآن تفسیر سورہ نساء ج ۲ ص ۲۰۲)

....

(ت) :۔ نیز حضور ﷺ نے دعا فرمائی ہے :

اللھم انی اعوذبک من الفقر (۲) الا الیک۔

ترجمہ : "اے خدا میں آپ کے علاوہ کسی اور کی طرف محتاجی سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں"۔

نیز فرمایا :

اللھم انی اعوذبک من البئوس والتبائوس۔

(۳)

ترجمہ : "یا الٰہی میں فقیری سے اور بتکلف مفلس بننے سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔"

اور حضور ﷺ کے متعلق یہ خیال کرنا بے جا ہے کہ آپ ﷺ مراتب عالیہ اور اونچے درجات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے تھے۔

فقر کو غنا پر فوقیت دینے والوں کے دلائل

اور ہمارے موقف کی وجہ ترجیح یہ ہے کہ فقر ہی لوگوں کے لئے زیادہ سلامتی اور امن وسکون کا باعث ہے اور جس امر میں امن وسکون اور عافیت انسان کے شامل حال ہو وہی زیادہ فضیلت کی چیز ہے اور اعلیٰ مقام ہے۔ فقر سے آدمی سرمایہ داروں کی سی سرکشی سے محفوظ رہتا ہے۔ حق تعالیٰ نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے :

کلا ان الانسان لیطغیٰ ان راہ استغنیٰ۔

(العلق نمبر ٦)

ترجمہ : "سچ سچ بیشک آدمی حد آدمیت سے نکل جاتا ہے اس وجہ سے کہ وہ اپنے آپ کو ابنائے جنس سے مستغنی دیکھتا ہے۔" (ف)

....

(ف) :۔ یعنی آدمی اپنی اصل حقیقت کو ذرا یاد نہیں رکھتا۔ دنیا کے مال و دولت پر مغرور ہو کر سرکشی اختیار کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ مجھے کسی کی پرواہ ہی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

طاغوتی مادہ پرستی

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب "تحریر فرماتے ہیں :

"اس آیت کا روئے سخن اگرچہ ایک خاص آدمی یعنی ابو جہل کی طرف ہے جس نے رسول اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کی تھی مگر عنوان عام رکھا ہے جس میں عام انسانوں کی کمزوری بیان کی گئی ہے وہ یہ کہ انسان جب تک دوسروں کا محتاج رہتا ہے تو سیدھا چلتا ہے اور جب اس کو یہ گمان ہو جائے کہ میں کسی کا محتاج نہیں سب سے بے نیاز ہوں تو اس کے نفس میں طغیان یعنی سرکشی وغیرہ اور دوسروں پر ظلم کے رجحانات پیدا ہو جاتے ہیں جیسا کہ عموماً مالداروں اور اقتدار حکومت والوں اور اولاد و احباب یا خدام کی کثرت رکھنے والوں میں اس کا بکثرت مشاہدہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے تمول اور جماعت کی طاقت میں مست ہو کر کسی کو نظر میں نہیں لاتے۔"

(معارف القرآن ۸/۷۸۸)

نیز ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں :

ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی

الارض۔

ترجمہ : "اور اللہ تعالیٰ کی صفت حکمت کے آثار میں سے ہے کہ اس نے سب آدمیوں کو مال نہیں دیا) کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کے لئے بحالت موجودہ جیسی ان کی طبیعتیں ہیں روزی فراخ کر دیتا تو وہ دنیا میں بالعموم شرارت کرنے لگتے۔ کیونکہ جب سارے انسان مالدار ہوتے اور کوئی کسی کا مطلق محتاج نہ ہوتا تو کوئی بھی کسی سے نہ دبتا۔ یعنی اگر دنیا کے ہر فرد پر ہر قسم کے رزق اور ہر قسم کی نعمت کی فراوانی کر دی جاتی تو انسانوں کا ایک دوسرے کے خلاف بغی وفساد حد سے بڑھ جاتا اس لئے کہ دولت کی فراوانی کی وجہ سے نہ کوئی کسی کا محتاج ہوتا نہ کوئی کسی سے دبتا دوسری طرف دولت مندی کی ایک خاصیت یہ ہے کہ جتنی دولت بڑھتی ہے حرص وہوس میں اضافہ ہوتا ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کی املاک پر قبضہ جمانے کے لئے زور زبردستی کا استعمال عام ہو جاتا ہے لڑائی جھگڑے اور دوسری بداعمالیاں حد سے بڑھ جاتی ہیں۔ لہٰذا حکمت الٰہی کے بموجب کسی کے پاس مال ودولت ہے تو کسی کے پاس حسن وجمال ہے تو کسی کے پاس علم وحکمت کا کمال غرض ہر شخص کسی نہ کسی چیز کے لئے دوسروں کا محتاج ہے اور اس باہمی احتیاج پر تمدن کی عمارت قائم ہے۔"

(معارف القرآن ۷/۶۹۹ ، تفسیر سورہ شوریٰ)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ آیت شریفہ (ولو بسط اللہ الرزق) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بہترین رزق وہ ہے جو نہ تجھ میں سرکشی پیدا کرے نہ اپنے اندر تجھے مشغول کرلے۔ ہمیں یہ بتایا گیا کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اپنی امت پر جس چیز کا سب سے زیادہ خوف ہے وہ دنیا کی چمک دمک ہے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا خیر (مال) بھی برائی کا سبب بن جاتا ہے؟ اس پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی"۔

(فضائل صدقات ص ۱۴۴)

....

(ت) :۔ نیز ارشاد ہے :

الذین طغوا فی البلاد۔

(الفجر آیت نمبر ۱۱)

ترجمہ : "جنہوں نے شہر میں سر اٹھا رکھا تھا"۔ (ف)

....

(ف) :۔ یعنی ان قوموں (عاد و ثمود اور قوم فرعون) نے عیش و دولت اور زور و قوت کے نشے میں مست ہو کر ملکوں میں خوب اودھم مچایا بڑی بڑی شرارتیں کیں اور ایسا سر اٹھایا گویا ان کے سروں پر کوئی حاکم ہی نہیں۔

(تفسیر عثمانی سورہ الفجر)

سرمایہ دارانہ نظام اور اس کا انجام

مولانا سیوہاروی" تحریر فرماتے ہیں :

"سرمایہ دارانہ نظام کا نظریہ یہ ہے کہ دنیا کے کارخانے میں قدرت کے ہاتھوں نے انسانی مخلوق کو دو حصوں پر تقسیم کیا ہے۔ کچھ خدائی اور آقائی کیلئے پیدا کئے گئے ہیں اور کچھ بندگی اور محکوی کے لئے اسی طرح قدرت کا یہ منشا ہے کہ بعض انسانی گروہ دولت و ثروت کے مستقل اجارہ دار ہوں' جائز و ناجائز طریقوں سے دولت کو فراہم کریں اور خدا تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو صرف اپنے لئے ہی مخصوص کرلیں اور بعض طبقے مفلس محتاج دریوزہ گر اور نان جویں سے ہمیشہ مجبور و مقہور رہیں اور تفاوت درجات کے اس ہولناک فرق کو اعتدال پر لانے کا کسی کو بھی حق نہ ہو یہ نظریہ طاغوتیوں اور آدم رو شیاطین کا ہے۔"

(از اقتصادی نظام ص ۳۶۲)

یہی وہ مادہ پرستی ہے جو عاد و ثمود اور قوم فرعون جیسی ترقی یافتہ اور متمدن قوموں کی ہولناک تباہیوں کا باعث بنا اور آج بھی مغربی ممالک انہی نظریات کی پشت پناہی میں مصروف ہیں اور اس مسموم نظریات کو مسلم ممالک میں پھیلانے پر اپنی پوری توجہ مرکوز کئے ہوئے ہیں اور پوری توانائی صرف کر رہے ہیں۔ ایک انگریز اپنے ماحول کی عکاسی ان الفاظ میں کرتا ہے :

"یورپ کا عام اور متوسط آدمی وہ جمہوری ہو یا فاشستی، سرمایہ دار ہو یا اشتراکی ہاتھ سے کام کرنے والا ہو یا دماغی محنت کرنے والا وہ ایک ہی مذہب جانتا ہے۔ وہ کیا؟ مادی ترقی کی پرستش اور یہ عقیدہ کہ اس کی زندگی کی غرض وغایت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اس کو زیادہ سے زیادہ آسان اور پر راحت اور آزاد و بے قید بنائے' اس مذہب کے گرجے اور عبادت گاہیں زبردست کارخانے ہیں' تھیٹر وتفریح گاہیں ہیں' کیمیاوی دار الصنعت' ناچ گھر اور بجلی کے مرکز' اس مذہب کے پروہت بینکوں کے افسران ہیں' انجینئر اداکار عورتیں (ایکٹرس) فلم اسٹار اور تجارت وصنعت کی بڑی بڑی مرکزی شخصیتیں اور ریکارڈ قائم کرنے والے ہوا باز ہیں۔ طاقت ولذت کی اس ہوس اور چھورپن کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ حریف گروہ سامان جنگ سے لیس اور جنگی تیاریوں سے مکمل تیار کھڑے ہیں اور ایک دوسرے کو تباہ کردینے کے لئے پر تول رہے ہیں اگر ان کی خواہشات اور مصالح میں تصادم ہوگیا اور جہاں تک تہذیب کا تعلق ہے انسانوں کا ایک ایسا ٹائپ پیدا ہوا ہے جس کا عقیدہ ہے نیکی اور اخلاق نام ہے عملی فائدہ کا اس کے نزدیک معیار محض مادی کامیابی ہے"۔

نیز وہ لکھتا ہے:

"مغربی تہذیب صاف صاف پر زور طریقہ پر خدا کا

انکار نہیں کرتی لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے ذہنی نظام میں اللہ کی کوئی جگہ نہیں اور اس کے ماننے میں وہ کوئی فائدہ محسوس کرتی ہے اور نہ اسکی ضرورت سمجھتی ہے"۔

(نقل اقتباس از کتاب انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر از مولانا علی میاں صاحب)

افسوس کہ یہی نظریات مسلم ممالک بلکہ مسلم معاشرہ میں بڑی تیزی سے تہذیب جدید کے نام سے پھیلتے جارہے ہیں اور اسے ترقی ورواج دینے میں یہی آدم رو شیاطین اور مسلم رو منافقین پیش پیش ہیں جو ہر قسم کے ذرائع ابلاغ کو اس کے لئے وسیلہ بنائے ہوئے خاص طور سے ٹی وی کے ذریعہ اپنے معاشرہ وکلچر کے تمام منفی پہلو کو مزین وخوشنما روپ میں نت نئے انداز سے لوگوں کے سامنے لاتے ہیں کہ تماش بین کی زبانوں پر بے ساختہ آتش کا یہ شعر آجاتا ہے۔

جب دیکھئے کچھ اور ہی عالم ہے تمہارا
ہر بار عجب رنگ ہر بار نیا روپ

اور اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے جس تن دہی سے وہ مصروف کار ہیں اس کا اندازہ حضرت مولانا علی میاں صاحب دامت برکاتہم کے اس بیان سے ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں:

"تفریحی صنعتوں آرائش کے سامان اور لباس وزینت کے انواع واقسام کا ایک سیلاب ہر روز کارخانوں اور صنعت گاہوں سے شہروں پر امنڈ آتا ہے۔ بازار نئی تراش خراش کے لباس' نئی نئی قطع کے جوتوں اور جوتیوں

سے دوسرے سامان آرائش سے جگمگاتے رہتے ہیں' پھر فوراً یہ چیزیں پرانی اور فرسودہ قرار پا جاتی ہیں اور برائے نام ترمیم کے ساتھ نیا سامان ان کی جگہ لیتا ہے۔ زینت حسن وترقی کا معیار روزانہ بدلتا ہے اور برابر بڑھ رہا ہے اس میں بڑا دخل کارخانوں کی اس بے ضرورت تفریحی پیداوار اور اس مسابقت ورقابت (جس کے پیچھے وہی مادہ پرستی کی روح کار فرما ہے) کو ہے جو تجارتی مرکزوں اور صنعت گاہوں میں کام کررہی ہے۔ اور جو لوگوں کے اخلاق ومعاشرت نیز قوت خرید سے بالکل بے نیاز ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ زندگی روز بروز گراں' معیار زندگی ہر گزرے ہوئے دن سے بلند' زندگی کے مطالبات اور فرضی لوازم زندگی روز افزوں اور ان کی تکمیل کے لئے بڑی سے بڑی آمدنی ناکافی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ قناعت ایک لفظ بے معنی بنتا جارہا ہے' سکون واطمینان قلب خواب وخیال ہوگیا ہے ہر شخص اپنے سامنے اپنے سے بلند معیار زندگی رکھتا ہے اور وہاں تک پہنچنا اپنا سب سے بڑا فرض سمجھتا ہے۔ ماحول بھی اس سے اسی کا مطالبہ اور اسی کی توقع کرتا ہے اور اس کے بغیر اس کو ذلیل سمجھتا ہے' ایک مدت اسی جدوجہد میں گزرتی ہے جب وہ بام مقصود تک پہنچنے لگتا ہے تو وہ اور بلند ہوجاتا ہے اور ایک دوسرا معیار زندگی سامنے آجاتا ہے اس طرح زندگی ایک غیر مختتم جدوجہد اور ایک

ایسا ریس کا میدان ہے جس کا سرا اور کوئی انتہاء نہیں اس کا نفسیاتی اثر یہ ہے کہ زندگی میں تلخی اور کوفت بہت بڑھ گئی ہے اور جو گھر آسانی سے جنت کا نمونہ بن ہوسکتے تھے اور جن میں زندگی کے فطری اور حقیقی لوازم پائے جاتے ہیں کسی نہ کسی موہوم اور خیالی چیز کی کمی کی وجہ سے دوزخ کا نمونہ ہیں جہاں حقیقی عیش اور قلبی سکون عنقا ہے۔...."

نیز مولانا فرماتے ہیں :

"موجودہ تمدن کا اخلاقی اثر یہ ہے کہ اخلاقی حدود وضوابط برقرار نہیں رہے' محدود آمدنی میں غیر محدود مطالبات وتقاضوں اور فرمائشوں کی تکمیل رشوت اور غیر قانونی وسائل آمدنی کے بغیر ممکن نہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ رشوت (مختلف ناموں کے ساتھ) مجرمانہ دادوستد اور مخفی ذرائع آمدنی کا بازار گرم ہے... اور ان سے زندگی میں جو مشکلات اور نظام میں جو ابتری پیدا ہوسکتی ہے وہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

یہ نتیجہ عموماً زندگی کے فطری اور حقیقی ضروریات کے تقاضے کا نہیں بلکہ فرضی اور غیر حقیقی ضروریات کے مطالبہ کا ہے اس کی بندش محض قانونی گرفت اور استیصال رشوت کی کوششوں سے ممکن نہیں۔ اس کا ذمہ دار وہ نظام زندگی ہے جو ایک مدت سے اخلاقی ہدایات سے محروم اخروی جزا وسزا کے تصور سے عاری' اور وہ نظام تعلیم ہے جو اپنی یکسر

مادہ پرستانہ ساخت کی وجہ سے اخلاقی حس اور ضمیر پیدا کرنے میں اتنا ہی ناکام ہے جتنا نجاری حدادی کا پیشہ یا مصوری اور موسیقی کا فن ہو سکتا ہے۔ اس کا ذمہ دار وہ نظام حکومت ہے جو آمدنی اور پیداوار کے وسائل پر قابو رکھنا تو اپنا فرض سمجھتا ہے لیکن تجارت وصنعت اور اخلاق کے باہمی تعاون وتوافق کو ضروری نہیں سمجھتا۔"

(ص ۳۰۷ تا ۳۰۹)

دور حاضر کے نظامہائے حکومت کے متعلق وہ تحریر فرماتے ہیں :

ہدایت یا تجارت

"لادینی حکومتیں دراصل ایک ترقی یافتہ منظم اور محفوظ تجارتی ادارے ہیں یہ حکومتیں بنیادی واصولی طور پر نفع پہنچانے کے لئے نہیں بلکہ نفع اٹھانے کے لئے قائم ہوتی ہیں وہ سرے سے کوئی اخلاقی پیغام اور اصلاحی مقصد نہیں رکھتیں نہ ان کے پیش نظر ملک یا قوم کی اخلاقی وروحانی ترقی' انسانوں کی ہدایت اور انسانیت کی حقیقی خدمت وبہبود ہوتی ہے قدرتی طور پر ان کی اصل توجہ آمدنی کے ابواب نفع اٹھانے کی تدبیر اور سرکاری محاصل ومطالبات کی طرف ہوتی ہے اس غرض کے لئے وہ بے تکلف اخلاق وشرافت کے اصول کو نظر انداز کردیتی اور اخلاقی تعلیمات ومصالح کو پس پشت ڈال دیتی ہیں۔ جہاں کہیں اخلاقیات ومالیات کا

تصادم ہوتا ہے وہاں وہ ہمیشہ مالیات کو ترجیح دیتی ہیں' ہر مسئلہ میں ان کا نقطہ نظر معاشی واقتصادی ہوتا ہے' اس طرز کی حکومتیں بداخلاقی وبے حیائی کی بہت سی قسموں کو کچھ قانونی قیود کے ساتھ (جو جرائم کا سدباب نہیں کرتیں بلکہ ان کو صرف نظم وضابطہ میں لے آتے ہیں) جائز قرار دیتی ہیں عصمت فروشی کا پیشہ ان جیسی حکومت میں قانونا جائز ہوتا ہے وہ خود وسیع پیمانے پر اور منظم طریقہ پر سود کا کاروبار کرتی ہیں' مہذب ناموں سے جوئے کی اجازت ہوتی ہے' ناموں کی تبدیلی اور بعض ایسے قیود کے ساتھ جو حکومت کے مفاد کو محفوظ رکھتے ہیں بہت سے اخلاقی جرائم جائز ہوتے ہیں' شراب کی نہ صرف اجازت ہوتی ہے بلکہ حکومت بعض اوقات اس کی تجارت اپنے ہاتھ میں رکھتی ہے اور اس کے خلاف جدوجہد کرنے والے کو سزا دیتی ہے سینما اور فلم سازی کی صنعت جو اپنی موجودہ روح اور شکل میں ام الجرائم اور قوم میں بداخلاقی کا رجحان اور شہوانی میلان پیدا کرنے کی سب سے بڑھ کر ذمہ دار ہے' حکومت کی آمدنی کا بہت بڑا ذریعہ سمجھی جاتی ہے اور اس کے اخلاقی نقصانات کو جانتے اور دیکھتے ہوئے بھی حکومت اس کو روک نہیں سکتی' ریڈیو کا سرکاری محکمہ قوم کی اخلاقی رہنمائی اور تربیت کے بجائے داروغہ ارباب نشاط کی خدمت انجام دیتا ہے اور قوم کی سنجیدگی اور صحیح ذوق پیدا کرنے کے بجائے

اس کے فاسد ذوق اور سطحی رجحانات کا ساتھ دیتا ہے بلکہ اپنے پروگرام سے تفریحی رجحان پیدا کرتا ہے اور تعلیم وتربیت کا ذریعہ بننے کے بجائے آلہ تفریح بن کر رہ جاتا ہے۔ قانون مطابع اور حکومت کا محکمہ احتساب جہاں سیاسیات وانتظامیات میں نہایت ذکی الحس خوردبیں اور سخت گیر ہوتا ہے اور کسی ادنی تنقید کو بھی بعض اوقات گوارا نہیں کرتا وہاں اخلاقیات کے بارہ میں نہایت فراخ دل، فیاض اور بے نیاز واقع ہوتا ہے۔ غیر ذمہ دار اخبار نویس اور نقش نگار ادیب اور افسانہ نگار اپنے حقیر مادی فوائد کے لئے قوم میں اخلاقی طاعون پھیلاتے ہیں لیکن جب تک پانی سر سے نہ گزر جائے حکومت کی مشین متحرک نہیں ہوتی۔ اس طرز حکومت میں اخلاق کے ساتھ قوم کی صحت بھی محفوظ نہیں رہتی، بعض تجارتی ادارے اپنے مضر صحت مصنوعات سے اہل ملک کی صحت کو مسلسل نقصان پہنچاتے رہتے ہیں اور نسلوں کو کمزور وبیمار بناتے رہتے ہیں لیکن حکام کو رشوت دے کر یا حکومتی وقومی اداروں کو گرانقدر مالی امداد پہنچا کر حکومت کے عتاب واحتساب سے بچتے رہتے ہیں یہ سب اس لئے ہوتا ہے کہ حکومت کا نقطہ نظر اور اس کا فکری محور اصول واخلاق، ہدایت واصلاح نہیں بلکہ مالی منفعت اور ظاہری خوشحالی ہے۔

اس طرز سیاست کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اہل ملک کے

اخلاق روز بروز پست ہوتے چلے جائیں اور ایک خطرناک اخلاقی انحطاط اور اخلاقی امراض رونما ہوں اور پوری قوم میں اور اس کے ہر طبقے میں تاجرانہ ذہنیت اور نفع اندوزی اور موقع پرستی کی ذہنیت پیدا ہوجائے اور ایک عام لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہو، ہر شخص دوسرے کو زیادہ سے زیادہ لوٹنے کی کوشش کرے اور اصول واخلاق کا مسئلہ بالکل نگاہوں سے اوجھل ہوجائے۔"

(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر)

اور چونکہ ان تمام امور شر وفساد کی ابتداء حب مال اور حب جاہ ہوتی ہے اس لئے اسلام نے مال کی کثرت (کہ جس سے شخصی لذت وتمتع منتہائے مقصود بن کر رہ جائے۔ صرف اچھا کھانا پینا پہننا اوڑھنا ہم نشینوں اور ہم عصروں میں معزز وممتاز بنے رہنے کا سودا سر میں سمائے اور مذہبی احکامات واخلاقی ہدایات اور اخروی جزا وسزا کا خیال جاتا رہے اور خدا فراموشی وخود فراموشی جسے مادہ پرستی کی نظر میں استقلال وخودداری اور دلجمعی وقوت قلب اور شرافت وتہذیب کا نام دیا جاتا ہے۔) پر روک لگائی اور فرمایا حب الدنیا راس کل خطیئۃ دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔"

اور ایسی معاشی سرگرمیوں کو لہو ولعب اور انہماک فی الدنیا میں شمار کیا جس سے قساوت قلبی، بے حسی، غفلت اور مدہوشی پیدا ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ یہ زہر قوم کے دوسرے افراد میں سرایت کرجاتا ہے اور قوت عقلیہ ملکیہ مفقود ہونے کی وجہ سے ہر طرح کے فحش ومنکر اور بغی

اعمال وکردار روزافزوں ہوتے جاتے ہیں۔

پھر اس کا نتیجہ وہی ہوتا ہے جو آیت شریفہ الذین طغوا فی البلاد۔ میں بیان ہوا کہ جب "امراء وبارسوخ لوگوں کو جن کے ماننے نہ ماننے کا اثر جمہور پر پڑتا ہے سمجھ بوجھ کر خدائی پیغام کو رد کردیتے ہیں اور کھلے بندے نافرمانیاں کرکے تمام بستی کی فضاء کو مسموم ومکدر بنادیتے ہیں اس وقت وہ بستی اپنے کو علانیہ مجرم ثابت کرکے عذاب الہی کی مستحق ہوجاتی ہے"۔ (تفسیر عثمانی سورہ اسراء) پھر دفعۃ خداوند قہار ان پر اپنے عذاب کا کوڑا برسادیتا ہے جس سے ان کی سب قوت اور بڑائی خاک میں مل جاتی ہے۔ قوم عاد و ثمود قوم فرعون دولت قارون سلطنت فارس وروم سب قابل عبرت نمونے ہیں۔ ۱۲

....

(ت) :۔ بے شک دولت وثروت ہی ان کی اس سرکشی اور فتنہ وفساد کا سرچشمہ اور مبدا ومنبع تھی کہ بعض نے اس طغیانی میں آکر خدائی تک کا دعوی کرلیا۔

اور فقر کے متعلق دنیا کی کسی تاریخ میں یہ نہیں ملے گا کہ اس کی وجہ سے کسی نے ایسا دعوی کیا ہو تو معلوم ہوا کہ فقر کی راہ سلامتی اور عافیت کی راہ ہے۔

نیز یہ بھی ایک ناقابل فراموش حقیقت ہے کہ دولت وثروت ان چیزوں میں سے ہے جس کی طرف نفس خود بخود مائل ہوتا ہے اور طبیعت خود اس کی طرف کھینچتی ہے اور اس کے ذریعہ انسان کو ہر قسم کی نفسانی خواہشات کی تکمیل کا موقع ملتا ہے۔ اور فقر میں ایسی کوئی گنجائش نہیں

اور اعلی مقام وہی ہے جو جتنا قضائے شہوات سے دور ہو چنانچہ حق تعالی کا ارشاد ہے :

واتبعوا الشھوات فسوف یلقون غیا۔

(مریم نمبر ۵۹)

ترجمہ : "اور پیچھے پڑ گئے مزوں کے سو آگے دیکھ لیں گے گمراہی کو"۔ (ف)

....

(ف) :۔ یعنی دنیاوی مزوں اور نفسانی خواہشات میں پڑ کر خدا تعالی کی عبادت سے غافل ہوگئے......

.... ہر ایک درجہ بدرجہ اپنی گمراہی کو دیکھ لے گا کہ کیسے خسارہ اور نقصان کا سبب بنتی ہے اور کس طرح کی بدترین سزا میں پھنساتی ہے حتی کہ ان میں سے بعض کو جنہم کی اس بدترین وادی میں ڈھکیلا جائے گا جس کا نام ہی "غی" ہے۔ (تفسیر عثمانی ص ۵۲۷)

مفتی شفیع صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں :

"شہوات سے مراد دنیا کی وہ لذتیں ہیں جو انسان کو اللہ تعالی کی یاد اور نماز سے غافل کردیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شاندار مکانوں کی تعمیر اور ایسی شاندار سواریوں کی سواری جس پر لوگوں کی نظریں اٹھیں اور ایسا لباس جس سے عام لوگوں میں امتیاز کی شان نظر آئے شہوات مذکورہ میں داخل ہیں۔

"غی" ہر برائی اور شر کو کہتے ہیں حضرت ابن

مسعود رضی اللہ عنہ کے قول پر مبنی ایک جہنمی غار ہے جس میں سارے جہنم سے زیادہ طرح طرح کے عذاب جمع ہیں۔ (اعاذنا اللہ منہ)"۔

(معارف القرآن ص ۳۰ ج ۶)

....

(ت) :۔ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے :

زین للناس حب الشھوات من النساء والبنین والقناطیر المقنطرۃ من الذھب والفضۃ والخیل المسومۃ والانعام والحرث ذالک متاع الحیوۃ الدنیا واللہ عندہ حسن الماٰب۔

(آل عمران نمبر ۱۴)

ترجمہ : "فریفتہ کیا ہے لوگوں کو مرغوب چیزوں کی محبت نے جیسے عورتیں (ف ۱) اور بیٹے اور خزانے جمع کئے ہوئے سونے اور چاندی کے اور گھوڑے نشان لگائے ہوئے اور مویشی اور کھیتی یہ فائدہ اٹھانا ہے دنیا کی زندگی میں اور اللہ ہی کے پاس ہے اچھا ٹھکانا"۔ (ف ۲)

....

(ف) :۔ علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں :

"یعنی جب ان میں پھنس کر آدمی خدا سے غافل ہوجائے۔ اسی لئے حدیث میں فرمایا :

ما ترکت بعدی فتنۃ اضر علی الرجال من النساء۔

ترجمہ : "میرے بعد مردوں کے لئے کوئی ضرر رساں فتنہ عورتوں سے بڑھ کر نہیں"۔

ہاں اگر عورت سے مقصود اعفاف اور کثرت اولاد ہو تو وہ مذموم نہیں بلکہ مطلوب ومندوب ہے چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "دنیا کی بہترین متاع نیک بیوی ہے کہ اگر اس کی طرف دیکھے تو خوش ہو حکم دے تو فرمانبردار پائے، کہیں غائب ہو تو پیٹھ پیچھے شوہر کے مال اور اپنی عصمت کے معاملہ میں اس کی حفاظت کرے۔" اسی طرح جتنی چیزیں آگے متاع دنیا کے سلسلہ میں بیان ہوئیں سب کا محمود ومذموم ہونا نیت اور طریق کار کے تفاوت سے متفاوت ہوتا رہے گا مگر چونکہ دنیا میں کثرت ایسے افراد کی ہے جو عیش وعشرت کے سامانوں میں پھنس کر خدا تعالیٰ کو اور اپنے انجام کو بھول جاتے ہیں اس لئے "زین للناس" میں سطح کلام عام رکھی گئی ہے۔"

(تفسیر عثمانی سورہ آل عمران)

....

(ف۔۲) :۔

مفتی شفیع صاحبؒ اس کی وضاحت یوں فرماتے ہیں :

"خلاصہ کلام یہ ہے کہ دنیا کی لذیذ اور مرغوب چیزوں

کو حق تعالیٰ نے اپنے فضل و حکمت سے انسان کے لئے مزین فرما کر ان کی محبت اس کے دل میں ڈال دی جس میں بہت سی حکمتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان کا امتحان لیا جائے کہ ان سرسری اور ظاہری مرغوبات اور اس کی چند روزہ لذت میں مبتلا ہونے کے بعد وہ اپنے اور ان سب چیزوں کے رب اور خالق کو یاد رکھتا ہے اور ان چیزوں کو اس کی معرفت اور محبت کا ذریعہ بناتا ہے یا انہی کی محبت میں الجھ کر اصلی مالک و خالق کو اور آخرت میں اس کے سامنے پیشی اور حساب کو بھلا بیٹھتا ہے۔

پہلا آدمی وہ ہے جس نے دنیا سے فائدہ اٹھایا اور آخرت میں بھی کامیاب رہا دنیا کی مرغوبات اس کے لئے سنگ راہ بننے کے بجائے سنگ میل بن کر فلاح آخرت کا ذریعہ بن گئیں۔

دوسرا شخص وہ ہے جس کے لئے یہی چیزیں حیات آخرت کی بربادی اور دائمی عذاب کا سبب بن گئیں اور اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو یہ چیزیں دنیا میں بھی اس کے لئے عذاب ہی بن جاتی ہیں۔ قرآن کریم میں ایسے ہی لوگوں کے متعلق ارشاد ہے:

فلا تعجبک اموالھم ولا اولادھم انما یرید اللہ لیعذبھم بھا فی الحیوۃ الدنیا۔

(التوبۃ)

ترجمہ: "آپ ان کافروں کے مال اور اولاد سے متعجب نہ ہوں کیونکہ ان نافرمانوں کو مال و اولاد دینے سے کچھ ان کا بھلا نہیں ہوا بلکہ یہ اموال و اولاد آخرت میں تو ان کے لئے عذاب بنیں گے ہی دنیا میں بھی رات دن کی فکر اور مشاغل کے باعث عذاب ہی بن جاتے ہیں۔

الغرض دنیا کی جن چیزوں کو حق تعالیٰ نے انسان کے لئے مزین و مرغوب بنا دیا ہے شریعت کے مطابق اعتدال کے ساتھ ان کی طلب اور ضرورت کے موافق ان کو جمع کرنا دنیا و آخرت کی فلاح ہے اور ناجائز ان کا استعمال یا جائز طریقوں میں اتنا غلو اور انہماک جس کے سبب آخرت سے غفلت ہو جائے باعث ہلاکت ہے۔ ذالک متاع الحیوۃ الدنیا یہ سب چیزیں دنیوی زندگی میں صرف کام چلانے کے لئے ہیں دل لگانے کے لئے نہیں"۔

(معارف القرآن ۲/۲۹-۳۰)

(ت):۔ نیز احادیث رسول ﷺ سے بھی یہی قول مؤید ہے چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

حفت الجنۃ بالمکارہ وحفت النار بالشھوات۔

(متفق علیہ، المشکوۃ/الرقاق فصل ۱)

ترجمہ: "جنت خلاف طبع اشیاء سے گھیری گئی ہے اور جہنم مرغوب خاطر (خوشگوار) اشیاء سے"۔

نیز ارشاد ہے:

الفقر ازین علی المومن من العذار الجید علی خد العروس۔ (عہ)

ترجمہ: "مومن پر فقر اس سے کہیں زیادہ خوشنما اور بھلا معلوم ہوتا ہے کہ نئی نویلی دلہن کی گال پر تل کھاتی لٹ"۔

(عہ) :۔ قال العراقی حدیث الفقر ازین بالمومن من العذار الحسن علی خد العرس۔ رواہ الطبرانی من حدیث شداد بن اوس بسند ضعیف والمعروف انہ من کلام عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم رواہ ابن عدی فی الکامل ھکذا۔ (المغنی ص۲۰۷ ج۳)

نیز روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

ان فقراء امتی یدخلون الجنۃ قبل اغنیاءھم بنصف یوم وھو خمسمائۃ عام۔ (عہ)

ترجمہ: "میری امت کے فقراء لوگ دولت مندوں سے آدھے دن قبل جنت میں داخل ہوں گے اور آخرت کا آدھا دن یہاں کے پانچ سو سال کے برابر ہے"۔

(عہ) یدخل الفقراء الجنۃ قبل الاغنیاء بخمسمائۃ

عام نصف یوم رواہ الترمذی (المشکوۃ الرقاق فصل الفقراء)

نیز روایات میں وارد ہے کہ:

ان آخر الانبیاء دخولا الجنۃ سلیمان لملکہ (عہ)

ترجمہ: "انبیاء میں آخری نبی جنت میں داخل ہونے کے اعتبار سے حضرت سلیمان ہیں اپنی سلطنت کی وجہ سے"۔

(عہ) :۔ حدیث "آخر الانبیاء دخولا الجنۃ سلیمان بن داود لمکان ملکہ و آخر اصحابی دخولا عبدالرحمٰن بن عوف لمکان غناہ"۔ اخرجہ الطبرانی فی الاوسط باسناد فرد وفیہ نکارۃ۔ (المغنی ج۳ ص۲۰۸)

نیز ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک روز حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ اے عبدالرحمن تمہیں کس امر نے میرے پاس آنے میں تاخیر کرائی؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کیونکر؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز میرے اصحاب میں سے سب سے آخر میں جو آکر ملے گا وہ تم ہوگے؟ میں پوچھوں گا کہ تمہیں کس چیز نے روکے رکھا تم کہو گے "مال نے میں اسی کے حساب میں پھنسا ہوا تھا"۔ (ع)

....

(ع) :۔ فی الاصل قال ﷺ یوما لعبدالرحمٰن بن عوف "ما ابطاء بک عنی یا عبدالرحمٰن قال وما ذاک یا رسول اللہ فقال ﷺ انک آخر اصحابی لحوقا بی یوم القیامۃ فاقول ما حبسک عنی فتقول المال کنت محاسبا محبوسا حتی الان"۔ وفی مسند احمد یدخل عبدالرحمن بن عوف الجنۃ زحفا۔ (ح'ک۲)

....

(ت) :۔ حالانکہ عبدالرحمٰن بن عوف عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور انہوں نے چار مرتبہ آدھا آدھا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خیرات کر ڈالا تھا' ایک بار تو آپ کے پاس آٹھ ہزار درہم تھے آپ نے اس میں سے چار ہزار خیرات فرمایا دوسری بار آٹھ ہزار دینار تھے اس سے چار ہزار دینار نکالا تیسری بار سولہ ہزار میں نصف خیرات کیا چوتھی بار بتیس ہزار میں سے

آدھا نکال ڈالا۔ (ع)

....

(ع) :۔ انظر ترجمته فی الاستیعاب ۲/۳۸۵۔ ۳۹۰ والاصابة ۲/۴۰۸۔۴۱۰۔ (ح ک۱) واخرج ابو نعیم فی الحلیة عن الزهری قال تصدق عبدالرحمٰن بن عوف علی عهد رسول اللہ ﷺ بشطر ماله اربعة آلاف ثم تصدق باربعین الف ثم تصدق باربعین الف دینار ثم حمل علی خمسمائة فرس فی سبیل اللہ ثم حمل علی الف وخمسمائة راحلة فی سبیل اللہ۔ (حیاة الصحابة ۲/۱۳۶)

....

(ت) :۔

ان سب کے باوجود حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ابھی ان کے متعلق مذکور رہا۔ جس سے معلوم ہوا کہ صفت فقر ہی افضل ہے۔ (ف)

....

(ف)

مال ودولت کے فتنے :۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے فضائل صدقات میں حضرت کعبؓ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ان لکل امة فتنة وفتنة امتی مال۔

(ا ترمذی)

ترجمہ: "میں نے حضور اقدس ﷺ کو یہ ارشاد

فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر امت کے لئے ایک فتنہ ہوتا ہے (جس میں مبتلا ہو کر وہ فتنے میں پڑ جاتی ہے) میری امت کا فتنہ مال ہے"۔

حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد بالکل ہی برحق ہے کوئی اعتقادی چیز نہیں روز مرہ کے مشاہدہ کی چیز ہے کہ مال کی کثرت سے جنسی آوارگی' عیاشی' سود خواری' زناء کاری' سینما بینی' جوا بازی' ظلم و ستم لوگوں کو حقیر سمجھنا' اللہ کے دین سے غافل ہونا' عبادت میں تساہل ہونا' دین کے کام کے لئے وقت نہ ملنا' وغیرہ وغیرہ ہوتے ہیں' ناداری میں ان کا تہائی چوتھائی بلکہ دسواں حصہ بھی نہیں ہوتا اسی وجہ سے ایک مثل مشہور ہے زرنیست عشق ٹیں ٹیں"۔ پیسہ پاس نہ ہو تو پھر بازاری عشق بھی زبانی جمع خرچ ہی رہ جاتا ہے اور یہ چیزیں نہ بھی ہوں تو کم سے کم درجہ مالی کی بڑھوتری کا ہر وقت فکر تو کہیں گیا ہی نہیں صرف تین ہزار روپیہ کسی کو دیدیجئے پھر جو ہر وقت اس کو کسی کام میں لگا کر بڑھانے کا فکر دامن گیر ہوگا تو کہاں کا سونا کہاں کا راحت و آرام' کیسی نماز روزہ کیسا حج زکوہ اب دن بھر رات بھر دوکان کے بڑھانے کی فکر ہے دوکان کی مشغولی نہ کسی دینی کام میں شرکت کی اجازت دیتی ہے نہ دین کے لئے باہر جانے کا وقت ملتا ہے کہ دوکان کا حرج ہو جائے گا ہر وقت یہ فکر سوار کہ کون سا کاروبار ایسا ہے جس میں نفع زیادہ ہو کام چلتا ہوا ہو۔

اس لئے حضور ﷺ کا پاک ارشاد جو کئی احادیث میں آیا ہے کہ اگر کسی آدمی کے لئے دو وادیاں (دو جنگل) مال کے حاصل

ہو جائیں تو وہ تیسری کی تلاش میں لگ جاتا ہے آدمی کا پیٹ قبر (کی مٹی☆) ہی بھر سکتی ہے۔ (مشکوۃ شریف)

ایک حدیث میں ہے کہ اگر آدمی کے لئے ایک وادی مال کی ہو تو دوسری کی تلاش کرتا ہے اور دو ہوں تو تیسری کو تلاش کرتا ہے آدمی کا پیٹ مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھرتی ..... مٹی سے بھرنے کا مطلب یہ ہے کہ قبر کی مٹی میں جا کر ہی وہ اپنی اس "ھل من مزید" کی خواہش سے رک سکتا ہے دنیا میں رہتے ہوئے تو ہر وقت اس پر اضافہ اور زیادتی کی فکر رہتی ہے ایک کارخانہ اچھی طرح چل رہا ہے' اس میں بقدر ضرورت آمدنی ہو رہی ہے کہیں کوئی دوسری چیز سامنے آگئی اس میں اپنی ٹانگ اڑا دی ایک سے دو ہو گئی دو سے تین ہو گئی غرض جتنی آمدنی بڑھتی جائے گی اس کو مزید کاروبار میں لگانے کی فکر ہوگی یہ نہیں ہوگا کہ اس پر قناعت کر کے کچھ وقت اللہ کی یاد میں مشغولی کا نکل آئے اسی لئے حضور ﷺ نے دعاء فرمائی ہے اللھم اجعل رزق آل محمدقوتا۔ اے اللہ میری اولاد کا رزق قوت ہی ہو یعنی بقدر کفایت ہو زائد ہو ہی نہیں جس کے چکر میں میری اولاد پھنس جائے۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ بہتری اور خوبی اس شخص کے لئے ہے جو اسلام عطا کیا گیا ہو اور اس کا رزق بقدر کفایت ہو اور اس پر قانع ہو۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ کوئی فقیر یا غنی قیامت میں ایسا نہ ہوگا جو اس کی تمنا نہ کرتا ہو کہ دنیا میں اس کی روزی صرف قوت (بقدر کفایت) ہوتی۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ خدا کی قسم

مجھے تمہارے فقر وفاقہ کا خوف نہیں بلکہ اس کا خوف ہے کہ تم پر دنیا کی وسعت ہوجائے جیسا کہ تم سے پہلی امتوں پر ہوچکی پھر تمہارا اس میں دل لگنے لگے جیسا کہ ان کا لگنے لگا تھا پس یہ چیزیں تمہیں بھی ہلاک کردے جیسا کہ پہلی امتوں کو کرچکی ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات میں مختلف عنوانات سے مختلف قسم کی تنبیہات سے مال کی کثرت اور اس کے فتنہ پر متنبہ فرمایا اس لئے نہیں کہ مال فی حد ذاتہ کوئی ناپاک یا عیب کی چیز ہے بلکہ اس وجہ سے کہ ہم لوگوں کے قلوب کے فساد کی وجہ سے بہت جلد ہمارے دلوں میں مال کی وجہ سے تعفن اور بیماریاں پیدا ہوجاتی ہیں اگر کوئی شخص اس کی مضرتوں سے بچتے ہوئے اس کی زیادتی سے احتراز کرتے ہوئے شرائط کے ساتھ اس کو استعمال کرے تو مضر نہیں بلکہ مفید ہوجاتا ہے لیکن چونکہ عام طور سے نہ شرائط کی رعایت ہوتی ہے نہ اصلاح کی فکر ہوتی ہے اس بنا پر یہ اپنا زہریلا اثر بہت جلد پیدا کردیتا ہے' اس کی بہترین مثال ہیضہ کے زمانہ میں امرود کا کھانا ہے کہ فی حد ذاتہ امرود کے اندر کوئی عیب نہیں اس کے جو فوائد ہیں وہ اب بھی اس میں موجود ہیں لیکن ہوا کے فساد کی وجہ سے اس کے استعمال بالخصوص کثرت استعمال سے بہت جلد اس میں تغیر پیدا ہوکر مضرت اور ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے۔ اسی وجہ سے علی العموم ڈاکٹر ہیضہ کے زمانہ میں امرودوں کی سختی سے ممانعت کردیتے ہیں' ٹوکروں کے ٹوکرے ضائع کرادیتے ہیں حیرت کی بات یہ ہے کہ اگر معمولی حکیم یا ڈاکٹر کسی چیز کو مضر بتاتا ہے تو طبعاً ہمارے قلوب اس سے ڈرنے لگتے ہیں چنانچہ

ڈاکٹر کے ان اعلانات کے بعد اچھے اچھے سورماؤں کی ہمت امرود کھانے کی نہیں رہتی' لیکن وہ ہستی جس کے جوتوں کی خاک تک بھی کوئی حکیم یا ڈاکٹر نہیں پہنچ سکتا جس کی تجویزات نور نبوت سے مستفاد ہیں اس کے اعلان پر اس کی تجویز پر ذرا بھی خوف پیدا نہ ہو حضور اقدس ﷺ جب بار بار اس کے فتنوں اور اس کی مضرتوں پر تنبیہ فرمارہے ہیں تو یقیناً ہر شخص کو بہت زیادہ اس کی مضرتوں سے ڈرتے رہنا چاہئے۔ اس کے استعمال کے لئے شرعی قوانین کے ماتحت جو اس کے لئے ایسے ہیں جیسا کہ امرود کیلئے نمک مرچ لیموں وغیرہ مصلحات ہیں" ان کا بہت زیادہ اہتمام کرنا چاہئے اللہ کے حقوق کی ادائیگی کا بہت زیادہ اس میں فکر کرتے رہنا چاہئے۔ خود حضور ﷺ کا ارشاد ہے: "غنی میں اس شخص کے لئے کوئی نقصان نہیں جو اللہ سے ڈرتا رہے"۔

اس کے بعد حضرت شیخؒ نے چند صاحب ثروت صحابہ کا ذکر فرمایا نیز ان کی داد ودہش اور مال سے قلبی بے تعلقی کے واقعات بیان فرماکر تحریر فرماتے ہیں:

"حکایات صحابہ میں یہ اور اس قسم کے چند واقعات ذکر کئے گئے ان کے علاوہ ہزاروں واقعات ان حضرات کے تاریخ میں موجود ہیں ان کو مال کیا نقصان دے سکتا تھا جن کے نزدیک اس میں اور گھر کے کوڑے میں کوئی فرق نہ ہو کاش اللہ جل شانہ اس صفت کا کوئی ثمرہ اس (بندہ) کو بھی عطا کردیتا۔

یہاں ایک بات خاص طور پر قابل ذکر ہے وہ یہ کہ ان

حضرات متمول صحابہ کرام کے ان احوال سے مال کی کثرت کے جواز پر استدلال تو ہو سکتا ہے کہ خیر القرون اور خلفائے راشدین کے دور میں یہ مثالیں بھی ملتی ہیں لیکن لوگوں کو اس زہر کے اپنے پاس رکھنے میں ان کے اتباع کو آڑ بنانا ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی تپ دق کا بیمار کسی جوان قوی تندرست کے اتباع میں روزانہ صحبت کیا کرے کہ وہ تین چار دن میں قبر کا گڑھا ہی دیکھے گا۔ (فضائل صدقات ص ۱۸۴)

علامہ غزالی رحمہ اللہ نے ایک متفق علیہ روایت احیاء میں نقل فرمائی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے :

ان اکثر ما اخاف علیکم ما یخرج اللہ لکم من برکات الارض فقیل ما برکات الارض؟ قال زھرۃ الدنیا"۔

....

(ت) :۔ نیز ایک روایت میں آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

عرض (عہ) علی مفاتیح خزائن الارض فاستقلت اخی جبریل علیہ السلام ذلک فاشار الی التواضع' فقلت اکون عبدا نبیا اجوع یوما واشبع یوما فاذا جعت صبرت واذ اشبعت شکرت۔

ترجمہ :"کہ مجھے زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں دی گئیں میں نے حضرت جبریل علیہ السلام سے اس بارے میں

رائے لی تو انہوں نے تواضع کا مشورہ دیا تو میں نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا کہ مجھے بندہ' نبی ہو کر رہنا قبول ہے کہ کبھی فاقہ ہو تو کبھی سیری' فاقہ میں صبر (سے حق بندگی ادا) کروں اور شکم سیری میں شکر کیا کروں"۔

....

(عہ) :۔ حدیث عرضت علی مفاتیح خزائن الدنیا وکنوز الارض فرددتھا وقلت اجوع یوما واشبع یوما احمدک اذاشبعت واتضرع الیک اذاجعت اخرجہ الترمذی من حدیث ابی امامۃ بلفظ عرض علی ربی لیجعل لی بطحاء مکۃ ذھبا قلت لا یا رب ولکن اشبع..... (المغنی ۲۸۲/۱) وعند الطبرانی فی حدیث فیہ طول .... "فاتاہ اسرافیل فقال ان اللہ سمع ما ذکرت فبعثنی الیک بمفاتیح خزائن الارض وامرنی ان اعرض الیک ان اسیر معک جبال تھامۃ زمردا ویاقوتا وذھبا وفضۃ فعلت فان شئت نبیا ملکا وان شئت نبیا عبدا فاوما الیہ جبریل ان تواضع فقال بل نبیا عبدا (ثلاثا)"۔ (حیاۃ الصحابۃ)۔

....

(ت) :۔ چنانچہ آپ دعا فرماتے تھے :

اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین۔

ترجمہ :"اے میرے خدا مجھے مسکینوں کی زندگی عطا فرما

اور انہیں میں موت نصیب فرما اور انہیں میں میرا بھی حشر فرما"۔

اور حضور اکرم ﷺ حق تعالی سے اپنے لئے اعلی درجات ہی کا سوال فرمایا کرتے تھے اور ہمارے لئے بھی افضل وہی مقام ہے جسے آنحضرت ﷺ نے اپنے لئے طلب فرمایا۔ نیز حضور ﷺ کا ارشاد عالی ہے :

انا حظکم من الانبیاء وانتم حظی من الامم (عہ)

ترجمہ :"تمام انبیاء میں سے میں ہی تمہارے حصہ کا ہوں اور تمام امتوں میں سے تم ہی میرے حصہ کے ہو"۔

....

(عہ) :۔ اخرجہ الترمذی وابن ماجہ والحاکم (المغنی ۳؍۲۳۹) رواہ فی مجمع الزوائد ۱۰؍۶۸)

....

(ت) :۔ اس حدیث میں اشارہ اس جانب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو خصوصیت دی گئی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ان کی کامل اتباع کریں اور ان کی سیرت اپنائیں۔

اور مذکورہ بالا بیان سے یہ بات بھی صاف اور کھل کر سامنے آئی کہ حضور ﷺ نے مطلقاً فقر سے پناہ نہیں مانگی بلکہ اس فقر سے پناہ مانگی جو اللہ کی یاد سے غافل کردے۔ جیسا کہ بعض روایات

میں صراحت کے ساتھ دعاء وارد ہوئی :

اللھم انی اعوذبک من فقر منسی ومن غنی یطغی۔ (عہ)

ترجمہ :"الہی میں اس فقر سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں جو آپ کی یاد بھلادے اور ایسے مال ودولت سے جو سرکشی میں ڈال دے"۔

....

(عہ) :۔ اللھم انی اعوذ بک من کل عمل یخزینی واعوذبک من صاحب یوذینی واعوذبک من کل امل یلھینی واعوذ بک من کل فقر ینسینی واعوذ بک من کل غنی یطغینی۔ (مجمع الزوائد ۱۰؍۱۱۰)

....

(ت) :۔ بات یہ ہے کہ بعض اوقات حضور اکرم ﷺ دعا میں صراحت فرماتے اور گاہے بغیر صراحت کے مطلقاً دعا فرماتے مگر مراد وہی ہوتی اور راوی اپنی سماعت کے مطابق نقل کرتے ہیں۔

غنی شاکر وفقیر صابر میں افضل کون؟

اور اس مسئلہ کی اصل ایک اور مختلف فیہ مسئلہ ہے وہ یہ کہ آیا غنی شاکر افضل ہے یا فقیر صابر۔ علماء کرام کے چار قول ہیں :

قول اول : سکوت اور توقف کیونکہ دونوں طرح کی روایتیں احادیث میں موجود ہیں اور یہ موقف رکھنے والوں کا خیال ہے کہ

حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اولاد مشرکین کے متعلق سکوت اسی لئے فرمایا کہ اس میں روایات متعارض ہیں چنانچہ اس مسئلہ میں بھی انہی کی پیروی کرتے ہوئے سکوت اختیار کرنا چاہئے۔

قول دوم : دونوں برابر ہیں دلیل یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے :

الطاعم الشاکر کا الجائع الصابر۔ (عہ)

ترجمہ :"کھاتا پیتا شکر گزار صبر کرنے والا نادار کے مانند ہے"۔

....

(عہ) :۔ الطاعم الشاکر کالصائم الصابر۔ رواہ الترمذی (المشکوۃ الاطعمۃ فصل ۲)

نیز اس کی ایک واضح دلیل یہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے دونوں قسم کے بندوں کو قرآن پاک میں نعم العبد کے لقب سے نواز کر ان کی تعریف فرمائی ہے۔ ایک تو حضرت سلیمان علیہ السلام کہ ان پر اپنی بیش بہا نعمتوں کا نزول فرمایا۔ (جن وانس کے ساتھ ساتھ دیگر مخلوق پر بھی سلطنت عطا فرمائی) اور اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام کے شکر الٰہی کا حق بجا لانے پر حق تعالیٰ نے ان کا ذکر یوں ارشاد فرمایا :

ووھبنا لداود سلیمان نعم العبد۔

(ص۔ ۳۰)

ترجمہ :"ہم نے داود (علیہ السلام) کو سلیمان (علیہ

السلام) عطا کیا جو بہت اچھے بندے تھے"۔

دوسرے بندے حضرت ایوب علیہ السلام ہیں جنہیں حق تعالیٰ کی طرف سے آزمائش میں مبتلا کیا گیا اور انہوں نے پورے طور پر پیغمبرانہ شان کے ساتھ صبر جمیل سے کام لیا، چنانچہ حق تعالیٰ نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا :

انا وجدناہ صابرا نعم العبد۔

(ص۔ ۴۴)

ترجمہ :"بے شک ہم نے ان کو صابر پایا اچھے بندے تھے۔ (ف ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ غنی شاکر اور فقیر صابر دونوں ایک ہی مرتبہ کے ہیں۔

....

(ف ۱) :۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے نبوت اور بادشاہت دونوں جمع کردی تھیں اور وہ ملک عطا فرمایا تھا کہ نہ ان سے قبل کسی کو نصیب ہوا نہ ان کے بعد۔ جن، ہوا، اور پرندوں کو ان کے لئے مسخر فرمادیا تھا۔ (ان کا مفصل قصہ سورہ نمل میں مذکور ہے)

....

(ف ۲) :۔ حضرت ایوب علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے دنیا میں سب طرح آسودہ کیا تھا۔ کھیت، مواشی، لونڈی، غلام، اولاد صالح اور

عورت مرضی کے موافق عطا کی تھی۔ حضرت ایوب بڑے شکر گزار بندے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو آزمائش میں ڈالا، کھیت جل گئے، مواشی مر گئے اور اولاد اکٹھی دب کر مری، دوست آشنا الگ ہوئے، بدن میں آبلے پڑ کر کیڑے پڑ گئے۔ ایک بیوی رفیق رہی آخر میں وہ بیچاری بھی اکتانے لگی، مگر حضرت ایوب علیہ السلام جیسے نعمت میں شاکر تھے ویسے ہی بلا میں صابر رہے جب تکلیف واذیت اور دشمنوں کی شماتت حد سے گزر گئی بلکہ دوست بھی کہنے لگے کہ یقیناً ایوب علیہ السلام نے کوئی ایسا سخت گناہ کیا ہے جس کی سزا ایسی ہی سخت ہو سکتی ہے تب دعا کی :

رب انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین۔

رب کو پکارنا تھا کہ دریائے رحمت امنڈ پڑا اللہ تعالیٰ نے مری ہوئی اولاد سے دگنی اولاد دی، زمین سے چشمہ نکالا اسی سے پانی پی کر اور نہا کر تندرست ہوئے، بدن کا سارا روگ جاتا رہا، اور جیسا کہ حدیث میں ہے سونے کی ٹڈیاں برسائیں غرض سب طرح درست کر دیا۔ (تفسیر عثمانی سورہ انبیاء)

واضح رہے کہ قصہ گویوں نے حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کے متعلق جو افسانے بیان کئے ہیں ان میں مبالغہ بہت ہے ایسا مرض جو عام طور پر لوگوں کے حق میں تنفر اور استقذار کا موجب ہو انبیاء علیہم السلام کی وجاہت کے منافی ہے کما قال تعالیٰ :

لا تکونوا کالذین آذوا موسٰی فبراہ اللہ

مما قالوا وکان عند اللہ وجیھا۔

ترجمہ :"مت ہو ان جیسے جنہوں نے ستایا موسیٰ (علیہ السلام) کو پھر بے عیب دکھلا دیا اس کو اللہ نے ان کے کہنے اور تھا اللہ کے ہاں آبرو والا"۔

(یعنی تم ایسا کوئی کام یا کوئی بات نہ کرنا جس سے نبی کو ایذاء پہنچے نبی کا تو کچھ نہیں بگڑے گا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں انکی بڑی آبرو ہے وہ سب اذیت دہ باتوں کو رد کر دے گا ہاں تمہاری عاقبت خراب ہوگی)۔

لہٰذا اس قدر بیان قبول کرنا چاہئے جو منصب نبوت کے منافی نہ ہو۔

(تفسیر عثمانی سورہ ص)

....

(ت) :۔ قول سوم : غنی شاکر قابل ترجیح ہے۔ کیونکہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے :

الحمد (عہ) للہ ثمن کل نعمۃ (عہ)

ترجمہ :"حمد خدا ہر نعمت کی قیمت ہے"۔

نیز ارشاد ہے :

لو ان الدنیا صارت لقمۃ فتناولھا عبد وقال الحمد للہ رب العالمین کان ما اتی بہ خیرا مما اوتی۔

ترجمہ :"اگر ساری دنیا (کی نعمتیں) ایک لقمہ ہو جائے

اور اسے حاصل کر کے بندہ الحمد للہ رب العالمین کہہ دے تو ایسا ہو گیا کہ گویا جو کچھ اس نے لیا ہے اس سے افضل چیز دیدی"۔

کیونکہ اس کلمہ میں پروردگار عالم کی حمد وثنا ہے اور پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ شکر خدا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی جائے اور یہ ظاہر ہے کہ صبر کرنے سے افضل ہے۔ اور اس کی دلیل حق تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

اعملوا آل داود شکرا۔

ترجمہ: "اے داود کے خاندان والو تم سب ان نعمتوں کے شکریہ میں نیک کام کرو"۔ (ف)

....

(ف) :۔ یعنی ان عظیم الشان انعامات واحسانات کا شکرادا کرتے رہو محض زبان سے نہیں بلکہ عمل سے وہ کام کرو جن سے حق تعالیٰ کی شکرگزاری ٹپکتی ہو۔ بات یہ ہے کہ احسان تو خدا کم وبیش سب پر کرتا ہے لیکن پورے شکرگزار بندے بہت تھوڑے ہیں جب تھوڑے ہیں تو قدر زیادہ ہوگی لہٰذا کامل شکرگزار بن کر اپنی قدر ومنزلت بڑھاؤ۔

(تفسیر عثمانی)

حکیم ترمذی اور امام ابو بکر جصاص ؒ نے حضرت عطا بن یسار سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لائے اور اس آیت کو تلاوت فرمایا پھر

فرمایا تین کام ایسے ہیں کہ جو شخص ان کو پورا کرلے تو جو فضیلت آل داود کو عطا کی گئی تھی وہ اس کو بھی مل جائے گی۔ صحابہ ؓ نے عرض کیا کہ وہ تین کام کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا رضا وغضب دونوں حالتوں میں انصاف پر قائم رہنا اور غنا وفقر دونوں حالتوں میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنا اور خفیہ وعلانیہ دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا۔

(معارف القرآن ۷ر۲۷۳)

....

(ت) :۔ اور یہ حکم تمام طاعتوں کو شامل ہے اور بلاشبہ وہ شے جو تمام طاعتوں کو شامل ہو (افضل ہوگی)۔ (۲)

....

(۲) اصل کتاب میں عبارت کچھ ناقص معلوم ہوتی ہے۔ (واللہ اعلم)

....

اور گناہوں میں ملوث ہونے کے تمام اسباب ووسائل موجود ہونے کے باوجود انسان کا اس سے باز رہنا ایک بہت بڑی خوبی ہے (اور صبر کی ہی ایک قسم ہے) اور یہ خوبی غنی شاکر کو ہی حاصل ہوسکتی ہے فقیر صابر ان مواقع سے محروم ہوتا ہے۔ (عہ)

....

(عہ) :۔ فی المشکوة باب ثواب التسبیح والتحمید "الحمد لله راس الشکر ما شکر الله عبدلا یحمده" رواه البیهقی فی الشعب

(ع) :- روی ابن ماجہ عن انسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "ما انعم اللہ علی عبد نعمۃ فقال الحمد للہ الا کان الذی اعطی افضل مما اخذ"۔ وقال القرطبی فی تفسیرہ وفی نوادر الاصول عن انسؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال "لو ان الدنیا بحذافیرھا فی ید رجل من امتی ثم قال الحمد للہ لکان الحمد للہ افضل من ذلک یعنی اگر ساری دنیا کی نعمتیں کسی ایک شخص کو حاصل ہو جائیں اور وہ ان پر الحمد للہ کہہ دے تو الحمد للہ ان ساری دنیا کی نعمتوں سے افضل ہے۔

قرطبی نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ الحمد للہ زبان سے کہنا بھی اللہ ہی کی ایک نعمت ہے اور یہ نعمت ساری دنیا کی نعمتوں سے افضل ہے اور حدیث صحیح میں ہے کہ الحمد للہ سے میزان عمل کا آدھا پلہ بھر جاتا ہے۔

(معارف القرآن ۱/۹۶)

(ت) :- قول چہارم : جو کہ ہمارے نزدیک قابل ترجیح ہے وہ یہ کہ فقر پر صبر (نعمت پر شکر سے) افضل ہے چنانچہ ارشاد نبویؐ ہے :

الصبر نصف الایمان۔ (ع)

ترجمہ :"صبر نصف ایمان ہے"۔

(ع) :- الجامع الصغیر - حدیث ۵۱۳۰۔

(ت) :- نیز ارشاد ہے :

الصبر من الایمان بمنزلۃ الراس من الجسد۔ (ع)

ترجمہ :"صبر کا ایمان سے ایسا تعلق ہے جیسے سر کا جسم سے"۔

(ع) :- الجامع الصغیر - حدیث ۵۱۳۶۔

نیز فقر چونکہ اپنے اندر ابتلاء و آزمائش کا معنی لئے ہوئے ہے اور ابتلاء پر صبر نعمت پر شکر سے افضل ہے اس قاعدہ میں ہر قسم کی بلاء و مصیبت داخل ہے چنانچہ بیماری کی تکلیف پر صبر کرنا صحت و تندرستی پر شکر سے افضل ہے اسی طرح نابینا ہونے پر صبر نعمت بصارت پر شکر سے افضل ہے اس کے متعلق حدیث قدسی میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

من اخذت کریمتہ فصبر علی ذالک فلا اجر لہ عندی الا الجنۃ (ع)

ترجمہ :"میں جس کی دو محبوب چیزیں (آنکھیں) لے لوں اور وہ اس پر صبر سے کام لے تو اس کا بدلہ میرے ہاں تو جنت ہی ہے!"۔

(عہ) :۔ اذا ابتلیت عبدی بحبیبتیه ثم صبر عوضه منها الجنة (رواہ البخاری' المشکوۃ/الجنائز/عیادۃ المریض)

دوسری روایت میں "دیدار الٰہی اور جنت دونوں کا وعدہ فرمایا گیا ہے"۔ اور یہ اجر وثواب نابینا کے فقر وبیچارگی کی بنا پر ہے کیونکہ مومن کو نفس مصیبت پر ہی ثواب ملتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

یوجر المومن فی کل شیء حتی الشوکة یشاکها فی رجلہ (عہ)

ترجمہ :"مومن کو ہر بات پر اجر وثواب ملتا ہے حتی کہ پیروں میں کانٹا چبھنے پر بھی"۔

....

(عہ) :۔ فی الجامع الصغیر ما من مسلم یشاک شوکه فما فوقها الا کتب اللہ له بها حسنه وحط عنه بها خطیئتہ (حدیث ۸۰۹۸)

چنانچہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کو جب پتھر سے چوٹ لگی تو وہ تکلیف کے مارے اپنی جگہ کھڑے نہ رہ پائے جو ایک قسم کا اضطراب تھا مگر اس کے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے

متعلق ارشاد فرمایا کہ "انہوں نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر تمام دنیا پر اسے تقسیم کردیا جائے تو سب کے لئے کافی ہو"۔ (عہ)

....

(عہ) :۔ لقد تاب اللہ توبة الحدیث رواہ مسلم (المشکوۃ/الحدود فصل ١)

معلوم ہوا کہ کسی مصیبت پر صبر کرنا تو باعث ثواب ہے ہی نفس مصیبت پر بھی مستقل ثواب کا حصول ہوتا ہے اور غنی میں یہ بات نہیں کہ مال ودولت اکٹھا کرنے پر کوئی اجر ہے بلکہ اس پر شکر کرے گا تب ہی انسان ثواب کا مستحق ہوگا۔ اور ظاہر ہے جس بات پر دوہرا اجر وثواب حاصل ہو وہی افضل ہے اس سے جس میں اکہرا ثواب ملے۔ اور جس طرح دولت وثروت پر شکر کرنا خدا کی حمد وثنا میں شامل ہے اسی طرح مصیبت پر صبر بھی حمد وثنا میں شامل ہے کیونکہ حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا ہے :

الذین اذا اصابتهم مصیبة قالوا انا للہ وانا الیه راجعون۔ اولئک علیهم صلوات من ربهم ورحمة واولئک هم المهتدون۔

(البقرہ نمبر ١٥٦)

ترجمہ :"کہ جب پہنچے ان کو کچھ مصیبت تو کہیں کہ ہم تو اللہ ہی کا مال ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں پر عنایتیں ہیں اپنے رب کی اور مہربانی اور وہی ہیں سیدھی راہ پر"۔ (ف)

(ف) :۔ یعنی جن لوگوں نے مصائب پر صبر کیا اور کفران نعمت نہ کیا بلکہ ان مصائب کو وسیلہ ذکر و شکر بنایا تو ان کو اے پیغمبر ہماری طرف سے بشارت سنا دو۔ (تفسیر عثمانیؒ)

ایک حکایت

ایک بار ایک دولت مند اور فقیر کا اس مسئلہ پر مناظرہ ہوگیا' دولت مند نے فقیر سے کہا غنی شاکر فقیر صابر سے افضل ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے مالداروں سے ہی قرض طلب فرمایا ہے چنانچہ قرآن پاک میں آتا ہے :

من ذا الذی یقرض اللہ قرضا حسنا۔

(ف)

(بقرہ، ۲۴۵)

ترجمہ :"کون شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے اچھا قرض"۔

فقیر نے ترکی بہ ترکی جواب دیا ارے میاں اللہ تعالیٰ نے تو ہمارے ہی لئے مالداروں سے قرض طلب فرمایا ہے اور قرض اپنے پرائے سب سے لیا جاتا ہے مگر جب بھی لیا جاتا ہے اپنوں اور دوستوں کی خاطر ہی لیا جاتا ہے۔

نیز وجہ ترجیح ایک یہ بھی ہے کہ اصل میں مالدار فقیر و نادار کا محتاج ہوتا ہے اور فقیر مالدار کا محتاج نہیں ہوتا!! کیونکہ مالدار پر ضروری ہے کہ مال کا حق ادا کرے (یعنی زکوۃ دے) اور اگر تمام فقراء اس پر گٹھ جوڑ کرلیں کہ زکوۃ وغیرہ کچھ بھی نہیں لیں گے

(ف) :۔ قرض حسنہ اسے کہتے ہیں جو قرض دے کر تقاضا نہ کرے اور اپنا احسان نہ رکھے اور بدلہ نہ چاہے اور اسے حقیر نہ سمجھے۔ اور خدا کو دینے سے جہاد میں خرچ کرنا مراد ہے یا محتاجوں کو دینا۔ (تفسیر عثمانی)

مفتی شفیع صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں :

"اللہ تعالیٰ کو قرض دینے کا یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اس کے بندوں کو قرض دیا جائے اور ان کی حاجت براری کی جائے چنانچہ حدیث شریف میں قرض دینے کی بہت فضیلت وارد ہوئی ہے اور رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو مسلمان دوسرے مسلمان کو قرض دیتا ہے یہ قرض دینا اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اس مسلمان کے دو دفعہ صدقہ کرنے کے برابر ہے" (معارف القرآن ۱؍۶۰۰)

(ت) :- تو ان پر زکوۃ لینے کے لئے کسی قسم کی زور زبردستی یا جبر نہیں کیا جاسکتا بلکہ ان کا زکوۃ لینے سے باز رہنا شرعاً قابل صد تحسین و آفرین ہوگا۔ مگر مالداروں کیلئے بڑی فکر کی بات ہوگی کیونکہ اس طرح ان کے سر پر جو ادائے زکوۃ کی ذمہ داری ہے اس کے سر سے اتارنے کی کوئی سبیل نہ رہے گی وہ ایک مشکل اور مصیبت میں پھنس کر رہ جائیں گے۔ رہ گئے فقیر تو ان کی روزی روٹی کا بندوبست وعدہ الٰہی کے مطابق کہیں نہ کہیں سے ہو ہی جائے گا۔

تو معلوم ہوا کہ مالدار و دولت مند فقیروں کے محتاج ہیں نہ کہ فقیر مالداروں کے جیسا کہ ظاہر بینوں نے سمجھ رکھا ہے اور اس تمام تفصیل سے یہ بات پوری طرح آشکارا ہوگئی کہ فقیر صابر کو غنی شاکر پر فضیلت و برتری حاصل ہے اور یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ خیر اور بھلائی سے دونوں ہی مالا مال ہیں۔

تحصیل معاش کے مراتب (ف) اور درجات

درجہ اول ذاتی ضروریات کے لئے

بقدر ضرورت تحصیل معاش کہ جو بنیادی ضرورتیں پورا کرے جس سے کمر سیدھی رہے ہر انسان کے لئے "فرض عین" ہے کیونکہ اس کے بغیر وہ اپنے فرائض جس کا شرعاً وہ پابند اور مکلف ہے ادا کر ہی نہیں سکتا اور (یہ اصول ہے کہ) جس شے پر کسی فرض کی ادائیگی موقوف ہو وہ خود

بھی فرض ہوتی ہے۔

....

(ف) کسب معاش کے اساسی اصول :-

مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی رقم طراز ہیں :

"ان آیات و احادیث اور احکام اسلامی کے پیش نظر جب ایک شخص کسب معاش کے لئے قدم اٹھائے تو کیا اس کو یہ آزادی حاصل ہے کہ اپنی معیشت کے حصول میں جو طریقہ بھی چاہے اختیار کرے؟ نہیں ایسا نہیں! بلکہ اس انفرادی جد و جہد میں اس کو چند ایسے اصول کا پابند بنایا گیا ہے جو "نظام معیشت" کو فاسد ہونے سے بچائے اور صاحب معیشت کی زندگی کو معاشی رفاہیت کے ساتھ دینی اور اخلاقی رفعت عطا کرتے ہیں چنانچہ اس کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی انفرادی معیشت میں ہمیشہ دو اصول پیش نظر رکھے ایک یہ کہ جو حاصل کیا جائے وہ "حلال" ہو اور دوسرے یہ کہ جن طریقوں سے حاصل کیا جائے وہ "طیب" ہوں۔

یا ایھا الناس کلوا مما فی الارض حلالا طیبا ولا تتبعوا خطوات الشیطان انہ لکم عدو مبین۔

(البقرہ)

ترجمہ : "اے لوگو جو کچھ زمین میں ہے اس میں سے حلال طیب کھاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو بلاشبہ وہ

تمہارے لئے کھلا ہوا دشمن ہے"۔

فکلوا مما رزقکم اللہ حلالا طیبا۔

(المائدہ)

ترجمہ : "پس اللہ تعالٰی نے جو کچھ تم کو رزق دیا ہے اس میں سے حلال طیب کھاؤ۔"

یا ایھا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا انی بما تعملون علیم

(المومنون)

ترجمہ : "اے پیغمبرو تم کھاؤ پاک چیزوں سے اور عمل کرو نیک' بلاشبہ جو تم عمل کرتے ہو میں اس کا جاننے والا ہوں"۔

ویحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبائث

(الاعراف)

ترجمہ : "اور (نبی امی) حلال رکھتے ہیں تمہارے لئے پاک چیزیں اور حرام کرتے ہیں خبیث چیزیں"۔

ان آیات میں حلال اور طیب ہر دو اصول کا ذکر کرتے ہوئے سخت تاکید کی گئی ہے کہ شیطان کے قدموں کی پیروی نہیں کرنی چاہئے' مراد یہ ہے کہ کھانے پینے پہننے اور اشیاء کے استعمال میں نیز تمام وسائل آمدنی میں "اسلامی نظام معیشت" کی روح یہ ہے کہ ایک "مسلم" کو ایسی تمام اشیاء سے بچنا چاہئے جن کی ترکیب ان عناصر سے کی گئی ہو

جو جسمانی امراض کا مبدا بنتے اور اس کو فاسد کرنے میں "سمیت" کا کام کرتے ہوں اور یا قوائے حیوانی کو برانگیختہ کرکے ان کو اعتدال طبعی سے نکال کر امراض روحانی واخلاقی کا باعث ہوتے ہوں اور ان اشیاء سے بھی احتراز ضروری ہے جو غرور' خود نمائی' بے جا تعیش اور جابرانہ نخوت کا سبب بن کر مساوات' اخوت اور مواسات باہمی کے رشتوں کو قطع کرتے اور خود غرضی ظلم اور بداخلاقی کی جانب دعوت دیتے ہیں' پس اگر ہمارا کسب واکتساب ان نجس اوصاف سے پاک ہے تو وہ حلال ہے۔

اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ جو شے اپنی معیشت کے لئے حاصل کی گئی ہے وہ اپنی ذات میں بھی اور حصول کے طریقوں میں بھی نفس کو پاک رکھتی ہو اور خبائث نفس سے بچاتی ہو' نیز اس سے دوسرے افراد امت کے لئے معاشی ضیق نہ پیدا ہوتی ہو اور ظلم وسرکشی اور معاشی دستبرد کے وہ جراثیم نہ پھیلتے ہوں کہ جن سے مذموم سرمایہ داری فروغ پاتی اور عام انسانی دنیا کو فلاکت ومسکنت کے قعر ہلاکت میں ڈالتی ہو۔

پس اگر آمدنی اور وسائل آمدنی میں ان امور کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے تو اس کو اسلامی نقطہ نظر سے "طیب" کہا جاتا ہے۔

...... پس اگر ایک شخص ان تمام اساسی امور کا لحاظ رکھے

ہوئے اپنی معاشی زندگی میں جدوجہد کرکے "وسائل معاش" بہم پہنچاتا ہے تو بلاشبہ اسلامی نظام معیشت میں اس کی یہ کمائی "معیشت صالحہ" کے نام سے موسوم ہے۔"

(اسلام کا اقتصادی نظام ص ۶۴)

....

(ف ۲) ضرورت کی نوعیت :۔

حکیم الامت حضرت تھانوی ؒ سے ایک مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ کتب دینیہ کی تعلیم پر گزارے کی ضرورت سے زیادہ اجرت لینی جائز ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا جائز ہے! خصوصاً اس زمانہ میں کیونکہ مباشرت اسباب طبعاً قناعت اور اطمینان کے حصول کا سبب ہے اور طبیعتوں کے ضعف کی وجہ سے آج کل یہ قناعت اور اطمینان بڑی نعمت ہے۔ باقی یہ کہ ضرورت سے زیادہ کی کیسی اجازت ہوگی؟۔

سو ضرورت کی دو قسمیں ہیں : حالی اور مآلی' پس ممکن ہے اب ضرورت نہ ہو آئندہ چل کر ضرورت ہوجائے اس لئے زائد لینے کی بھی اجازت ہوگی کیونکہ اپنے پاس زائد روپیہ ہونے سے ایک قسم کا استغناء رہتا ہے کہ ہمارے پاس روپیہ ہے بلکہ بعض مصالح کے سبب تو بلا ضرورت بھی ایسے ابواب کا قبول کرلینا مستحسن قرار دیا گیا ہے چنانچہ صاحب ہدایہ نے قاضی

کے رزق (تنخواہ) قبول کرنے میں خاص مصلحت بیان کی ہے۔ اور اگر اس میں طمع کا شبہ ہو تو اتنی طمع بھی جائز ہے۔

حضرت سفیان ثوری ؒ اس درجہ کے زاہد تھے ان کے پاس ہارون رشید کا خط آیا تو لکڑی سے کھول کر پڑھا تھا اور فرمایا تھا کہ اس خط کو ظالم کا ہاتھ لگا ہے مگر باوجود اس کے وہ فرماتے ہیں کہ "اس زمانہ میں کچھ مال جمع کرنا مصلحت ہے کیونکہ اگر ناداری کی حالت میں ضرورت پڑے گی تو مضطر ہو کر پہلے دین ہی کو تباہ کرے گا"۔ اس واسطے تنخواہ ضرور لے اگر کچھ بچ جائے تو اس کو جمع کرتا رہے۔ (العلم والعلماء ص ۷۵ منقول از کلام الحسن)

....

(ت) :۔ اور اگر کوئی محض ضرورت سے زیادہ نہیں کماتا تو اس میں کوئی حرج نہیں (بلکہ عام حالات میں ایک مومن کے لئے یہی طریقہ افضل ہے) چنانچہ ارشاد نبوی ؐ ہے :

(عه) : من اصبح آمنا فی سربه معافی بدنه عنده قوت یومه فکانما حیزت له الدنیا بحذا فیرھا۔

ترجمہ : "جسے اپنے ٹھکانا پر پرسکون صبح نصیب ہو صحت وتندرستی شامل حال ہو اور اس روز کا کھانا بھی پاس میں تو

گویا کل کائنات اس کے ہاتھ آگئی ہے"۔

نیز حضرت ابن جیش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیحت کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بلغة تسلبها جوعتک وخرقة تواری بها
سؤتک فان کان لک کن یکنک فحسن وان کان
لک دابة ترکبها فبخ بخ۔ (عہ)

ترجمہ: "اتنا توشہ ہو کہ تمہاری بھوک مٹادے اور اتنا کپڑا کہ ستر پوشی کے کام آجائے اگر کوئی سر چھپانے کی جگہ (مکان) بھی ہو تو بڑی اچھی بات اور اگر کوئی سواری بھی میسر آجائے تو پھر سبحان اللہ کیا کہنے!"۔

تحصیل معاش سے پہلو تہی کی اجازت اس وقت ہے جب کہ اس کے ذمہ کسی کا کوئی قرض نہ ہو اگر قرض سر پر ہے تو قرض کی ادائیگی بھی "فرض عین" ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

الدین مقضی۔ (عہ)

ترجمہ: "قرض کی واپسی فرض ہے"۔

....

(عہ) :۔ رواہ الترمذی (المشکوٰۃ الرقاق فصل ۲)۔

روی الترمذی "لیس لابن آدم حق فی سوی هذه الخصال بیت یسکنه وثوب یواری عورته وجلف خبز والماء" (المشکوٰۃ الرقاق فصل ۲)

(عہ): وروی مسلم عن ابی عبدالرحمٰن الحبلی رحمہ اللہ قال سمعت

عبداللہ بن عمرو وسالہ رجل السنامن فقراء المهاجرین فقال له عبدالله الک امراة تاوی الیها قال نعم قال الک مسکن تسکنه قال نعم قال فانت من الاغنیا فقال فان لی خادما قال فانت من الملوک .... الحدیث (المشکوٰۃ الرقاق فضل الفقراء)

....

(ت) :۔ اور اس کے چکانے کے لئے وہی راستہ متعین ہے یعنی کسب کرنا۔

درجہ دوم اہل و عیال (بیوی بچوں) کیلئے کمانا

نیز اسی طرح اگر بیوی بچے بھی ہیں تو انکی ضروریات کیلئے کمانا بھی اس پر "فرض عین" ہے (ف) کیونکہ بیوی بچوں کا خرچ اٹھانا شرعا اس پر لازم ہے چنانچہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

اسکنوهن من حیث سکنتم من وجدکم
ولا تضاروهن لتضیقوا علیهن۔

(سورہ الطلاق۔)

ترجمہ: "تم ان عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو اور ان کو تنگ کرنے کے لئے تکلیف مت پہنچاؤ"۔

....

(ف) :۔ انفرادی معیشت میں اپنی اور اپنے اہل و عیال کی قوت

لایموت اور ساتر عورت لباس اور ضرورت رہائش کے مطابق مکان تمام حقوق سے مقدم اور فرض اولین ہے!

(اسلام کا اقتصادی نظام ص ۳۷)

بدائع الصنائع میں نفقات کی بحث میں یہ تصریح موجود ہے کہ جس شخص کے ذمہ کسی غریب اور صاحب حاجت کا معاشی تکفل ضروری قرار دیا جائے گا تو اس تکفل میں یہ چند چیزیں لازمی اور ضروری ہوں گی :

اور اس متکفل پر واجب ہے کہ وہ صاحب حاجت کے کھانے' پینے' لباس اور مکان کا تکفل کرے اور اگر حاجت مند شیر خوار بچہ ہے تو اس کے دودھ پلانے کا بھی' اس لئے کہ اس معاشی کفالت کا وجوب صاحب حاجت کی حاجت روائی کے لئے ہے اور حاجت روائی کے لئے یہ چیزیں ضروری اور لازمی ہیں اور اگر صاحب حاجت اپنی اہم ضرورت کی بنا پر کسی خادم کا محتاج ہے تو اس خادم کا نفقہ بھی متکفل کے ذمہ واجب ہے۔"

(بدائع الصنائع ۴/۳۸ بحوالہ اقتصادی نظام ص ۱۵۵)

....

(ت) :۔ بیوی کو اپنے مقدور اور حیثیت کے موافق اپنے گھر میں رکھنا اس کو بھی شامل ہے کہ اس کے کھانے کپڑے کا مناسب بندوبست کرے چنانچہ مصحف ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں یہ آیت اس طرح تھی :

"اسکنوھن من حیث سکنتم وانفقوا علیھن من وجدکم"۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وعلی المولود لہ رزقھن وکسوتھن بالمعروف۔

(البقرہ آیت ۲۳۳)

ترجمہ : "اور بچہ والے یعنی باپ پر ہے کھانا اور کپڑا ان عورتوں کا موافق دستور کے"۔

نیز ارشاد ہے :

لینفق ذو سعۃ من سعتہ ومن قدر علیہ رزقہ فلینفق مما آتاہ اللہ۔

(سورہ الطلاق نمبر ۷)

ترجمہ : "وسعت والے آدمی کو اپنی وسعت کے موافق بچہ پر خرچ کرنا چاہئے اور جس کی آمدنی کم ہو اس کو چاہئے کہ جتنا اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرے"۔

اور ان حقوق واجبہ کو پورا کرنے کے لئے تحصیل معاش کا سہارا لینا ایک لابدی اور ضروری امر ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :

کفٰی بالمرء اثما ان یضیع من یعول۔ (عہ)

ترجمہ : "آدمی کے گنہگار ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کو ضائع اور برباد کردے"۔

لہٰذا ایسے امور سے احتراز واجتناب لازمی ہے اور فرض ہے جس کے بروئے کار لانے سے کسی گناہ میں پڑنے کا اندیشہ ہو۔

نیز ارشاد نبویؐ ہے :

(ان لربک علیک حقا) ولنفسک علیک حقا (ولا هلک علیک حقا) فاعط کل ذی حق حقہ۔ (عہ)

ترجمہ : "بلاشبہ تمہارے پروردگار کا تم پر حق ہے اور تمہاری جان کا تم پر حق ہے اور تمہارے گھر والوں کا تم پر حق ہے ہر ایک کو اس کا حق ادا کیا کرو"۔

....

(عہ) :۔ متفق علیہ بلفظ خیر الصدقة ماکان عن ظهر غنی وابدا بمن تعول۔ (المشکوۃ، الزکوۃ، افضل الصدقة)

یشهد بما رواہ مسلم عن جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ "اعطی اللہ احدکم خیرا فلیبداء بنفسه واهل بیتہ" (المشکوۃ، النکاح، باب النفقات)

....

(عہ) :۔ رواہ البخاری واصحاب السنن بالفاظ مختلفة (حیاة الصحابہ ۲، ۲۹۳)

....

(ت) :۔ گھربال بچوں کے لئے کمانے کا درجہ اپنے لئے کمانے کے بعد کا ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "ثم بمن تعول"۔ (ف) یعنی پہلے اپنے حقوق پورے کرو (ف ۲) پھر جن کی کفالت

تم پر ہے۔)

(ف ۱) حضرت امام ابو بکر خلالؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام محمدؒ سے جب حدیث شریف "کفٰی بالمرء اثما ان یضیع من یقوت" کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ "آدمی کے بال بچے اور قرابت دار ہوتے ہیں وہ انہیں چھوڑ کر سفر اختیار کرلیتا ہے تو کیا انہیں اکیلا چھوڑ دینے سے وہ ضائع نہیں ہو جائیں گے حالانکہ وہی ان کا سب کچھ ہوتا ہے"۔

(الحث علی التجارۃ ص ۱۳۲)

آج کل جو لوگ اپنے بیوی بچوں نیز والدین کو اکیلا چھوڑ کر صرف کمانے کے لئے پردیس کی راہ لیتے ہیں انہیں اخص طور پر اس حدیث کو سمجھنے اور عمل کرنے کی ضرورت ہے کہ کمائی میں اتنا انہماک جس سے حقوق اللہ و حقوق العباد پامال ہونے لگیں ناجائز ہے۔ اور بعض تو اس قدر حد سے گزر جاتے ہیں کہ پردیس میں شادی بھی کرلیتے ہیں اور پہلی بیوی اور بچوں کو فراموش کرجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

....

(ف ۲) :۔ متفق علیہ بلفظ "من یقوت" بدل "من یعول" (المشکوۃ، الزکاۃ، افضل الصدقة)

....

(ت) :۔ اگر کوئی شخص اس کے بعد بھی مزید کماتا ہے تاکہ کچھ بچا کر

اپنے اور اپنے گھر والوں کے لئے رکھے تو اس کی بھی گنجائش ہے چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے اہل و عیال کے لئے ایک سال کی خوراک کا بندوبست فرمایا تھا۔ (عہ) حالانکہ ابتداء میں اس کی ممانعت فرمائی تھی جیسا کہ روایت میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "اے بلال رضی اللہ عنہ خرچ کئے جا اور عرش والے سے کمی کا اندیشہ مت کر"۔ (عہ)

اور حکم متاخر حکم سابق کے لئے ناسخ ہوتا ہے۔

(عہ) حدیث "ادخر لعیالہ قوت سنۃ" متفق علیہ عن حدیث عمر۔ "کان یعزل نفقۃ اھلہ سنۃ"۔ (المغنی ۱/۲۶۴)

(عہ) حدیث انفق بلالا ولا تخش من ذی العرش اقلالا۔ (رواہ البیہقی فی الشعب (مشکوۃ شریف باب الانفاق)۔

درجہ سوم : والدین کے لئے کمانا

اور اگر بوڑھے حاجت مند والدین بھی موجود ہوں تو ان کی ضروریات کے لئے بھی کمانا فرض ہے بشرطیکہ کمانے کی صلاحیت رکھتا ہو کیونکہ اپنی تنگ دستی کے باوجود حتی الوسع والدین کے خرچ کا بندوبست کرنا حقوق واجبہ میں سے ہے چنانچہ حضور ﷺ کے پاس ایک شخص جہاد فی سبیل اللہ کی نیت سے حاضر ہوا آپ نے اس سے دریافت فرمایا کیا تیرے والدین بقید حیات ہیں؟ اس نے عرض کیا ہاں، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "لوٹ جا اور جاکر انہی میں جہاد

کر"۔ (ب)

....

(ب) :۔ جاء رجل الی رسول اللہ ﷺ فاستاذنہ فی الجہاد فقال احی والداک؟ قال نعم قال ففیہما فجاہد۔ متفق علیہ۔ (المشکوۃ، الجہاد فصل ۱)

....

(ت) :۔ یعنی کما کر ان پر خرچ کر۔ چنانچہ ارشاد باری ہے :
"وصاحبہما فی الدنیا معروفا"۔

یہ ضرور ہے کہ دنیا کے حوائج اور معاملات میں (ان کے ضروری اخراجات اور خدمت وغیرہ) ان کے ساتھ خوبی کے ساتھ بسر کرو۔ (ف)

....

(ف) حقوق والدین :۔

"دنیا کے کاموں میں مثلاً ان کی جسمانی خدمت یا مالی اخراجات وغیرہ اس میں کمی نہ ہونے دو بلکہ دنیوی معاملات میں اس کے عام دستور کے مطابق معاملہ کرو۔"

(معارف القرآن ۷/۲۷)

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ رقم طراز ہیں :

خدا تو حقیقۃ بچہ کو وجود عطا فرماتا ہے، والدین اس کی ایجاد کا ظاہری ذریعہ ہیں اس لئے کئی آیتوں میں خدا تعالی

کے حقوق کے ساتھ والدین کے حقوق ذکر کیے گئے۔ حدیث شریف میں ہے کہ

"وہ شخص خاک میں مل گیا جس نے اپنے والدین کو پایا اور ان کی خدمت کرکے جنت حاصل نہ کی"۔

ایک اور حدیث میں فرمایا کہ

"جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے"۔

والدین کے ساتھ بھلائی کرنا یہ ہے کہ زندگی میں اکی جان ومال سے خدمت اور دل سے تعظیم ومحبت کرے مرنے کے بعد ان کا جنازہ پڑھے' ان کے لئے دعا واستغفار کرے' ان کے عہد تا مقدور بھر پورا کرے' ان کے دوستوں کے ساتھ تعظیم وحسن سلوک سے اور ان کے اقارب کے ساتھ صلہ رحمی سے پیش آئے وغیرذلک۔

(تفسیر عثانی سورہ اسراء)

علامہ بیہقیؒ نے شعب الایمان میں بروایت حضرت ابی بکرہ نقل کیا کہ:

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اور سب گناہ کی سزا تو اللہ تعالی جس کو چاہتے ہیں قیامت تک موخر کردیتے ہیں بجز والدین کی حق تلفی کے کہ اس کی سزا آخرت سے پہلے دنیا میں بھی دی جاتی ہے!"۔

والدین کی اطاعت کن چیزوں میں واجب اور کہاں مخالفت کی گنجائش ہے

اس پر علماء وفقہاء کا اتفاق ہے کہ والدین کی اطاعت صرف جائز کاموں میں واجب ہے ناجائز یا گناہ کے کام میں اطاعت واجب تو کیا جائز بھی نہیں۔ حدیث میں ہے:

لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق۔

ترجمہ: "خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز ہی نہیں"۔

"ففیهما فجاهد"۔ (انہی میں رہ کر جہاد کرو)۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب کوئی چیز فرض عین یا واجب علی العین نہ ہو کفایہ کے درجہ میں (کہ کسی ایک کے کرنے سے دوسرے پر سے ذمہ داری ہٹ جاتی) ہو تو اولاد کے لئے وہ کام بغیر ماں باپ کی اجازت کے جائز نہیں۔ اس میں مکمل علم دین حاصل کرنا اور تبلیغ کے لئے سفر کرنے کا حکم بھی شامل ہے بقدر فرض علم دین جس کو حاصل ہو وہ عالم بننے کے لئے سفر کرے یا لوگوں کو تبلیغ ودعوت کے لئے سفر کرے تو بغیر اجازت والدین کے جائز نہیں۔

(معارف القرآن ۵ر ۴۵۳)

والدین کے ادب کی رعایت خصوصاً بڑھاپے میں

والدین کی خدمت واطاعت والدین ہونے کی حیثیت سے کسی زمانے اور عمر کے ساتھ مقید نہیں ہر حال میں اور ہر عمر میں والدین کے

ساتھ اچھا سلوک واجب ہے۔......

والدین کے بڑھاپے کا زمانہ جب کہ وہ اولاد کی خدمت کے محتاج ہو جائیں ان کی زندگی اولاد کے رحم و کرم پر رہ جائے اولاد کی طرف سے ذرا سی بے رخی بھی محسوس ہو تو وہ ان کے دل کا زخم بن جاتی ہے، دوسری طرف بڑھاپے کے عوارض طبعی طور پر انسان کو چڑچڑا بنا دیتے ہیں کہ ان کا پورا کرنا مشکل ہوتا ہے۔ قرآن حکیم نے ان حالات میں والدین کی دل جوئی راحت رسانی کے احکام دینے کے ساتھ انسان کو اس کا زمانہ طفولیت یاد دلایا کہ کسی وقت تم بھی اپنے والدین کے اس سے زیادہ محتاج تھے جس قدر آج وہ تمہارے محتاج ہیں تو جس طرح انہوں نے اپنی راحت و خواہشات کو اس وقت تم پر قربان کیا اور تمہاری بے عقلی کی باتوں کو پیار کے ساتھ برداشت کیا اب جب کہ ان پر محتاجی کا یہ وقت آیا تو عقل و شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے اس سابق احسان کا بدلہ ادا کرو آیت "رب ارحمهما كما ربياني صغيرا"۔ میں "کما ربیانی صغیرا" سے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

آیت مذکورہ میں والدین کے بڑھاپے کی حالت کو پہنچنے کے وقت چند تاکیدی احکام دیئے گئے ہیں :

اول : یہ کہ ان کو اف بھی نہ کہو۔ لفظ "اف" سے مراد ہر ایسا کلمہ جس سے اپنی ناگواری کا اظہار ہو یہاں تک کہ ان کی بات سن کر اس طرح لمبا سانس لینا کہ جس سے ان پر ناگواری کا اظہار ہو وہ بھی اس کلمہ اف میں داخل ہے۔

ایک حدیث میں بروایت حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایذاء رسانی میں اف کہنے سے بھی کم کوئی درجہ ہوتا تو یقیناً وہ بھی ذکر کر دیا جاتا۔

حاصل یہ کہ جس چیز سے ماں باپ کو کم سے کم بھی اذیت پہنچے وہ بھی ممنوع ہے۔

دوم : ولا تنهرهما۔ لفظ نہر کے معنی جھڑکنا اور ڈانٹنا اور اس کا سبب ایذاء ہونا ظاہر ہے۔!

سوم : وقل لهما قولا كريما۔ پہلے دو حکم منفی پہلو سے تعلق رکھتے تھے جن میں والدین کے ادنی سے ادنی بار خاطر کو رد کیا گیا ہے اس تیسرے حکم میں مثبت انداز سے والدین کے ساتھ گفتگو کا ادب سکھلایا گیا ہے کہ ان سے محبت و شفقت کے نرم لہجے میں بات کی جائے۔

حضرت سعید بن مسیبؒ نے فرمایا۔ جس طرح کوئی غلام اپنے سخت مزاج آقا سے بات کرتا ہے۔

چہارم : واخفض لهما جناح الذل من الرحمة جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کے سامنے اپنے آپ کو عاجز و ذلیل آدمی کی صورت میں پیش کرے جیسے غلام آقا کے سامنے، جناح کے معنی بازو کے ہیں لفظی معنی "والدین کے لئے اپنے بازو عاجزی اور ذلت کے ساتھ جھکائے۔

آخر میں "من الرحمة" سے ایک تو اس پر متنبہ کیا کہ والدین کے ساتھ یہ معاملہ محض دکھاوے کا نہ ہو بلکہ قلبی رحمت و عزت کی بنیاد پر ہو دوسرے شاید اس طرف بھی اشارہ ہے کہ والدین کے سامنے ذلت کے ساتھ پیش آنا عزت کا مقدمہ ہے کیونکہ یہ واقعی ذلت نہیں بلکہ اس کا سبب شفقت و رحمت ہے۔

پنجم : "وقل رب ارحمهما" ہے کہ والدین کی پوری راحت رسانی تو انسان کے بس کی بات نہیں اپنی مقدور بھر راحت رسانی کی فکر کے ساتھ ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے بھی دعا کرتا رہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کی سب مشکلات کو آسان اور تکلیفوں کو دور فرمائے۔ یہ آخری حکم ایسا وسیع ہے کہ والدین کی وفات کے بعد بھی جاری ہے جس کے ذریعہ وہ ہمیشہ والدین کی خدمت کر سکتا ہے۔

ایک عجیب واقعہ

علامہ قرطبیؒ نے اپنی اسناد سے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ :

"ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی کہ میرے باپ نے میرا مال لے لیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے والد کو بلاؤ اسی وقت جبرئیل امین علیہ السلام تشریف لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا جب اس کا باپ آئے تو اس سے پوچھیں کہ وہ کلمات کیا ہیں جو اس نے دل میں کہے ہیں خود اس کے کانوں نے بھی ان کو نہیں سنا۔ جب یہ شخص والد کو لے کر پہنچا تو آپؐ نے والد سے کہا کیا بات ہے آپ کا بیٹا آپ کی شکایت کرتا ہے کیا آپ چاہتے ہیں اس کا مال چھین لیں۔ والد نے عرض کیا آپ اسی سے یہ سوال فرمائیں کہ میں اس کی پھوپھی خالہ یا اپنے نفس کے سوا کہاں خرچ کرتا ہوں۔ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایہ" (جس کا مطلب یہ تھا کہ بس حقیقت معلوم ہوگئی اب اور کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں) اس کے بعد اس کے والد سے دریافت فرمایا کہ وہ کلمات کیا ہیں جن کو ابھی تک خود تمہارے کانوں نے بھی نہیں سنا اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ آپ پر ہمارا ایمان ویقین بڑھا دیتے ہیں (جو بات کسی نے نہیں سنی اس کی آپ کو اطلاع ہوگئی جو ایک معجزہ ہے) پھر اس نے عرض کیا یہ ایک حقیقت ہے کہ میں نے چند اشعار دل میں کہے تھے جن کو میرے کانوں نے بھی نہیں سنا، آپ نے فرمایا وہ ہمیں سناؤ۔ اس وقت اس نے یہ اشعار سنائے :

غذوتک مولودا ومنتک یافعا
تعل بما اجنی علیک وتنهل

ترجمہ نمبر۱ : "میں نے تجھے بچپن میں غذا دی اور جوان ہونے کے بعد بھی تمہاری ذمہ داری اٹھائی تمہارا سب کھانا پینا میری ہی کمائی سے تھا۔"

اذا لیلة ضافتک بالسقم لم ابت
لسقمک الا ساهرا اتململ

ترجمہ نمبر۲ : "جب کسی رات تمہیں کوئی بیماری پیش آگئی تو میں نے تمام رات تمہاری بیماری کی وجہ سے بیداری اور بیقراری میں گزاری"۔

کانی انا المطروق دونک بالذی
طرقت به دونی فعینی تهمل

ترجمہ نمبر۳ : "گویا کہ تمہاری بیماری مجھے لگی ہے تمہیں نہیں جس کی وجہ سے تمام شب روتا رہا"۔

خاف الردیٰ نفسی علیک وانها
لتعلم ان الموت وقت موجل

ترجمہ نمبر۴ : "میرا دل تمہاری ہلاکت سے ڈرتا رہا حالانکہ میں جانتا تھا موت کا ایک دن مقرر ہے پہلے پیچھے نہیں ہو سکتی"۔

فلما بلغت السن والغاية التی
اليها مدی ماکنت فيک اومل

ترجمہ نمبر۵ : "پھر جب تم اس عمر اور اس حد تک پہنچ گئے جس کی میں تمنا کیا کرتا تھا"۔

جعلت جزائی غلظة وفظاظة
کانک انت المنعم المتفضل

ترجمہ : "تو تم نے میرا بدلہ سختی اور سخت کلامی بنا دیا گویا تمہی مجھ پر احسان واکرام کر رہے ہو"۔

فلیتک اذا لم ترع حق ابوتی
فعلت کما الجار المصاقب یفعل

ترجمہ : "کاش اگر تم سے میرے باپ ہونے کا حق ادا نہیں ہو سکتا تو کم از کم ایسا ہی کر لیتے جیسے ایک شریف پڑوسی کیا کرتا ہے"۔

فاولیتنی حق الجواد ولم تکن
علی بمال دون مالک تبخل

ترجمہ : "تو کم از کم مجھے پڑوسی کا حق تو دیا ہوتا اور خود میرے ہی مال میں میرے حق میں بخل سے کام نہ لیا ہوتا"۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ اشعار سننے کے بعد بیٹے کا گریبان پکڑ لیا اور فرمایا "انت ومالک لابیک" یعنی جا تو بھی اور تیرا مال بھی سب باپ کا ہے۔

(معارف القرآن ۵،۴۵۵)

نیز قرآن پاک میں دو جگہ "وبالوالدین احسانا" آیا ہے جس کے متعلق مفتی شفیع صاحب" تحریر فرماتے ہیں :

"ان آیتوں میں والدین کے معاملہ میں یہ نہیں فرمایا کہ ان کے حقوق ادا کرو یا ان کی خدمت کرو بلکہ لفظ "احسان" لایا گیا جس کے عام مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ حسب ضرورت ان کے نفقہ میں اپنا مال بھی خرچ کریں اور یہ بھی داخل ہے کہ جیسی ضرورت ہو اس کے مطابق جسمانی خدمت انجام دیں۔ یہ بھی داخل ہے کہ ان کے ساتھ گفتگو میں سخت آواز سے یا بہت زور سے نہ بولیں جس سے ان کی بے ادبی ہو۔ کوئی کلمہ نہ کہیں جس سے ان کی دل شکنی ہو ان کے دوستوں اور تعلق والوں سے بھی ایسا سلوک نہ کریں جس سے والدین کی دل آزاری ہو بلکہ ان کو آرام

پہنچانے اور خوش رکھنے کے لئے جو صورتیں اختیار کرنی پڑیں وہ سب کریں یہاں تک کہ اگر ماں باپ نے اولاد کے حقوق میں کوتاہی بھی کی جب بھی اولاد کیلئے بدسلوکی کا موقع نہیں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس وصیتیں فرمائی تھیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اگرچہ تمہیں قتل کردیا جائے یا آگ میں جلادیا جائے، دوسرے یہ کہ اپنے والدین کی نافرمانی یا دل آزاری نہ کرو اگرچہ یہ حکم دیں کہ تم اپنے اہل وعیال اور مال کو چھوڑ دو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں جس طرح والدین کی اطاعت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکیدات وارد ہیں اسی طرح بے انتہاء فضائل اور درجات ثواب بھی مذکور ہیں۔"

(معارف القرآن ص ۲/۴۰۹)

صاحب مظاہر حق نے لکھا ہے کہ ماں باپ کے حقوق میں ہے کہ ایسی تواضع اور تملق کرے اور ادائے خدمت کرے کہ وہ راضی ہوجائیں جائز کاموں میں ان کی اطاعت کرے بے ادبی نہ کرے تکبر سے پیش نہ آئے اگرچہ وہ کافر ہی ہوں اپنی آواز کو ان کی آواز سے بلند نہ کرے ان کو نام لے کر نہ پکارے کسی کام میں ان سے پہل نہ کرے، امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں نرمی کرے، ایک بار کہے اگر

وہ قبول نہ کریں تو خود سلوک کرتا رہے اور ان کے لئے دعا واستغفار کرتا رہے اور یہ بات قرآن پاک سے نکالی ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اپنے باپ کو نصیحت کرنے سے۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ نصیحت کرنے کے بعد کہہ دیا تھا کہ اچھا اب میں تمہارے لئے دعا کرتا ہوں جیسا کہ سورہ مریم کے تیسرے رکوع میں آیا ہے۔ حتی کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ ان کی اطاعت حرام میں ناجائز ہے لیکن مشتبہ امور میں واجب ہے اس لئے کہ مشتبہ امور سے احتیاط تقویٰ اور ان کی رضا جوئی واجب ہے پس اگر ان کا مال مشتبہ ہو اور وہ تیرے علیحدہ کھانے سے مکدر ہو تو ان کے ساتھ کھانا چاہئے۔

(فضائل صدقات ص ۱۹۹)

(ت) :۔ اور انسان کا کمانے کی صلاحیت ہونے کے باوجود والدین کی خبر گیری نہ کرنا اور انہیں بھوکا پیاسا چھوڑ دینا ان کے ساتھ حسن سلوک اور مصاحبت بالمعروف نہیں (بلکہ انتہائی نالائقیت اور احسان فراموشی ہے!) مگر اس کی فرضیت کا درجہ ذاتی ضروریات واہل وعیال کی ضروریات کے لئے کمانے سے کم ہے جیسا کہ روایت میں ہے۔ (ع) کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ "میرے پاس چند دینار ہیں"۔ آپؐ نے فرمایا اسے اپنی ذات پر خرچ کرلو اس نے عرض کیا میرے پاس اور بھی ہیں' آپ نے فرمایا اسے اپنے اہل وعیال پر خرچ کرو اس نے عرض کیا میرے پاس مزید ہیں آپ نے فرمایا اسے اپنے والدین پر خرچ کرو۔(ف)

....

(ع) :۔ جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال عندی دینار فقال انفقہ علی نفسک قال عندی آخر قال انفقہ علی ولدک قال عندی آخر قال انفقہ علی اھلک قال عندی آخر قال انفقہ علی خادمک قال عندی آخر قال انت اعلم۔ رواہ ابو دائود والنسائی (المشکوۃ، الزکاۃ، باب افضل الصدقۃ فصل ۲)

....

(ف) :۔ والدین پر خرچ کرنے سے متعلق ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے خدمت والا میں آکر عرض کیا کہ میرے پاس مال ہے اور میرے

والد کو میرے مال کی ضرورت ہے تو آپؐ نے فرمایا :

انت ومالک لابیک ان اولادکم من اطیب کسبکم کلوا من کسب اولادکم

(رواہ ابو داؤد وابن ماجہ (مشکوۃ شریف، باب النفقات)

ترجمہ : "یعنی تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے اور تمہاری اولاد تمہاری بہترین کمائی سے ہیں اپنی اولاد کی کمائی سے کھاؤ۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ (مشکوۃ شریف، باب النفقات)

....

(ت) درجہ چہارم والدین کے سوا دیگر قریبی رشتہ داروں کیلئے کمانا :۔

رہ گئے وہ رشتہ دار جن سے صلہ رحمی (ف) کا تعلق ہے تو ان کے لئے کمانا فرض نہیں کیونکہ ان کے اخراجات کی ذمہ داری صرف اس صورت میں انسان پر عائد ہوتی ہے جب کہ وہ مالدار اور خوشحال ہو ہاں یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے کما کر لانا درجہ استحباب میں ہے جس کی ترغیب آئی ہے چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

لاخیر فیمن لا یحب المال لیصل بہ رحمہ ویکرم بہ ضیفہ ویبر بہ صدیقہ (عہ)

ترجمہ : "اس شخص میں کوئی بھلائی نہیں جو مال کو ناپسند کرتا

ہے تاکہ مال سے وہ اپنے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرتا اور مہمان کی خاطر مدارت کرتا اور ہم جولی کے ساتھ نیکی کرتا"۔

نیز آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی :

ارغب لک رغبة من المال .... الی ان قال
..... نعم المال الصالح للرجل الصالح (عه)
(یصل به رحمه)

ترجمہ : "تم مال سے بھی کچھ لگاؤ رکھو ..... نیز یہ بھی ارشاد فرمایا حلال اور پاکیزہ مال نیک آدمی کے لئے بڑی عمدہ شے ہے کہ جس سے آدمی صلہ رحمی کرتا ہے"۔

....

(ف) :۔ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے :

وآت ذا القربیٰ حقه

ترجمہ : "اور دے قرابت والے کو اس کا حق"۔

اس آیت میں عام رشتہ داروں کے حقوق کا بیان ہے کہ ہر رشتہ دار کا حق ادا کیا جائے جو کم سے کم ان سے حسن معاشرت اور عمدہ سلوک ہے اور اگر وہ حاجت مند ہوں تو ان کی مالی امداد بھی اپنی وسعت کے مطابق اس میں داخل ہے۔ اس آیت سے اتنی بات ثابت ہو گئی کہ ہر شخص پر اس کے عام رشتہ داروں اور عزیزوں کا حق ہے وہ کیا اور کتنا ہے اس کی تفصیل مذکور نہیں مگر عام صلہ رحمی اور حسن معاشرت کا اس

میں داخل ہونا واضح ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس فرمان کے تحت جو رشتہ دار ذی رحم محرم ہوں اگر وہ عورت یا بچہ ہے جن کے پاس اپنے گزارہ کا سامان نہیں اور کمانے پر بھی قدرت نہیں اسی طرح جو رشتہ دار اپاہج یا اندھا ہو اور اس کی ملک میں اتنا مال نہیں جس سے اس کا گزارہ ہو سکے تو ان کے جن رشتہ داروں میں اتنی وسعت ہے کہ وہ انکی مدد کر سکتے ہیں ان پر ان سب کا نفقہ فرض ہے۔ اگر ایک ہی درجہ کے کئی رشتہ دار صاحب وسعت ہوں تو ان سب پر تقسیم کر کے ان کا گزارہ نفقہ دیا جائے گا۔ سورہ بقرہ کی آیت "وعلی الوارث مثل ذالک"۔ سے یہ حکم بھی ثابت ہے۔ (تفسیر مظہری)

اس آیت میں اہل قرابت اور مسکین مسافر کو مالی مدد دینے اور صلہ رحمی کرنے کو ان کا حق فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ دینے والوں کو ان پر احسان جتانے کا کوئی حق نہیں کیونکہ ان کا اس کے ذمہ فرض ہے دینے والا اپنا فرض ادا کر رہا ہے کسی پر احسان نہیں کر رہا ہے۔ (معارف القرآن ۵ر۴۵۸)

حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :

واتقوا الله الذی تساءلون به والارحام

ترجمہ : "یعنی تم خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس کے نام سے ایک دوسرے سے حقوق کا مطالبہ کیا کرتے ہو اور قرابت کے حقوق ضائع کرنے سے بھی ڈرو"۔

یہ حقوق تمام تعلقات قرابت کی نگہداشت پر حاوی و شامل ہے۔

صلہ رحمی کے معنی اور اس کے فضائل

لفظ "ارحام" رحم کی جمع ہے رحم بچہ دانی کو کہتے ہیں جس میں ولادت سے قبل ماں کے پیٹ میں بچہ رہتا ہے۔ چونکہ ذریعہ قرابت یہ رحم ہی ہے اس لئے اس سلسلہ کے تعلقات وابستہ رکھنے کو صلہ رحمی اور رشتہ داری کی بنیاد پر جو فطری طور پر تعلقات پیدا ہوگئے ان کی طرف سے بے توجہی وبے التفاتی کو قطع رحمی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (معارف القرآن)

احادیث شریفہ میں صلہ رحمی پر بہت زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

من احب ان یبسط له فی رزقه وینساله فی اثره فلیصل رحمه

ترجمہ: "جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں وسعت کی جائے اور اس کے نشانات قدم میں تاخیر کی جائے اس کو چاہئے کہ صلہ رحمی کرے"۔

(ف): نشانات قدم میں تاخیر کئے جانے سے عمر کی درازی مراد لی جاتی ہے۔ اس لئے کہ جس شخص کی جتنی عمر زیادہ ہوگی اتنے ہی زمانہ تک اس کے چلنے سے نشانات قدم زمین پر پڑیں گے۔ اور جو مرگیا اس کے پاؤں کا نشان زمین سے مٹ گیا۔

اس پر یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ عمر ہر شخص کی متعین ہے قرآن پاک میں کئی جگہ یہ مضمون صراحت سے مذکور ہے کہ ہر شخص کا ایک

مقررہ وقت ہے جس میں ایک ساعت کی نہ تو تقدیم ہوسکتی ہے نہ تاخیر ہوسکتی ہے اس وجہ سے درازی عمر کو بعض علماء نے وسعت رزق کی طرح سے برکت پر محمول فرمایا ہے کہ اس کے اوقات میں اس قدر برکت ہوتی ہے کہ جو کام دوسرے لوگ دنوں میں کرتے ہیں وہ گھنٹوں میں کرلیتا ہے اور جس کام کو لوگ مہینوں میں کرتے ہیں وہ دنوں میں کرگزرتا ہے اور بعض علماء نے درازی عمر سے اس کا ذکر خیر مراد لیا ہے کہ بہت دنوں تک اس کے کارناموں کے نشانات اور ذکر خیر اس کا جاری رہتا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس کی اولاد میں زیادتی ہوتی ہے جس کا سلسلہ اس کے مرنے کے بعد دیر تک رہتا ہے اور یہی وجوہ اس کی ہوسکتی ہیں جب نبی کریم ﷺ نے جنکا قول سچا ہے ارشاد برحق ہے اس کی اطلاع دی ہے تو صورت اس کی جو بھی ہو اس کا حاصل ہونا یقینی ہے اور اللہ جل شانہ کی پاک ذات قادر مطلق اور مسبب الاسباب ہے اس کو اسباب پیدا کرنا کیا مشکل ہے وہ ہر چیز کا جس کو وہ کرنا چاہے ایسا سبب پیدا کردیتا ہے کہ عقل کی عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں اس لئے اس میں نہ کوئی اشکال ہے نہ کوئی مانع۔

مقدرات کا مسئلہ اپنی جگہ پر اٹل ہے لیکن اس دنیا کو اللہ جل شانہ نے دارالاسباب بنایا ہے اور ہر چیز کے لئے ظاہری یا باطنی سبب پیدا کیا ہے۔ اگر ہیضہ کے بیمار کے لئے حکیم، ڈاکٹر وغیرہ کے لئے ایک ایک منٹ میں آدمی دوڑ سکتا ہے کہ شاید اس دوا سے فائدہ ہو اس دوا سے فائدہ ہو کیوں؟ تاکہ عمر باقی رہے حالانکہ وہ ایک مقررہ متعینہ چیز ہے پھر کوئی وجہ نہیں کہ بقائے عمر کے لئے اس سے زیادہ جدوجہد صلہ رحمی

میں نہ کی جائے اس لئے کہ اس کا بقاء اور طول عمر کیلئے سبب ہونا یقینی ہے اور ایسے حکیم کا ارشاد ہے جس کے نسخہ میں کبھی غلطی نہیں ہوئی۔ ان معمولی حکیم ڈاکٹروں کے نسخوں اور تشخیص میں غلطیوں کے سینکڑوں احتمالات ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کا یہ پاک ارشاد جو اوپر گزرا مختلف احادیث میں مختلف عنوانات سے وارد ہوا ہے اس لئے اس میں تردد نہیں۔

ایک حدیث میں حضرت علیؓ سے نقل کیا گیا کہ جو شخص ایک بات کا ذمہ لے لے میں اس کے لئے چار باتوں کا ذمہ لیتا ہوں۔ جو شخص صلہ رحمی کرے اس کی عمر دراز ہوتی ہے۔ اعزہ اس سے محبت کرتے ہیں رزق میں اس کے وسعت ہوتی ہے اور جنت میں داخل ہوتا ہے۔

حضور اقدس ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا تین باتیں بالکل حق (اور پکی ہیں)

۱۔ جس شخص پر ظلم کیا جائے اور وہ چشم پوشی کرے اس کی عزت بڑھتی ہے۔

۲۔ جو شخص مال کی زیادتی کیلئے سوال کرے اس کے مال میں کمی ہوتی ہے۔

۳۔ جو شخص عطا اور صلہ رحمی کا دروازہ کھول دے اس کے مال میں کثرت ہوتی ہے۔

فقیہ ابو اللیثؒ فرماتے ہیں کہ صلہ رحمی میں دس چیزیں قابل مدح ہیں۔ اول یہ کہ اس میں اللہ جل شانہ عم نوالہ کی رضا و خوشنودی ہے کہ اللہ پاک کا حکم صلہ رحمی کا ہے۔

دوسرے رشتہ داروں پر مسرت پیدا کرنا اور حضورؐ کا پاک ارشاد ہے کہ افضل ترین عمل مومن کو خوش کرنا ہے۔

تیسرے اس سے فرشتوں کو بھی مسرت ہوتی ہے۔

چوتھے مسلمانوں کی طرف سے اس شخص کی مدح اور تعریف ہوتی ہے۔

پانچویں شیطان علیہ اللعنہ کو اس سے بڑا رنج و غم ہوتا ہے۔

چھٹے اس کی وجہ سے عمر میں زیادتی ہوتی ہے۔

ساتویں رزق میں برکت ہوتی ہے۔

آٹھویں مردوں کو اس سے مسرت ہوتی ہے کہ باپ دادا جن کا انتقال ہوگیا ان کو جب اس کی خبر ہوتی ہے تو ان کو بڑی خوشی ہوتی ہے۔

نویں آپس کے تعلقات میں اس سے قوت پیدا ہوتی ہے جب تم کسی کی مدد کرو گے اس پر احسان کرو گے تمہاری ضرورت اور مشقت کے وقت وہ دل سے تمہاری اعانت کرنے کا خواہش مند ہوگا۔

دسویں مرنے کے بعد تمہیں ثواب ملتا رہے گا کہ جس کی بھی تم مدد کرو گے تمہارے مرنے کے بعد وہ ہمیشہ تمہیں یاد کرکے دعائے خیر کرتا رہے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن رحمٰن کے عرش کے سایہ میں تین قسم کے آدمی ہوں گے ایک صلہ رحمی کرنے والا کہ اس کے لئے دنیا میں بھی اس کی عمر بھی بڑھائی جاتی ہے رزق میں بھی وسعت کی جاتی ہے اور اس کی قبر میں بھی وسعت کردی جاتی ہے۔

دوسرے وہ عورت جس کا خاوند مرگیا ہو اور وہ چھوٹی اولاد کی

پرورش کی خاطر ان کے جوان ہونے تک نکاح نہ کرے تاکہ ان کی پرورش میں مشکلات پیدا نہ ہوں۔

تیسرے وہ شخص جو کھانا تیار کرے اور یتامی ومساکین کی دعوت کرے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ دو قدم اللہ کے ہاں بہت محبوب ہیں ایک وہ قدم جو فرض نماز ادا کرنے کے لئے اٹھا ہو۔ دوسرا وہ قدم جو کسی محروم کی ملاقات کے لئے اٹھا ہو۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جن پر دوام اور استقلال سے اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسی نیکیاں ملتی ہیں جیسے کہ اونچے اونچے پہاڑ اور ان کی وجہ سے رزق میں بھی وسعت ہوتی ہے ایک صدقہ کی مداومت تھوڑا ہو یا زیادہ۔ دوسرے صلہ رحمی پر مداومت ہونی چاہئے قلیل ہو یا کثیر۔ تیسرے اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا چوتھے ہمیشہ باوضو رہنا' پانچویں والدین کی فرمانبرداری پر مداومت کرنا۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس عمل کا ثواب اور بدلہ سب سے جلدی ملتا ہے وہ صلہ رحمی ہے۔ بعض آدمی گنہگار ہوتے ہیں لیکن صلہ رحمی کی وجہ سے ان کے مالوں میں بھی برکت ہوتی ہے اور ان کی اولاد میں بھی۔

ایک حدیث میں ہے کہ صدقہ طریقہ کے موافق کرنا اور معروف (بھلائی) کا اختیار کرنا' والدین کے ساتھ احسان کرنا اور صلہ رحمی آدمی کو بدبختی سے نیک بختی کی طرف پھیر دیتا ہے عمر میں زیادتی کا سبب ہے

اور بری موت سے حفاظت۔

عمر میں اور رزق میں زیادتی جتنی کثرت سے روایات میں ذکر کی گئی ہے اس کا نمونہ معلوم ہوگیا اور یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں جن پر ہر شخص مرتا ہے اور دنیا کی ساری کوشش انہی دو چیزوں کی خاطر ہیں۔ حضورؐ نے ان دونوں کے لئے بہت سہل تدبیر بتادی کہ صلہ رحمی کیا کرے دونوں تمنائیں حاصل ہوں گی۔

اگر حضورؐ کے ارشاد کے برحق ہونے پر یقین ہے تو پھر عمر اور رزق کی زیادتی کے خواہش مندوں کو اس نسخہ پر زیادہ سے زیادہ عمل کرنا چاہئے۔ اور جو میسر ہو اقرباء پر خرچ کرنا چاہئے۔ کہ رزق میں زیادتی کے وعدہ سے اس کا بدل بھی ملے اور عمر میں اضافہ مفت میں! (فضائل صدقات ص ۲۰۳)

نیز ایک حدیث میں ہے کہ "وہ شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں جو برابر سرابر کا معاملہ کرنے والا ہو' صلہ رحمی کرنے والا تو وہ ہے جو دوسرے کے توڑنے پر صلہ رحمی کرے"۔

(ف) : بالکل ظاہر اور بدیہی بات ہے جب ہر بات میں یہ دیکھ رہے ہیں کہ جیسا برتاؤ دوسرا کرے گا ویسا ہی میں بھی کروں گا تو آپ نے کیا صلہ رحمی کیا؟ یہ بات تو ہر اجنبی کے ساتھ بھی ہوتی کہ جب دوسرا شخص آپ پر احسان کرے گا تو آپ خود اس پر احسان کرنے میں مجبور ہیں' صلہ رحمی تو در حقیقت یہی ہے کہ اگر دوسرے کی طرف سے بے التفاتی بے نیازی قطع تعلق ہو تو تم اس کے جوڑنے کی فکر میں رہو اسکو مت دیکھو کہ وہ کیا برتاؤ کرتا ہے اس کو ہر وقت سوچو کہ میرے ذمہ کیا حق ہے مجھے کیا

کرنا چاہیے۔ دوسرے کے حقوق ادا کرتے رہو۔ ایسا نہ ہو کہ اس کا کوئی حق اپنے ذمہ رہ جائے جس کا قیامت میں اپنے سے مطالبہ ہو جائے اور اپنے حقوق کے پورا ہونے کا واہمہ بھی دل میں نہ لو۔ بلکہ اگر وہ پورے نہیں ہوتے تو اور بھی زیادہ مسرور ہو کہ دوسرے عالم میں جو اجر و ثواب اس کا ملے گا وہ اس سے بہت زیادہ ہو گا جو یہاں دوسرے کے ادا کرنے سے وصول ہوتا۔

(فضائل صدقات ص۲۱۶)

....

(ت) :۔ اور قطع رحمی (یعنی رشتہ داروں سے جوڑ نہ رکھنا) حرام ہے۔ جیسا کہ احادیث میں کثرت سے وارد ہوا ہے چنانچہ حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے :

ثلاث معلقات بالعرش النعمة والامانة والرحم تقول النعمة كفرت ولم اشكر وتقول الامانة خزنت ولم اود وتقول الرحم قطعت ولم اوصل۔ (عه)

ترجمہ : "تین چیزیں عرش بریں سے لٹکی ہوں گی نعمت، امانت، رحم۔ نعمت کا گلہ ہو گا میری ناشکری ہوئی اور شکر سے محروم رہی امانت کا شکوہ ہو گا مجھے دفن کر دیا گیا میں حق دار کے پاس جانے سے روکی گئی اور رحم کی فریاد ہو گی مجھے کاٹا اور توڑا گیا جوڑا نہ گیا"۔

نیز ایک حدیث میں ہے :

صلة (عه) الرحم تزيد فى العمر وقطيعة الرحم ترفع البركة عن العمر۔

ترجمہ : "یعنی صلہ رحمی عمر میں برکت کا سبب ہے اور قطع رحمی عمر سے برکت کے اٹھ جانے کا سبب ہے۔"

نیز حدیث قدسی میں حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے :

انا الرحمٰن وهى الرحم مشتقت لها اسما من اسمى فمن وصلها وصلته ومن قطعها بتته۔ (عه)

(عه) رواہ ابو داؤد (مشکوۃ شریف کتاب الادابہ باب البر والصلہ)

ترجمہ : "رحمٰن میری ذات پاک ہے اور یہ رحم ہے اس کا نام میں نے اپنے ہی نام سے نکالا ہے جو اسے جوڑے رکھے گا میں اس سے تعلق رکھوں گا اور جو اسے کاٹے گا میں بھی اسے کاٹ دوں گا۔"

اور ظاہر ہے کہ ذی رحم محرم کی خبر گیری نہ کرنا اور ان پر خرچ نہ کرنا قطع رحمی کا پیش خیمہ ہے لہٰذا اس کار خیر کے لئے کمانا مستحب ہوا۔

....

(ف) قطع رحمی کے نتائج :۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں :

"جیسا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے قرآن پاک میں کئی جگہ صلہ رحمی بالخصوص والدین کے حقوق کی رعایت کا حکم

اور ترغیب فرمائی جیسا کہ اوپر گزرا اسی طرح بہت سی جگہ اپنے کلام پاک میں قطع رحمی بالخصوص والدین کے ساتھ بدسلوکی پر تنبیہ فرمائی۔ دوستو! غور کرو اللہ تعالیٰ کے پاک کلام میں جب بار بار اس پر تنبیہ ہے تو اس کو سوچو اور عبرت حاصل کرو اللہ پاک کا ارشاد ہے:

واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام۔

(النساء ع۔۱)

ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق۔

(بنی اسرائیل ع ۴)

والذی قال لوالدیہ اف لکما۔

(الاحقاف ع ۳)

ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم۔

(سورہ محمد ع ۳)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص قرابت کے تعلقات کو توڑنے والا ہو اس سے میل جول پیدا نہ کیجیو کہ میں نے قرآن پاک میں دو جگہ ان لوگوں پر لعنت پائی ہے ایک آیت "والذین ینقضون عھد اللہ من بعد میثاقہ ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل۔ (رعد ع۳) .... دوسری سورہ محمد میں ....

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس وقت قول ظاہر ہو جائے اور عمل خزانے میں چلا جائے یعنی تقریریں تو بہت ہونے لگیں مضامین بہت کثرت سے لکھے جائیں

لیکن عمل ندارد ہو جائے گویا مقفل رکھا ہوا ہے اور زبانی اتفاق تو آپس میں ہو جائے لیکن قلوب مختلف ہوں اور رشتہ دار آپس کے تعلقات توڑنے لگیں اس وقت میں اللہ جل شانہ ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیتے ہیں اور اندھا بہرا کر دیتے ہیں۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا کہ جب لوگ علوم کو ظاہر کریں اور عمل کو ضائع کر دیں اور زبانوں سے محبت ظاہر کریں اور دلوں میں بغض رکھیں اور قطع رحمی کرنے لگیں تو اللہ جل شانہ اس وقت ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیتے ہیں کہ اور اندھا بہرا کر دیتے ہیں پھر نہ سیدھا راستہ ان کو نظر آتا ہے نہ حق بات ان کے کانوں میں پہنچتی ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جنت کی خوشبو اتنی دور تک جاتی ہے کہ وہ راستہ پانچ سو برس میں طے ہو۔ والدین کی نافرمانی کرنے والا اور قطع رحمی کرنے والا جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔ ....

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کوئی نیکی جس کا ثواب بہت جلد ملتا ہو صلہ رحمی سے بڑھ کر نہیں ہے۔

متعدد روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ قطع رحمی کا وبال آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی پہنچتا اور آخرت میں برے ٹھکانے کا تو خود آیت شریفہ اولئک لھم اللعنۃ ولھم سوء الدار"۔ ہی میں ذکر ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ اس قوم پر رحمت نازل نہیں ہوتی جس میں کوئی قطع رحمی کرنے والا ہو۔

ایک حدیث میں ہے کہ ہر پنج شنبہ کو اللہ جل شانہ کے یہاں اعمال

پیش ہوتے ہیں قطع رحمی کرنے والے کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا.....

ان کے علاوہ بہت سی روایات سے یہ مضمون معلوم ہوتا ہے اور دنیا کے واقعات بہت کثرت سے اس کی شہادت دیتے ہیں کہ قطع رحمی کرنے والا دنیا میں بھی ایسے مصائب میں پھنستا ہے کہ پھر روتا ہی پھرتا ہے اور اپنی حماقت اور جہالت سے اس کو یہ خبر بھی نہیں ہوتی کہ اتنے اس گناہ سے توبہ نہ کرے اس کی تلافی نہ کرے اس کا بدل نہ کرے اتنے اس آفت اور اس عذاب سے جس میں مبتلا ہے خلاصی نہ ہوگی چاہے لاکھ تدبیریں کرلے۔ اور اگر کسی دنیاوی آفت میں مبتلا ہوجائے تو اس سے بہت ہلکی ہے کہ کسی بد دینی میں خدا نہ کرے کہ مبتلا ہوجائے کہ اس صورت میں اس کو پتہ بھی نہ چلے گا کہ توبہ ہی کرلے۔ حق تعالیٰ شانہ ہی اپنے فضل سے محفوظ فرمائے۔ (اقتباسات از فضائل صدقات حصہ اول)

اخراجات واجبہ کی قسمیں

اول اپنے اوپر اور اپنے ان اقارب پر خرچ کرنا جن کا نفقہ اپنے ذمہ واجب ہے۔

دوسرے زکوٰۃ۔

تیسرے جس وقت مسلمانوں پر کفار کا ہجوم ہو کہ وہ ان کے جان ومال کو ہلاک کرنا چاہتے ہوں تو اس وقت سب مالداروں پر حسب ضرورت خرچ کرنا واجب ہے جس سے مدافعت کرنے والوں کی مدد ہو کہ یہ دراصل اپنی ہی جان ومال کی حفاظت میں خرچ ہے۔

چوتھے مضطر پر خرچ کرنا ہے جس سے اس کی جان کا خطرہ زائل ہوجائے یہ سب اخراجات واجبہ ہیں۔ (فضائل صدقات ص۱۳۶)

....

(ت) درجہ پنجم (ضرورت سے فاضل کمائی) :-

رہا مذکورہ بالا حقوق ادا کرنے کے علاوہ مزید کمانا تو یہ کسی آدمی کی اپنی صوابدید پر ہے اور اس میں وہ با اختیار.... کمائے اور مزید مال جمع کرے یا (عبادت کیلئے) اس سے کنارہ کشی اختیار کرلے۔ کیونکہ سلف صالحین رحمہم اللہ میں ہر قسم کی نظیر موجود ہے۔ کسی نے مال جمع فرمایا ہے اور کسی نے نہیں، جس سے معلوم ہوا دونوں امر مباح ہیں۔ (ف)

....

(ف ۱) :- حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمتہ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :

"میرے نسبی بزرگوں میں مفتی الٰہی بخش کاندھلوی" مشہور فقیہ حضرت اقدس مرجع الکل شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نور اللہ مرقدہ کے خاص شاگرد ہیں ان کی بیاض میں ان کے شیخ کی بیاض سے نقل کیا ہے کہ دنیا (یعنی مال) آدمی کے لئے حق تعالیٰ شانہ کی مرضیات پر عمل کرنے کے لئے بہترین مددگار ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے جب لوگوں کو حق تعالیٰ شانہ کی طرف بلایا تو ان چیزوں کو چھوڑ دینے کا حکم نہیں فرمایا بلکہ اسباب معیشت اور اہل وعیال میں رہنے کی ترغیب دی لہٰذا مال کا اور اپنے اہل وعیال میں رہنے کا

انکار ناواقف شخص ہی کرسکتا ہے۔ حضرت عثمانؓ کے وصال کے وقت ان کے خزانچی کے پاس ایک لاکھ اشرفیاں اور دس لاکھ درہم تھے اور جائیداد خیر وادی قریٰ کی تھی جس کی قیمت دو لاکھ دینار تھے اور حضرت عبداللہ بن زبیر کے مال کی قیمت پچاس ہزار دینار تھی اور ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار غلام چھوڑے تھے۔ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے تین لاکھ دینار چھوڑے تھے اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے مال کا شمار ہی مشکل ہے اس کے باوجود حق تعالیٰ شانہ نے ان کی تعریف قرآن پاک میں فرمائی :

یدعون ربهم بالغداة والعشی یریدون وجهه

(کہف ع ۴)

ترجمہ : "اپنے رب کی عبادت صبح وشام (یعنی ہمیشہ) محض اس کی رضا جوئی کے واسطے کرتے ہیں"۔

اور ارشاد ہے :

رجال لا تلهیهم تجارة ولا بیع عن ذکر الله

(النور ع ۵)

ترجمہ : "یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کو تجارت وغیرہ اللہ کے ذکر سے نہیں روکتی"۔

حضرت شیخ فرماتے ہیں :

"صحیح ہے کہ اس زمانہ میں فتوحات کی کثرت سے عام

طور پر ان حضرات کی مالی حالت ایسی ہی تھی دنیا اور ثروت ان کے جوتوں سے لپٹتی تھی اور یہ اس کو پھینکتے تھے اور وہ ان کو چمٹتی تھی۔ لیکن ان سب کے باوجود اس کے ساتھ ان کی دل بستگی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغولی کیا تھی؟ فضائل نماز اور حکایات صحابہؓ میں ان حضرات کے کچھ واقعات ذکر کئے گئے ہیں ان کو عبرت اور غور سے دیکھو....."۔

(فضائل صدقات ص ۱۸۳)

....

(ت) :۔ مال جمع کرنے کی اباحت پر یہ روایت شاہد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :

من طلب الدنیا حلالا متعففا لقی الله تعالیٰ ووجهه کالقمر لیلة البدر ومن طلبها مفاخرا مکاثرا لقی الله تعالیٰ وهو علیه غضبان۔ (ف ۲)

ترجمہ : "جو شخص سوال سے بچنے کے لئے حلال طریقے سے کماتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح (چمکتا) ہوگا اور جو شخص فخر ونمود کے لئے کماتا ہے وہ اس حال میں ملے گا کہ خدا تعالیٰ اس پر ناراض ہوں گے"۔

....

(ف ۲) :۔ علامہ محاسبیؒ فرماتے ہیں جو شخص بازار جائے اور کسی

صنعت و حرفت، تجارت (شرعی) اور وکالت سے یا کسی اور طریقے سے کمائی کرے اور اس سے اس کا مقصد حلال کی طلب بھی اور اتباع رسولؐ نیز اپنے اور اپنے بال بچوں کی ضروریات کا تکفل کرنا ہو اور لوگوں کے دست نگر ہونے سے بچنا ہو اور دیگر اعزاء و اقرباء، احباب اور پڑوسیوں کا خیال رکھنا ہو نیز فریضہ زکوٰۃ قائم کرنے والوں میں شامل ہونا اور دیگر حقوق واجبہ پورا کرنا ہو تو مجھے ایسے ہی شخص کے متعلق امید ہے کہ وہ اس بشارت کا مستحق ہے :

من طلب حلالا استعفافا من المسالة وكدا على عياله وتعطفا على جاره لقى الله تعالى ووجهه كالقمر ليلة البدر۔

(رواه النسائی والدارمی وابوداؤد وغیرهم مع اختلاف فی اللفظ)

ترجمہ : "جو شخص گداگری سے بچنے کے لئے اور اپنے اہل وعیال کے اخراجات برداشت کرنے کے لئے نیز اپنے پڑوسی کا خیال رکھنے کیلئے حلال طریقے سے کمائی کرتا ہے تو وہ حق تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح روشن اور درخشاں ہوگا"۔

(ملخص من کتاب المکاسب للمحاسیؒ ص ۶۶)

....

(ت) :۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوسروں کے دست نگر ہوجانے سے بچنے کے لئے (یعنی مالی ضروریات کے واسطے) مال جمع کرکے رکھنا مباح

ہے۔ اور روایات میں آتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ دعاء فرماتے تھے :

اللهم اجعل اوسع رزقى عند كبرى وانقضاء عمرى۔

ترجمہ : "یا الٰہی میری کبر سنی اور چل چلاؤ کے وقت میری روزی میں وسعت عطا فرما"۔

چنانچہ آپ ﷺ کی یہ دعا قبول ہوئی کہ حیات مبارکہ کے آخری دور میں چالیس دودھ دار بکریاں اور باغ فدک نیز خیبر کی زمین کا ایک حصہ آپ کے لئے ہوچکا تھا۔

اور جہاں تک ضرورت سے زیادہ کمائی میں مشغول ہونے سے باز رہنا ہے یہ مباح (ہی نہیں بلکہ مستحب اور مرغوب فیہ ہے) چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے :

لو كان لابن آدم واديان من ذهب لتمنى اليهما ثالثا لا يملأ جوف ابن آدم الا التراب ويتوب الله على من تاب۔ (عه)

ترجمہ : "اگر آدمی کے پاس سونے کی دو وادیاں ہوں تو تیسری کی تلاش میں لگ جاتا ہے آدمی کا پیٹ (قبر کی) مٹی ہی بھر سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کی توبہ قبول فرماتے ہیں"۔

کہا جاتا ہے کہ یہ ایک آیت تھی جو سورہ یونس کے دوسرے یا

تیسرے رکوع کی ہے اور ان آیتوں میں سے ہے جس کی تلاوت منسوخ ہے روایت برقرار ہے۔ نیز حضور ﷺ نے فرمایا :

تبا للمال۔

ترجمہ : "مال کا ستیاناس ہو"۔

نیز ایک روایت میں ہے تبا لصاحب (عہ) الذھب والفضۃ (سونے چاندی والے کی ہلاکت ہو) نیز ارشاد ہے :

ھلک المکثرون الا من قال بمالہ ھکنا وھکنا۔

ترجمہ : "خوب مال جمع کرنے والے ہلاک وبرباد ہوئے مگر وہ لوگ جو اس طرح اس طرح (خرچ) کریں"۔

یعنی جو ہر طرف خرچ کرنے والے خوب صدقہ وخیرات کرنے والے ہوں۔ (ف)

....

(عہ) :۔ متفق علیہ وروی "وادیان من مال" بدل (من ذھب) (المشکوۃ، الرقاق، الحرص والامل)

(عہ) فی الجامع الصغیر تبا للذھب والفضۃ ص ۳۲۳۰ وانظر ابن کثیر التوبہ آیہ ۳۴)۔

....

(ف) :۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "میں ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا حضور کعبہ شریف کی دیوار کے

سایہ میں تشریف رکھتے تھے مجھے دیکھ کر حضور ﷺ نے فرمایا کعبہ کے رب کی قسم وہ لوگ بڑے خسارہ میں ہیں میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان کون لوگ؟ حضور ﷺ نے فرمایا جن کے پاس مال زیادہ ہو مگر وہ لوگ جو اس طرح اس طرح (خرچ) کریں اپنے دائیں سے بائیں سے آگے سے پیچھے سے لیکن ایسے آدمی بہت کم ہیں"۔

(ف) : حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ زاہدین صحابہ میں ہیں جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ان کو دیکھ کر یہ ارشاد حقیقتاً ان کی تسلی تھی کہ اپنے فقر وزہد پر کسی وقت بھی خیال نہ کریں یہ مال ومتاع کی کثرت فی ذاتہ کوئی محبوب چیز نہیں بلکہ بڑے خسارہ اور نقصان کی چیز ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اللہ جل شانہ سے غفلت کا سبب بنتی ہے روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ بغیر تنگ دستی کے اللہ تعالی کی طرف رجوع بہت ہی کم ہوتا ہے۔ البتہ جن لوگوں کو اللہ جل شانہ نے توفیق عطا فرمائی ہے اور وہ ضرورت کے مواقع میں جہاں اور جس طرف ضرورت ہو چاروں طرف بخشش کا ہاتھ پھیلاتے ہوں ان کے لئے مال مضر نہیں ہے لیکن حضور ﷺ نے خود ہی ارشاد فرمادیا کہ ایسے آدمی بہت کم ہیں عام طور سے یہی ہوتا ہے کہ جہاں مال کی کثرت ہوتی ہے فسق وفجور آوارگی وعیاشی اپنے ساتھ لاتی ہے اور بے محل خرچ کرنا نام ونمود پر صرف کرنا تو دولت کے ادنی کرشموں میں سے ہے بیاہ شادیوں اور دوسری تقریبات پر بے جا اور بے محل ہزاروں روپیہ خرچ کردیا جائے گا لیکن اللہ کے نام پر ضرورت مندوں اور بھوکوں پر خرچ کرنے کی گنجائش ہی نہ نکلے گی۔

ایک حدیث میں ہے جو لوگ دنیا میں زیادہ مالدار ہیں وہی لوگ

آخرت میں کم سرمایہ والے ہیں مگر وہ شخص جو حلال ذریعہ سے کمائے اور یوں یوں خرچ کردے۔ (کنز)

پہلی روایت کی طرح یوں یوں کا اشارہ ادھر ادھر خرچ کرنے کی طرف ہے۔ حقیقت میں مال اس کے لئے زینت اور عزت ہے جو اس کو ادھر ادھر خرچ کردے اور جو گن گن کر باندھ باندھ کر رکھے اس کے لئے یہ ہر قسم کی آفات کا پیش خیمہ ہے اس کو بھی ہلاک کرتا ہے اور خود بھی اس کے پاس سے ضائع ہوتا ہے یہ بے مروت کسی شخص کو دین یا دنیا کا فائدہ اس وقت تک نہیں پہنچاتا جب تک کہ اس کے پاس سے جدا نہ ہو۔

(فضائل صدقات ص ۱۶۲)

نیز تحریر فرماتے ہیں اس کی مثال بالکل سانپ کی سی ہے کہ جو لوگ اس کو پکڑنے کے ماہر ہیں اس کے طریقوں سے واقف ہیں ان کے لئے اس کے پکڑنے میں کوئی نقصان نہیں بلکہ وہ اس سے تریاق بنا سکتے ہیں اور دوسرے فوائد حاصل کرسکتے ہیں لیکن کوئی دوسرا ناواقف ان ماہروں کی حرص کرکے سانپ کو پکڑے گا تو ہلاک ہوگا اسی طرح حصول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی حرص کرکے ہم لوگ اگر اس زہر کا استعمال کثرت سے کریں تو ہلاکت کے سوا کچھ نہیں ہے اور ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے متعلق محض اعتقادی بات نہیں ان کی زندگی کا ایک ایک واقعہ اس کی کھلی شہادت دیتا ہے کہ ان کے یہاں اس کی وقعت ایندھن سے زیادہ نہ تھی ان کے لئے اس کا وجود حق تعالیٰ سے ذرا بھی توجہ ہٹانے والا نہ تھا اور اس کے باوجود وہ

اس سے ڈرتے تھے جیسا کہ ان کی پوری تاریخ اس پر شاہد ہے۔

(فضائل صدقات ص ۱۸۷)

....

(ع) :۔ عن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال انتھیت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو جالس فی ظل الکعبۃ فلما رانی قال ھم الاخسرون ورب الکعبۃ فقلت فداک امی وابی من ھم؟ قال ھم الاکثرون اموالا الا من قال ھکذا وھکذا وھکذا من بین یدیہ ومن خلفہ وعن یمینہ وعن شمالہ وقلیل ماھم (متفق علیہ (المشکوۃ باب الانفاق وکراھیۃ الامساک)

....

(ت) :۔ نیز نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے :

یقول الشیطان لن ینجو منی صاحب المال من احدی ثلاثۃ اما ان ازینہ فی عینہ فیجمعہ من غیر حلہ واما ان احقرہ فی عینہ فیعطی من غیر حلہ واما ان احببہ الیہ فیمنع حق اللہ تعالیٰ منہ (عہ)

(رواہ فی مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۳۵)

بلفظ "لن یسلم منی"۔

ترجمہ : "شیطان کہتا ہے کہ مالدار آدمی کو میں تین پھندوں میں سے کسی نہ کسی میں ضرور پھانس لیتا ہوں یا تو مال کو اس کی نگاہ میں اتنا خوشنما کرکے پیش کرتا ہوں کہ وہ حرام طریقے

سے جمع کرنے لگتا ہے۔ یا پھر اسے اس کی نظر میں اتنا حقیر
کردیتا ہوں کہ وہ اسے فضول خرچی اور حرام میں اڑانے
لگتا ہے یا پھر اسے اس کا اتنا گرویدہ کردیتا ہوں کہ وہ اس
میں سے حق تعالیٰ کے حقوق پورا کرنے سے بھی دامن
چرانے لگتا ہے۔

معلوم ہوا کہ زیادہ مال کی جستجو نہ کرنا ہی عافیت اور سلامتی کی راہ ہے اور سلامتی کی راہ اختیار کرنا کوئی عیب کی بات نہیں (بلکہ یہی امر شرعاً محمود ہے)۔

....

(ف) مال کے فوائد اور نقصانات :۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ مال بمنزلہ ایک سانپ کے ہے جس میں زہر بھی ہے اور تریاق بھی ہے۔ اس کے فوائد بمنزلہ تریاق کے ہیں اور اس کے نقصانات بمنزلہ زہر کے۔ جو اس کے فوائد اور نقصانات سے واقف ہو جائے وہ اس پر قادر ہوسکتا ہے کہ اس کے فوائد حاصل کرے اور نقصانات سے محفوظ رہے۔

اس میں فوائد دو قسم کے ہیں دنیوی اور دینی۔ دنیوی فوائد تو ہر شخص جانتا ہے انہیں کی وجہ سے سارا جہان اس کے کمانے پر مرمٹ رہا ہے۔ دینی فوائد تین ہیں :

اول یہ کہ بواسطہ یا بلاواسطہ عبادت کا سبب ہے بلاواسطہ تو جیسے حج جہاد وغیرہ کہ یہ روپیہ ہی سے ہوسکتے ہیں اور بواسطہ یہ کہ اپنے کھانے پینے اور ضروریات میں خرچ کرے کہ یہ ضرورتیں پوری نہ ہوں تو آدمی

کا دل ادھر ادھر مشغول رہتا ہے جس کی وجہ سے دینی مشاغل میں اشتغال کا وقت نہیں ملتا اور جب یہ بواسطہ عبادت کا ذریعہ ہوا تو خود بھی عبادت ہوا لیکن صرف اتنی ہی مقدار جس سے دینی مشاغل میں اعانت ملے اس سے زیادہ مقدار اس میں داخل نہیں۔

دوسرا دینی فائدہ اس سے کسی دوسرے پر خرچ کرنے کے متعلق ہے۔ اور یہ چار قسم پر ہے :

(الف) صدقہ جو غرباء پر کیا جائے۔ اس کے فضائل بے شمار ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکے ہیں۔

(ب) مروت جو اغنیا پر دعوت ھدیہ وغیرہ میں خرچ کیا جائے۔ وہ صدقہ نہیں اس لئے کہ صدقہ فقراء پر ہوتا ہے یہ قسم بھی دینی فوائد لئے ہوئے ہے۔ کہ اس سے آپس کے تعلقات قوی ہوتے ہیں سخاوت کی بہترین عادت پیدا ہوتی ہے۔ بہت سی احادیث ھدایا اور کھانا کھلانے کے فضائل میں وارد ہوئی ہیں اس قسم میں ان لوگوں کے فقر کی قید نہیں ہے جن پر خرچ کیا جائے (بندہ کے ناقص خیال میں یہ فائدہ بسا اوقات پہلے نمبر سے بھی بڑھ جاتا ہے مگر جب ہی تو جب اس میں خرچ بھی کیا جائے لیکن جو شخص ننانوے کے پھیر میں پڑ جائے اس کے لئے نہ یہ فضائل کار آمد ہیں نہ وہ وہ سب احادیث جو ان کے فضائل میں آئی ہیں اس پر اثر کرتی ہیں۔

(ج) اپنی آبرو کا تحفظ یعنی مال کا ایسی جگہ خرچ کرنا جس میں اگر خرچ نہ کیا جائے تو کمینہ لوگوں کی طرف سے بدگوئی، فحش وغیرہ معترضوں کا اندیشہ ہے یہ بھی صدقہ کے حکم میں آجاتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے

کہ آدمی اپنی آبرو کی حفاظت کے لئے جو کچھ خرچ کرتا ہے وہ بھی صدقہ کرتا ہے (بندہ ناکارہ کے نزدیک دفع ظلم کے لئے رشوت دینا بھی اس میں داخل ہے رشوت کا دینا کسی نفع کے حاصل کرنے کے واسطے حرام ہے ناجائز ہے۔ دینے والا بھی ایسا ہی گنہگار ہے جیسا کہ لینے والا لیکن ظالم کے ظلم کو مٹانے کے واسطے دینے والے کو جائز ہے لینے والے کو حرام۔

(د) مزدوروں کی اجرت دینا کہ آدمی بہت سے کام خود اپنے ہاتھ سے نہیں کرسکتا اور بعض کام ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو آدمی خود کر تو سکتا ہے لیکن ان میں بہت سا عزیز وقت صرف ہوتا ہے اگر ان کاموں کو اجرت پر کرالے تو اپنا یہ وقت علم و عمل، ذکر و فکر ایسے امور میں خرچ کرسکتا ہے جن میں دوسرا نائب نہیں ہوسکتا۔

تیسرا دینی فائدہ عمومی اخراجات خیر ہیں جن میں کسی دوسرے معین شخص پر تو خرچ نہیں کیا جاتا کہ یہ دوسرے نمبر میں گزر چکے ہیں البتہ عمومی فوائد اس سے حاصل ہوتے ہیں جیسا مساجد کا بنانا، مسافر خانے، پل وغیرہ بنانا، مدارس شفاخانے وغیرہ ایسی چیزیں بنانا جو اپنے مرنے کے بعد بھی ان کے اجر و ثواب اور ان سے فوائد حاصل کرنے والے صلحاء کی دعائیں پہنچتی رہتی ہیں۔ یہ تو اجمال ہے اس کے فوائد کا اور سارے فوائد جو اس سے حاصل ہوسکتے ہیں وہ ان میں آگئے۔

حضرت اقدس شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں کہ مال کا خرچ کرنا سات طرح سے عبادت ہے:

۱۔ زکوٰۃ جس میں عشر بھی داخل ہے، ۲۔ صدقہ فطر، ۳۔ نفل خیرات جس میں مہمانی بھی داخل ہے اور قرضداروں کی اعانت بھی، ۴۔ وقف

مساجد سرائے پل وغیرہ بنانا، ۵۔ حج فرض ہو یا نفل یا کسی دوسرے کی حج میں مدد ہو توشہ سے یا سواری سے، ۶۔ جہاد میں خرچ کرنا کہ ایک درہم اس میں سات سو درہم کے برابر ہے، ۷۔ جن کے اخرجات اپنے ذمہ ہیں ان کو ادا کرنا جیسے کہ بیوی اور چھوٹی اولاد کا خرچ ہے اور اپنی وسعت کے بعد محتاج رشتہ داروں کا خرچ وغیرہ۔ (تفسیر عزیزی)

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ مال کے نقصانات بھی دو قسم کے ہیں دینی اور دنیوی۔ دینی نقصانات تین قسم پر ہیں:

(الف) معاصی کی کثرت کا سبب ہوتا ہے کہ آدمی اکثر و بیشتر اسی کی وجہ سے شہوتوں میں مبتلا ہوتا ہے اور ناداری اور عجز ان کی طرف متوجہ بھی نہیں ہونے دیتا۔ جب آدمی کو کسی معصیت کے حصول سے ناامیدی ہوتی ہے تو دل اس کی طرف زیادہ متوجہ بھی نہیں ہوتا اور جب اپنے کو اس پر قادر سمجھتا ہے تو کثرت سے ادھر توجہ رہتی ہے اور مال قدرت کے بڑے اسباب میں سے ہے اسی وجہ سے مال کا فتنہ فقر کے فتنہ سے بڑھا ہوا ہے۔

(ب) جائز چیزوں میں تنعم کی کثرت کا سبب ہے اچھے سے اچھا کھانا اچھے سے اچھا لباس وغیرہ وغیرہ بھلا مالدار سے یہ کب ہوسکتا ہے کہ جو کی روٹی اور موٹا کپڑا پہنے اور ان تنعمات کا حال یہ ہے کہ ایک چیز دوسرے کو کھینچتی ہے۔ اور شدہ شدہ اخراجات میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اور آمدنی جب ان کو کافی نہیں ہوتی تو ناجائز طریقوں سے مال حاصل کرنے کی فکریں پیدا ہونے لگتی ہیں اور جھوٹ نفاق وغیرہ بری عادات کی بنیاد اسی سے پڑتی ہے کہ مال کی کثرت کی وجہ سے ملاقاتی بھی

کثیر ہوں گے اور ان کے تعلقات کی بقاء اور حفاظت کے واسطے اس قسم کے امور کثرت سے پیدا ہوں گے اور تعلقات کی کثرت میں بغض، عداوت، حسد، کینہ وغیرہ امور طرفین میں کثرت سے پیدا ہوں گے۔ اور ایسے بے انتہاء عوارض آدمی کے ساتھ لگ جائیں گے جن سے مال کے ہوتے ہوئے خلاصی دشوار ہے۔ اور غور کرنے سے یہ مضرتیں وسیع پیانے پر پہنچ جاتی ہیں اور ان سب کا پیدا ہونا مال ہی کے سبب سے ہوتا ہے۔

(ج) اور کم سے کم اس بات سے تو کوئی مالدار بھی خالی نہیں ہو سکتا کہ اس کا دل مال کی صلاح وفلاح کے خیال میں اللہ کے ذکر و فکر سے غافل رہے گا۔ اور جو چیز اللہ جل شانہ سے غافل کردے وہ خسارہ ہی خسارہ ہے۔ اسی واسطے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا مال میں تین آفتیں ہیں اول یہ کہ ناجائز طریقے سے کمایا جاتا ہے کسی نے عرض کیا کہ اگر جائز طریقہ سے حاصل ہو تو آپ نے فرمایا کہ بے جگہ خرچ ہوتا ہے۔ کسی نے عرض کیا اگر اپنے محل ہی پر خرچ کیا جائے تو آپ نے فرمایا کہ اس کی اصلاح کی فکر اللہ جل شانہ سے مشغول تو کر ہی دے گا۔ اور یہ لاعلاج بیماری ہے کہ ساری عبادات کا لب لباب اور مغز اللہ جل شانہ کا ذکر و فکر ہے اور اس کے لئے فارغ دل کی ضرورت ہے اور صاحب جائداد شخص دن بھر رات بھر کاشتکاروں کے جھگڑوں کی سوچ میں رہتا ہے۔ ان سے وصولی کے حساب کتاب میں رہتا ہے، شریکوں کے معاملات کی فکر میں رہتا ہے، کہیں ان کے حصوں کا جھگڑا کہیں ان سے پانی کی بانٹ پر جھگڑا ہے، کہیں ڈول بندیوں میں لڑائی ہے۔

اور حکام اور ان کے اہلیوں کا قصہ علیحدہ ہر وقت کا ہے، نوکروں مزدوروں کی خبر گیری، ان کے کام کی نگرانی ایک مستقل مصیبت اور ایک مستقل مشغلہ ہے۔ اسی طرح تاجر کا حال یہ ہے کہ اگر شرکت میں تجارت ہو تو شرکاء کی حرکتیں ہر وقت ایک مستقل مصیبت اور مستقل مشغلہ ہے۔ اور تنہا تجارت ہو تو نفع کے بڑھانے کا فکر ہر وقت اپنی محنت میں کوتاہی کا خیال تجارت میں نقصان کا فکر ایسے امور ہیں جو ہر وقت مسلط رہتے ہیں۔ مشاغل کے اعتبار سے سب سے کم وہ خزانہ ہے جو نقد کی صورت میں اپنے پاس ہو۔ لیکن اس کی حفاظت اور اضاعت کا اندیشہ اور چوروں کا فکر اس کے خرچ کرنے کے مصارف کا فکر اور جن لوگوں کی نگاہیں اس کی طرف لگی رہتی ہیں ان کا خیال ایسے مفسدات ہیں کہ جن کی کوئی انتہاء نہیں اور یہ وہ سب دینی مضرات ہیں جو مال کے ساتھ لگی رہتی ہیں۔ اور جس کے پاس بقدر ضرورت ہو تو وہ ان سب افکار سے فارغ ہے۔

لنگکے زیر ولنگکے بالا
نے غم دزد و نے غم کالا

ایک لنگی نیچے ایک لنگی اوپر، نہ چور کا ڈر نہ پونجی کا (کہ اس کی کس طرح حفاظت کروں روز افزوں اخراجات کیسے پورے کروں) پس مال کا تریاق اس میں ہے بقدر ضرورت اپنے ذاتی مصارف میں خرچ کرنے کے بعد جو کچھ بچے اس کو خیر کے مصارف میں خرچ کردیتا ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ زہر ہی زہر ہے آفت ہی آفت ہے حق تعالیٰ شانہ اپنے لطف وکرم سے اس ناکارہ کو بھی محفوظ رکھے اور نیک مصرف پر خرچ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ (فضائل صدقات ص ۱۸۳ تا ۱۸۷)

(ت) وسائل معیشت تعاون علی البر کا ذریعہ ہیں :-

پھر امام محمد رحمہ اللہ نے بیان فرمایا کہ کمائی خواہ وہ کسی بھی نوعیت کی ہو اس کا تعلق کسی نہ کسی طرح عبادت اور طاعت خداوندی سے ضرور ہوتا ہے۔ مثلاً رسیاں بانٹنے والا اور کوزے اور گھڑے بنانے والا' نیز کپڑے تیار کرنے کا کاروبار کہ ہر ایک میں معاونت علی الطاعہ والقربہ کا معنی موجود ہے کیونکہ نماز ادا کرنا بغیر طہارت کے ناممکن ہے اور طہارت حاصل کرنے کے لئے کوزہ (ڈول) اور رسی ضروری ہے تاکہ کنویں سے پانی لیا جاسکے۔ نیز نماز کے لئے ستر عورت شرط ہے اور ستر پوشی کے لئے ضروری ہے کہ کپڑے تیار کرنے کی صنعت کا سہارا لیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ تمام کاروبار عبادات کے بجالانے کے لئے اسباب تعاون ہیں چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد اسی طرف مشیر ہے کہ "دنیا کو برا مت کہو کیونکہ دنیا مومن کے لئے آخرت کی طرف لے جانے والی بہترین سواری ہے۔ (عہ)

(عہ) :- فی منتخب کنز العمال ۱/۱۹۶ "لا تسبوا الدنیا فنعم المطیة للمومن علیھا یبلغ الخیر وبھا ینجو۔

(ت) :-

اور حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ

ایمان کے بعد افضل عمل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا "نماز پڑھنا اور روٹی کھانا"۔ سائل نے اس عجیب وغریب جواب پر ان کی طرف دیکھا تو آپ نے فرمایا "اگر روٹی میسر نہ آئے تو خدا تعالیٰ کی عبادت بھی نہیں ہو سکتی"۔ یعنی کھانا کھانے سے ہی کمر سیدھی ہوگی (اور قوت عمل پیدا ہوگی) جس سے عبادت کرنے کی صلاحیت ہوگی۔

وسائل معاش کا تفاوت اور علماء کا موقف

جمہور فقہاء کے نزدیک تمام اسباب ووسائل اباحت میں برابر ہیں۔ لیکن بعض تنگ نظر لوگوں کا خیال ہے کہ ہروہ کام جسے عرف میں گھٹیا اور نیچا سمجھا جاتا ہے بجز انتہائی مجبوری کے ان کا اختیار کرنا درست نہیں کیونکہ حدیث شریف میں ہے :

لیس للمومن ان یذل نفسہ (عہ)

ترجمہ : "مومن پہ زیبا نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ذلت میں ڈالے"۔

نیز ارشاد نبوی ہے :

ان اللہ یحب معالی الامور ویبغض سفسافھا۔

ترجمہ : "بلاشبہ اللہ تعالیٰ عالی مرتبہ امور کو پسند فرماتے ہیں اور گھٹیا امور کو ناپسند کرتے ہیں"۔

سفساف' وہ کام جس کی حقارت کی وجہ سے اس میں لگنا انسان کے لئے باعث ذلت ہو۔

(عہ) رواہ فی المطالب العالیہ ۳۳۸/۲

(عہ) اخرجہ الخر الکلی فی مکارم الاخلاق والطبرانی والحاکم والبیہقی کذا فی المغنی ۵۹/۲۔

اور ہماری دلیل اس بارے میں یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے :

ان من الذنوب ذنوبا لا یکفر ھا الصوم . ولا الصلوه قیل ما یکفرھا یا رسول اللہ قال الھموم فی طلب المعیشۃ

ترجمہ : "بے شک بہت سے گناہ ایسے جن کا کفارہ نہ نماز ہے اور نہ روزہ دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ پھر اس کا کفارہ کیا ہے آپ نے فرمایا تلاش معاش میں پریشانیاں اٹھانا۔"

نیز آپؐ کا ارشاد ہے :

طلب الحلال کمقارعۃ الابطال ومن بات ناویا فی طلب الحلال بات مغفورا لہ

(رواہ البیہقی فی الشعب)

ترجمہ : "حلال روزی کی جستجو ایسی ہے جیسے بہادروں سے مقابلہ اور جو شخص اس تگ ودو میں گھر سے دور رات گزارے اس کی رات مغفرت کے ساتھ گزری"۔

نیز ایک روایت میں ہے :

افضل الاعمال الاکتساب للانفاق علی

العیال۔ (ف)

ترجمہ : "بال بچوں کی کفالت کے لئے کمانا بہترین اعمال میں سے ہے۔"

یہ تمام روایات مطلق کسب حلال سے متعلق ہیں ان میں کسی کمائی کو کسی پر فضیلت نہیں دی گئی ہے۔ چنانچہ ہر وہ ذریعہ معاش جس میں سوائے سوال کی ذلت میں پڑنے سے بچاؤ اور لوگوں سے مستغنی ہونے کے کچھ نہ ہو وہ شرعا پسندیدہ اور مرغوب فیہ ہوگا۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد پاک ہے :

السوال آخر کسب العبد۔

ترجمہ : "سوال کرنا بندہ کی آخری کمائی ہے"۔

یعنی اس کی ذلت قیامت تک اس کے شامل حال رہے گی۔ نیز آپ نے حکیم بن حزام یا کسی اور صحابی سے ارشاد فرمایا :

مکسبۃ فیھا نقص المرتبۃ خیر لک من ان تسال الناس اعطوک اومنعوک۔

ترجمہ : "ایسی کمائی جس میں کچھ ذلت اٹھانی پڑے وہ تمہارے اس سوال سے بہتر ہے کہ جس پر لوگ تمہیں کچھ دیں یا نہ دیں"۔

اور عرف عام میں بھی کسی ذریعہ معاش کا اختیار کرنا مذموم ومعیوب نہیں بلکہ قابل مذمت امور خیانت بدعہدی جھوٹی قسمیں اور بخل وغیرہ ہیں۔

....

(ف) صنعت پیشہ لوگوں کو حقیر سمجھنا گناہ ہے :۔

عرب میں مختلف آدمی مختلف صنعتیں اختیار کرتے تھے کسی صنعت کو حقیر یا ذلیل نہیں سمجھا جاتا تھا اور پیشہ وصنعت کی بنیاد پر کسی شخص کو کم یا زیادہ نہ سمجھا جاتا تھا۔ پیشوں کی بنیاد پر کوئی برادری نہیں تھی، پیشوں کی بنیاد پر برادریاں بنانا اور بعض پیشوں کو بحیثیت پیشہ حقیر وذلیل سمجھنا یہ ہندوستان میں ہندوؤں کی پیداوار ہے ان کے ساتھ رہنے سہنے سے مسلمانوں میں بھی یہ اثرات قائم ہوئے۔ (معارف القرآن ۷ر ۲۶۲)

ہاں موقع ومصلحت کے اعتبار سے اور ماحول کی ضرورت کے پیش نظر کسی کام کا افضل اور اولی ہونا اپنی جگہ درست چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اہل علم کے لئے مناسب ذرائع کے متعلق تحریر فرماتے ہیں :

اہل علم کے لئے مناسب ذرائع

"صنعت وحرفت یعنی دستکاری وپیشہ سے معاش حاصل کرنے میں بہت آسانی وسلامتی ہے۔ عربی کی تکمیل کرنے والوں کے لئے چند صورتیں معاش کی مناسب ہیں، اسکول میں نوکری کرلینا، مطب کرنا، مفید رسالے یا حواشی تصنیف کرکے یا درسی کتابیں چھپوا کر ان کی تجارت کرنا، کاپی نویسی کرنا، کسی مطبع (پریس) میں تصحیح کی نوکری کرنا ان سب صورتوں میں اوقات فراغ میں مطالعہ وتدریس کا شغل رکھنا یا کسی اسلامی مدرسہ میں مدرسی کرنا"۔

(العلم والعلماء ص ۶۴ بحوالہ تجدید تعلیم)

....

(ت) بنیادی وسائل معاش :۔

انسان کے بنیادی وسائل معاش کل چار ہیں اجارت (مزدوری) تجارت زراعت اور صناعت اور تمام فقہاء کے ہاں اباحت میں یہ چاروں طریقے یکساں ہیں۔

اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ پیشہ زراعت مذموم ہے کیونکہ روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی گھرانہ میں آلات زراعت وحراثت دیکھ کر ارشاد فرمایا :

ما دخل هذا بيت قوم الا ذلو۔

(رواہ البخاری (المشکوۃ باب المساقاۃ والمزارعہ)

ترجمہ : "یعنی یہ چیزیں جس گھرانہ میں پہنچتی ہیں وہاں کے لوگ ذلیل ہوئے بغیر نہیں رہتے"۔

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آیت شریفہ :

ان تطيعوا الذين كفروا يردوكم على اعقابكم۔

(آل عمران۔ آیت ۱۴۹)

ترجمہ : "اگر تم کہنا مانو گے کافروں کا تو وہ تم کو الٹا پھیر دیں گے"۔

کا مطلب دریافت کیا گیا کہ آیا اس سے مراد تعرب (بادیہ نشینی اور ترک

ہجرت) ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا نہیں بلکہ اس سے "زراعت" مراد ہے۔

نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ "جب تم بیع العینہ کے ذریعہ خرید وفروخت کرنے لگو اور بیل کی دم تھام لو تو تم اس قدر ذلت (اور پستی) میں جاگرو گے کہ تمہاری طمع کی جانے لگی گی"۔

....

(ف) پیشہ زراعت پر اشکال اور اس کے جواب :۔ مولانا حفظ الرحمن تحریر فرماتے ہیں :

"متعدد قرآنی آیات، صحیح روایات اور علماء اسلام کی تشریحات سے جب کہ یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام کے معاشی نظام میں بنیادی وسائل معیشت میں سے "زراعت" کو کافی اہمیت حاصل ہے پھر (حضرت ابو امامہؓ کی اس) حدیث کا کیا مطلب ہے..... اس حدیث سے تو زراعت کے متعلق حقارت اور ذلت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں کہ گویا "زراعت پیشہ" خدا کی دی ہوئی عزت سے بھی محروم ہوجاتا ہے؟.....

بلاشبہ یہ سوال اپنے اندر اہمیت رکھتا ہے اور اسی لئے شروع ہی سے علماء اسلام نے اس کی صحیح توجیہ اور اس کا حقیقی مفہوم بیان کرتے رہے ہیں تاکہ زراعت کی اہمیت سے متعلق جو آیات اور صحیح روایات بکثرت وارد ہوئی ہیں ان کے اور اس روایت کے درمیان خلاف باقی نہ رہے۔

چنانچہ امام محمد اور ان کی اتباع میں امام سرخسی اور شاہ ولی اللہ" اس حدیث کا مفہوم یہ بیان فرماتے ہیں :

"لوگوں نے اس حدیث سے یہ غلط مطلب سمجھ لیا کہ چونکہ اکثر (غیر مسلموں کی) زمینوں پر خراج لازم ہوتا ہے تو شاید اس وجہ سے زراعت ذلت کا باعث ہے۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں بلکہ حدیث کی حقیقی مراد یہ ہے کہ مسلمان اگر زراعت کو زندگی کا مستقل مشغلہ بنالیں اور بیلوں کی دم کے پیچھے پیچھے پھریں اور جہاد جیسے اہم فریضہ سے غافل ہوجائیں تو ان کے دشمن ان پر حملہ آور ہوجائیں گے اور ان کو ذلیل وخوار کر چھوڑیں گے"۔ (بحوالہ کتاب مبسوط ۱۰ ار ۸۳) امام سرخسی نے کتاب ہذا میں بھی اس حدیث کی یہی توجیہ بیان فرمائی ہے۔ ۱۲)

امام بخاریؒ نے بھی یہی توجیہ پسند فرمائی ہے.... اور محدث داودی فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد عام نہ تھا بلکہ آپ نے ایک خاص موقعہ پر دشمن سے قریب سرحدوں پر آباد مسلمانوں کے متعلق یہ ارشاد فرمایا تھا مگر روایت کی تعبیر نے اس کو عام کردیا اور اصل حقیقت پوری طرح سامنے نہ آسکی۔

مگر ان تمام توجیہات سے زیادہ بہتر توجیہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی حقیقی روح وہ ہے جو "علامہ ابن تین" نے بیان فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول

اللہ ﷺ کا یہ ارشاد مبارک زراعت سے متعلق اسلامی نقطہ نظر بیان نہیں کرتا، بلکہ مستقبل میں ہونے والے ایک ایسے تکلیف دہ واقعہ کی جانب متنبہ کرتا ہے جو آج کی دنیا میں ارشاد گرامی کے مطابق حرف بہ حرف صحیح نظر آرہا ہے اور نبی کریم ﷺ کی صداقت وحقانیت کا مناد ہے وہ یہ ہے کہ دنیا کی تمام جماعتوں میں سب سے زیادہ ظلم وجور کا شکار اس جماعت کو بنایا جائے گا جس کو "کاشت کار" کہا جاتا ہے اور سب سے زیادہ ذلت ورسوائی اور مسکنت سے ان ہی کو دوچار ہونا پڑے گا۔ ابن تین کے الفاظ یہ ہیں :

هذا من اخباره صلى الله عليه وسلم بالمغيبات لان المشاهدة الان اكثر الظلم انما هو على اهل الحرث۔

ترجمہ : "یہ ارشاد رسول اللہ ﷺ کی غیب کی اطلاعات (پیشین گوئی) میں سے ایک اطلاع ہے اس لئے کہ آج ہم مشاہدہ کررہے ہیں کہ سب سے زیادہ ظلم کا شکار وہی ہیں جو کھیتی باڑی کرنے والے (کاشتکار) ہیں"۔

یہ ابن تین کا مشاہدہ ہے جو تقریبا چھٹی صدی ہجری کا زمانہ ہے اور آج دنیا میں خام اجناس پیدا کرنے والے اور مدنیت کی ابتدائی بنیاد استوار کرنے والے اس طبقہ "کاشت کار" کی جو حالت زار ہے وہ ہمارا اور آپ کا مشاہدہ ہے۔ (اسلام کا اقتصادی نظام ص ۱۷۳)

(ف ۲) :۔ "بیع العینہ" کسی چیز کو اس کی اصلی قیمت سے زیادہ قیمت پر ادھار بیچنا۔ (کذا فی التعریفات للجرجانی ص ۴۸)

مفسر ابن کثیرؒ نے سورہ توبہ آیت ۲۴ کے تحت یہ روایت حضرت ابن عمرؓ سے مرفوعا نقل کی ہے اور پوری روایت یوں مروی ہے :

عن ابن عمر رضى الله عنه قال سمعت رسول الله ﷺ يقول اذ تبايعتم بالعينة واخذتم باذناب البقر ورضيتم بالزرع وتركتم الجهاد سلط الله عليكم ذلا لا ينزعه حتى ترجعوا الى دينكم۔

(رواہ احمد وابو داود (تفسیر ابن کثیر ۳۵۶/۲)

(ت) :۔ اور ہماری دلیل اس بارے میں وہ روایات ہیں جن میں وارد ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مقام (ف) جرف پر کاشتکاری فرمائی۔ ایک جگہ ارشاد ہے "الزارع یتاجر ربہ"۔ یعنی کاشتکار اپنے رب کے ساتھ تجارت کرتا ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہے کہ آپ کی ملک میں باغ فدک اور خیبر کی زمین تھی جس سے اخیر عمر میں خانہ داری کا بندوبست ہوا کرتا تھا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بھی ایک زمین خیبر میں تھی جو ثمغ کہلاتی تھی۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت حسن بن علیؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی زمینیں بھی سواد عراق میں کاشتکاری کے لئے

تھیں جس میں یہ حضرات کاشتکاری کرتے اور خراج ادا کرتے تھے۔ نیز حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بھی کھیتی باڑی سواد عراق اور اس کے علاوہ تھی۔

اور مذکورہ بالا ممانعت (زراعت) والی روایات کی توجیہہ یہ ہے کہ وہ ممانعت اس وقت ہے جب کہ تمام لوگ فریضہ جہاد چھوڑ کر کھیتی باڑی میں ایسے منہمک ہوجائیں کہ دشمن موقع سے فائدہ اٹھانے کی سوچنے لگے چنانچہ حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں یہ جملہ بصراحت موجود ہے "وقعدتم عن الجهاد وذللتم حتى يطمع فيكم"۔ پس اگر کچھ لوگ فریضہ جہاد میں مشغول ہوں اور کچھ لوگ کھیتی باڑی میں مصروف ہوں تو (یہ منع نہیں بلکہ یہ ایک پسندیدہ تعاون ہے کہ) کاشت کاری سے مجاہد کا تعاون ہوگا اور مجاہد کے عمل سے کاشت کار کی مدافعت (اور حفاظت) ہوگی۔ اور حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی (اسی تعاون کی طرف مشیر) ہے "المومنون کالبنیان یشد بعضه بعضا۔ (عه) "مسلمانوں کا تعلق آپس میں ایسا (مربوط) ہے جیسے تعمیر کہ اس کے حصے ایک دوسرے کے ساتھ بندھے رہتے ہیں۔ (یعنی مسلمانوں کا باہمی تعاون ہی نظام تمدن کے قیام واستحکام کی کلید ہے)

....

(عه) :۔ حدیث "المومن للمومن كالبنيان يشد بعضه بعضا"۔ متفق عليه (المشكوة، الشفقة والرحمة على الخلق)

افضل ذریعہ معاش کیا ہے؟

پھر ہمارے مشائخ میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ ذریعہ معاش میں سے افضل کیا ہے بعض کا خیال ہے تجارت افضل ہے کیونکہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

وآخرون يضربون فى الارض يبتغون من فضل الله وآخرون يقاتلون فى سبيل الله

ترجمہ: "بعضے لوگ تلاش معاش میں ملک کا سفر کریں گے اور بعضے اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہوں گے"۔

آیت شریفہ میں ضرب فی الارض سے مراد تجارت کے لئے سفر کرنا ہے۔

....

(ف ۱) :۔ جرف مدینہ منورہ سے ۳ میل شمال مغرب میں ایک مقام ہے اور یہ روایت مبسوط میں کتاب المزارعہ میں مذکور ہے۔

(ف ۲) لم اجده بلفظ ووردت فى الزراعة احاديث منها ما روى جابرؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من كانت له ارض فليزرعها او ليمنحها اخاه فان ابى فليمسك ارضه متفق عليه (المشكوة، باب المساقاه والمزارعه) مزید اس باب کی احادیث آگے آرہی ہیں)۔

(ف ۳) روى البخارىؒ "ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اعطى خيبر اليهود ان يعملوها ويزرعوها ولهم شطر ما يخرج منها۔ (المشكوة، المساقاة والمزارعه)

(ف ۴) :- اور مشکوۃ شریف کی یہ روایت اس مقام کے بہت مناسب ہے :

عن ابی جعفرؒ قال ما بالمدینة اهل بیت هجرة الا یزرعون علی الثلث والربع وزارع علی وسعد بن مالک وعبدالله بن مسعود وعمر بن عبدالعزیز والقاسم وعروة وآل ابی بکر وآل عمر وآل علی وابن سیرین۔ وقال عبدالرحمٰن بن الاسود کنت اشارک عبدالرحمٰن بن یزید فی الزرع وعامل عمر الناس علی ان عمر بالبذر من عنده فله الشطر وان جاءو ا بالبذر فلهم کذا۔

(المشکوۃ، المساقاۃ والمزارعه)

ترجمہ : "یعنی مدینہ منورہ میں کوئی مہاجر گھرانہ ایسا نہ تھا کہ جہاں کے لوگ کھیتی باڑی میں تہائی اور چوتھائی پر کاروبار نہ کرتے ہوں۔ حضرت علی اور سعد بن مالک اور ابن مسعود اور عمر بن عبدالعزیزؒ، قاسم اور عروہ رضی اللہ عنہم نیز حضرت ابو بکر و عمر اور علی رضی اللہ عنہم کی آل و اولاد اور ابن سیرین سبھی نے کاشت کاری میں حصہ لیا اور عبدالرحمٰن بن الاسودؒ فرماتے ہیں میری حضرت عبدالرحمٰن بن یزیدؒ سے زراعت میں ساجھے داری تھی۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ لوگوں سے معاملہ طے فرماتے کہ اگر وہ بیج مہیا کریں گے تو ان کا آدھا حصہ ہوگا اور اگر لوگ بیج مہیا

کریں گے تو لوگوں کا اتنا ہوا کرے گا"۔

....

(ف ۵) ذرائع معاش سے متعلق اپنے اکابر کا موقف :-

اپنے اکابر میں سے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کی رائے میں تجارت ہی زراعت سے افضل ہے چنانچہ آپؒ ارشاد فرماتے ہیں :

"میں پہلے لکھ چکا کہ میرے نزدیک تجارت افضل ہے وہ بحیثیت پیشہ کے ہے اس لئے کہ تجارت میں آدمی اپنے اوقات کا مالک ہوتا ہے تعلیم و تعلم، تبلیغ وافتاء، وغیرہ کی خدمت بھی کر سکتا ہے لہٰذا اگر اجارہ دینی کاموں کے لئے ہو تو وہ تجارت سے بھی افضل ہے اس لئے کہ وہ واقعی دین کا کام ہے مگر شرط یہ ہے کہ وہی کام مقصود ہو اور تنخواہ بدرجہ مجبوری ہے۔ میرے اکابر دیو بند کا زیادہ معاملہ اسی کا رہا ہے۔ اور اس کا مدار اس پر ہے کہ کام کو اصل سمجھے اور تنخواہ کو اللہ تعالیٰ کا عطیہ اسی لئے کسی جگہ پر اگر کوئی دینی کام کر رہا ہو تدریس، افتاء کا وغیرہ وغیرہ اور اس سے زیادہ کسی دوسرے مدرسہ میں زیادہ تنخواہ ملے تو پہلی جگہ کو محض کثرت تنخواہ کی وجہ سے نہ چھوڑے میں نے اپنے جملہ اکابر کا یہ معمول بہت اہتمام سے ہمیشہ دیکھا۔"

(فضائل تجارت ص ۵۲)

تجارت کا مرتبہ

علامہ سرخسیؒ نے فقہاء احناف کی رائے میں زراعت کو تجارت پر مقدم فرمایا ہے۔ چنانچہ ان کی اتباع میں مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ تحریر فرماتے ہیں:

"وسائل معیشت میں سے دوسرا اہم وسیلہ "تجارت" ہے چنانچہ فقہائے امت فرماتے ہیں:

فالبیع والشراء من اکبر الوسائل الباعثة علی العمل فی هذه الحیوة الدنیا واجل اسباب الحضارة والعمران۔

(الفقه علی المذاهب الاربعه)

ترجمہ: "تجارت اس دنیا میں معاشی اعمال میں سے سب سے بڑا وسیلہ معاش ہے اور تمدن و حضارت کے اسباب میں سے سب سے بڑا سبب ہے"۔

لہٰذا اسلام نے بھی اپنے معاشی نظام میں اس کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے

۱۔ صحیح اصول تجارت، ۲۔ فاسد اصول تجارت۔

پہلے حصہ کے بارے میں وہ افراد ملک و ملت کو ترغیب بھی دیتا ہے اور ان اصول کے ماتحت ذرائع اور وسائل تجارت کی توسیع کے لئے آئین و قوانین بھی ذکر کرتا۔ اور دوسرے حصہ کی مذمت بھی کرتا ہے اور ان کے انسداد کے لئے احکام بھی بیان کرتا ہے۔

(مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "اسلام کا اقتصادی نظام")

نیز مولانا "تجارت کی ترغیب" کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں:

"اقتصادی نظام کی ترقی و برتری کا راز سب سے زیادہ تجارت میں مضمر ہے جو قوم یا ملت جس قدر اس سے دل چسپی لیتی ہے وہ اسی قدر اپنی اقتصادی بہبود کی کفیل بنتی ہے اور جس قوم یا جس ملک کے باشندے تجارت سے دلچسپی نہیں رکھتے وہ اقتصادی نظام میں ہمیشہ دوسروں کے دست نگر رہتے ہیں اور اسی راہ سے دوسری اقوام ان کے تمدن، تہذیب، معیشت اور سیاست بلکہ مذہب پر قابض ہو جاتی ہے اور ان کو غلام بنا کر مطلق العنان حکومت کرتی ہے۔

ہندوستان جیسا بڑا ملک اور ایشیا و یورپ کے دوسرے چھوٹے بڑے ملک آج غیروں کے استبداد اور مظالم کے شکار اسی راہ سے ہوئے ہیں۔ انگریزوں کے ہاتھ میں ہندوستان تجارت ہی کی راہ سے آیا (تھا) مصر پر اسی اجارہ داری کے نام سے قبضہ کیا گیا (تھا) ایران کی سابقہ غلامی تیل کی تجارت ہی کی رہین منت تھی۔ اور آج بھی اسی راہ سے پنجہ استبداد گاڑا جا رہا ہے۔ عراق و شام پر قبضہ کی تہ میں یہی اصول کارفرما ہے موصل میں چشمے اور دمشق میں کانیں ظاہر ہونے سے پہلے "ماہرین دریافت" کی سیاحانہ تگ و دو کا نتیجہ آخر وہی ہوا جو معاشی دستبرد کی صورت میں

ظالم طاقتوں کی جانب سے ہوا کرتا ہے۔ جرمنی اسی تجارت کے فروغ اور اپنی قوم کی اقتصادی و معاشی ترقی کی خاطر نو آبادیات کا بھوکا ہے اور آہستہ آہستہ ان کو ہضم کرتا جاتا ہے' اٹلی نے حبشہ کو اسی کی خاطر تباہ و برباد کیا اور ہسپانیہ کی تباہی و بربادی کا راز بھی اسی میں مضمر ہے۔ مشرق بعید میں جاپان کے چین پر بے پناہ مظالم اسی داستان کا ایک ورق ہیں۔ اور فلسطین میں برطانیہ کے سفاکانہ مظالم کا راز بھی اسی میں مضمر ہے (مولانا موصوف نے یہ حالات آج سے پچاس ساٹھ برس قبل کے تحریر فرمائے اور آج کل کے حالات کا تجزیہ کیا جائے تو حالات بد سے بدتر ہو چکے ہیں اور فی الوقت جو ممالک ویٹو کا حق رکھتے ہیں وہ دنیا کے تمام ممالک کو اپنا غلام قرار دے چکے ہیں جو بھی ان میں سے ذرا سی خود اختیاری اور خود مختاری کا حق وصول کرنا چاہتا ہے اس پر اقتصادی پابندی لگا دی جاتی ہے اور تمام دنیا کو اس سے تعلقات منقطع کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے بلکہ بوقت ضرورت طاقت و اسلحہ کا استعمال کرنے سے بھی نہیں چوکتے بلکہ اپنے ساتھ دس کو اور ملا کر سرکشی کی تمام روایات کو شرما دیتے ہیں آج کل کے زیر عتاب ممالک میں سے عراق' سوڈان' لیبیا وغیرہ سرفہرست ہیں۔ ۱۲)

غرض مشرق و مغرب اور ایشیا و یورپ کی موجودہ جنگ و پیکار اور ہوس ملک گیری' غیر مہذب ممالک کو مہذب

بنانے کیلئے وجود پذیر نہیں ہوئی بلکہ تجارتی منڈیوں کے اضافے اور اپنی معاشی حالات کو بہتر بنانے کے لئے مظلوموں پر معاشی دستبرد کی خاطر عمل میں لائی جا رہی ہیں۔ جس قوم میں تجارت نہیں وہ آج نہیں تو کل ضرور غلام بن کر رہے گی اور جو ملک تجارت کی برکتوں سے محروم ہے وہ صبح نہیں تو شام تک ضرور قعر ہلاکت میں گر کر تباہ ہو جائے گا۔ اسلام نے اسی لئے بار بار تجارت کی ترغیب دی اس کے فضائل و برکات سنائے دنیوی فوائد بتائے اور دینی بشارتیں سنائیں

فاذا قضیت الصلوه فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ۔

(الجمعہ)

ترجمہ : "جب نماز (جمعہ) پوری ہو جائے تو زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل (مال تجارت و رزق) کو تلاش اور حاصل کرو"۔

یہاں "فضل" سے مراد طلب رزق و مال ہے اور آیت کا شان نزول ترغیب تجارت پر مبنی ہے۔

لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارة عن تراض منکم۔

(النساء)

ترجمہ : "اپنے اموال کو آپس میں باطل کی راہ سے نہ کھاؤ

بلکہ باہمی رضا کے ساتھ تجارت کی راہ سے نفع حاصل کرو"۔

یا ایھا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم

(البقرۃ)

ترجمہ: "اے ایمان والو تم خرچ کرو ان پاک چیزوں میں سے جو تم نے کمائی ہیں"۔

مشہور تابعی مفسر مجاہدؒ آیت کے جملہ "ما کسبتم" کی تفسیر میں کسب سے مراد تجارت لیتے ہیں (بیہقی البیوع ج۵)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشھداء

(ترمذی البیوع)

ترجمہ: "رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ سچے اور امانت دار تاجر کا حشر نبیوں، صدیقوں اور شہداء کے ساتھ ہوگا"۔

کنز العمال کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص تجارت کرتا ہے اس کے یہاں خیر و برکت اور رفاہیت پیدا ہوتی ہے۔

عن النبی ﷺ قال التجار یحشرون یوم

القیامۃ فجارا الا ان اتقی وبر وصدق۔

(ترمذی، بیہقی فی الشعب)

ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن تاجر فاسق و فاجر اٹھیں گے مگر یہ کہ انہوں نے پرہیزگاری اور سچائی سے کاروبار کیا ہوگا"۔

(اسلام کا اقتصادی نظام ص ۲۴۲)

حضرت شیخ الحدیثؒ نے فضائل تجارت میں اس سلسلہ کی مزید روایات ذکر فرمائی ہیں اختصار کے پیش نظر ان میں سے چند کے ترجمہ پر اکتفا کیا جاتا ہے:

"حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بہترین کمائی ان تاجروں کی کمائی ہے جو جھوٹ نہیں بولتے، امانت میں خیانت نہیں کرتے، وعدہ خلافی نہیں کرتے اور خریدتے وقت اس چیز کی مذمت نہیں کرتے (تاکہ بیچنے والا قیمت کم کرکے دیدے) اور جب (خود) بیچتے ہیں تو (بہت زیادہ) تعریف نہیں کرتے (تاکہ زیادہ ملے) اور اگر ان کے ذمہ کسی کا کچھ نکلتا ہو تو ٹال مٹول نہیں کرتے۔ اور اگر خود ان کا کسی کے ذمہ نکلتا ہو تو وصول کرنے میں تنگ نہیں کرتے۔ (ترغیب ۳/۵۸۱)

نیز ایک حدیث میں ہے:

"سچ بولنے والا تاجر قیامت میں عرش کے سایہ میں ہوگا"۔ (ترغیب)

نیز ارشاد ہے :

"تاجر میں جب چار باتیں آجائیں تو اس کی کمائی پاک ہوجاتی ہے جب خریدے تو اس چیز کی مذمت نہ کرے اور بیچے تو (اپنی چیز کی بہت زیادہ) تعریف نہ کرے اور بیچنے میں گڑبڑ نہ کرے اور خرید وفروخت میں قسم نہ کھائے"۔ (ترغیب ۳/۵۸۶)

نیز ایک جگہ ارشاد ہے کہ :

"خرید وفروخت کرنے والے کو (بیع توڑنے کا) حق ہے جب تک وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹیں۔ اگر بائع ومشتری سچ بولیں اور مال اور قیمت کے عیب اور کھرے کھوٹے ہونے کو بیان کردیں تو ان کی بیع میں برکت ہوتی ہے۔ اور اگر عیب کو چھپالیں اور جھوٹ اوصاف بتادیں تو شاید کچھ نفع کمالیں (لیکن) بیع کی برکت ختم کردیتے ہیں"۔ (ترغیب ۳/۵۸۶)

نیز ارشاد ہے :

"نو حصے رزق تجارت میں ہے اور ایک حصہ جانوروں کی پرورش وپرداخت میں ہے"۔ التراتیب الاداریہ ۲/۱۰)

اور دیلمی نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ :

"تمہیں تاجروں کے ساتھ خیر کے برتاؤ کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ لوگ ڈاکئے اور زمین میں اللہ تعالیٰ کے امین ہیں"۔

اور عتبیہ میں ہے کہ حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تجارت کو ضروری سمجھو یہ سرخ لوگ (عجمی غلام) تمہاری دنیا پر امتحان نہ بن جائیں"۔ (التراتیب الاداریہ ۲/۲۰)

....

(فائدہ) :۔ حضرت امام شہاب مالکیؒ نے فرمایا کہ قریش کے لوگ تجارت کرتے تھے اور عرب لوگ تجارت کو حقیر سمجھتے تھے اور سرخ لوگوں سے مراد عجمی غلام جو عموماً سرخ رنگ کے ہوتے تھے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کے نزدیک تجارت کی اہمیت اور اس سے متعلق ان کی ایک اہم پیشگوئی

المدخل ابن حاج میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ خلافت میں ایک مرتبہ بازار میں تشریف لائے تو دیکھا کہ عموماً تجارت کرنے والے باہر سے آئے ہوئے عوام الناس ہیں یہ دیکھ کر غمگین ہوئے اور جب خاص خاص لوگ جمع ہوئے تو ان سے حضرت عمر نے یہ بات بیان کی۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فتوحات اور مال غنیمت کی وجہ سے تجارت کرنے سے ہم کو مستغنی کردیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم لوگ ایسا کروگے تو تمہارے مردان کے مردوں کے اور تمہاری عورتیں ان کی عورتوں کی محتاج ہوجائیں گے۔

علامہ عبدالحئی کتانیؒ فرماتے ہیں کہ حضرتؓ کی فراست اس امت

کے بارے میں بالکل بچی ہوئی۔ کیونکہ جب اس امت نے مشروع طریقے سے تجارت کو چھوڑ دیا تو اس کو غیروں نے اختیار کر لیا اور امت مسلمہ غیر مسلموں کی محتاج ہو گئی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیزوں تک میں دوسروں کے محتاج ہو گئے۔ (التراتیب الاداریہ ۲/۹)

نیز حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ بعض اجلہ صحابہؓ کی تجارتی سرگرمیوں سے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"صحابہ میں سے حضرت ابو بکر (صدیق) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تجارت معروف تھی۔ اصابہ میں ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بحیثیت ایک تاجر کے معروف آدمی تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت ان کے پاس ۴۰ ہزار درہم تھے ان میں سے غلام آزاد کرتے تھے، مسلمانوں کی خبر گیری کرتے تھے یہاں تک کہ جب مدینہ منورہ آئے تو صرف پانچ ہزار درہم باقی رہ گئے تھے .... اور موت کے وقت کچھ نہ چھوڑا۔

اور تاریخ ابن عساکر میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی ہی میں شہر بصریٰ تجارت کے لئے تشریف لے گئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کا شوق اور تعلق خصوصی بھی سفر تجارت سے مانع نہ ہوا ....

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی تجارت کرتے

تھے۔ بعض احادیث جو انہیں معلوم نہ ہو سکیں ان کے بارے میں انہوں نے خود فرمایا

الهانی الصفق فی الاسواق۔

ترجمہ: "مجھے بازار کے کاروبار نے مشغول رکھا جس کی وجہ سے بعض باتیں معلوم نہ ہو سکیں"۔

متعدد محدثین نے حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے علاوہ کوئی موقع ایسا نہیں جس میں مجھے موت آجانا اس سے زیادہ محبوب ہو کہ میں اپنی محنت اور کوشش سے روزی طلب کر رہا ہوں، یعنی اس موقع پر موت آجانا جہاد کے علاوہ تمام مواقع سے بہتر ہے اس کے بعد یہ آیت تلاوت کی و آخرون یضربون فی الارض یبتغون من فضل اللہ (علامہ سرخسیؒ نے بھی اس روایت کو ذرا مختلف انداز میں ذکر فرمایا ہے۔ ۱۲)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی تاجر تھے ان کا تاجر ہونا تو بہت زیادہ مشہور ہے۔ زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں تاجر رہے۔ (ملخصا من التراتیب الاداریہ)

....

تراتیب الاداریہ میں تاجرین کی فہرست میں حضرت ام المومنین خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اسم گرامی بھی لکھا ہے ان کا تاجر ہونا اور شام کی طرف ساجھے پر تجارت کے لئے مال دیکر لوگوں کو بھیجنا معروف و مشہور ہے انہوں نے اپنے

غلام میسرہ کے ساتھ حضور اقدس ﷺ کو بھی مال تجارت دیکر تجارت کے لئے بھیجا تھا....

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ بھی تاجر تھے.... ان کے ایک ہزار غلام تھے جو روزانہ ان کی خدمت میں ایک مقررہ حصہ پیش کرتے تھے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی تاجر تھے....

نیز حضرت شیخ نے التراتیب الاداریہ کے حوالہ سے حضرت سعد بن عائذ موذن، حضرت ابو معلق انصاری حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی تجارت کا ذکر فرمایا ہے۔ اور آخر میں تحریر فرمایا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مختلف چیزوں کی تجارت کرتے تھے جس کی تفصیل تراتیب الاداریہ میں ہے اس میں مختلف ابواب کے تحت صحابہ کا مختلف انواع کی تجارت کا ذکر کیا ہے۔"

(فضائل تجارت ص ۶۷۔۷۱ باختصار)

عہد اسلامی میں تجارت کا فروغ اور اقتصادی ترقی

مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ اپنی تصنیف لطیف "اسلام کا اقتصادی نظام" میں تحریر فرماتے ہیں:

"اسلام سے پہلے عرب کی تجارت کا بہت بڑا تعلق مصر، روم، ایران اور ہندوستان کے ساتھ تھا، اور اس کے لئے انہوں نے حسب ذیل مقامات میں منڈیاں قائم کر رکھی تھیں۔ دومۃ الجندل، مشقر، ھجر، صحار، ریا، شحر، عدن، صنعاء، رابیہ، حضر موت، عکاظ، ذوالمجاز، اور بصریٰ۔ (بحوالہ الاسلام الحضارۃ العربیہ ص ۴۹)

اسلامی خلافت نے ان کو بھی باقی رکھا اور جلیل القدر صحابہ کرامؓ نے خود بھی کاروبار کیا اور قرآن کریم نے "وابتغوا من فضل اللہ" کہہ کر اس کو اور زیادہ مضبوط بنادیا۔ مدینہ طیبہ کے مقام سلخ میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کپڑے کا گودام اور کارخانہ تھا۔ (بحوالہ ابن سعد ۲۳ ۱۳۶)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تجارت کا تعلق ایران تک وسیع تھا۔ (بحوالہ مسند احمد ص ۱۱ الحضارۃ العربیہ ص ۱۵۲)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی کپڑے کی تجارت تھی اور شام کے ساتھ بیوپار کرتے تھے، خاص حجاز میں عکاظ کی منڈی سنہ ۱۲۹ھ تک قائم رہی۔ (بحوالہ انسانی ص ۵۶ ج ۸)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور عمارہ بن الولید کا تجارتی کاروبار حبشہ میں نجاشی اور اس کے اعیان سلطنت کے ساتھ چلتا تھا اور اسی طرح بیشتر صحابہ تجارتی کاروبار میں مشغول تھے۔

اسی طرح مدینہ طیبہ میں یہود کی تجارتی منڈیاں اور صنعت وحرفت کے کارخانے تھے انصار مدینہ نے صنعت وحرفت کا کام انہی سے سیکھا اور اسلام قبول کرنے کے بعد پھر انہی کے ہاتھ میں یہ کام آگیا۔ یہود نے انکو کپڑا بننا، رنگ سازی، تلواریں بنانا، زرہ بنانا، آلات جنگ بنانا اور کاشت کاری کا کام سکھایا۔" (بحوالہ الاسلام الحضارۃ العربیہ ۱/۲)

بری تجارت کے علاوہ بحری تجارت کا بھی یہی حال تھا چنانچہ اسلام سے پہلے اور اسلام کے زمانے میں اہل عرب کی تجارتی برآمد سونا، چاندی، تانبا، موتی، لوہا، جواہرات، خوشبوئیں، کھانے کا مصالحہ، چمڑا، کھال، زین پوش، بھیڑ اور بکری تھے۔ اور درآمد میں دوسرے ملکوں سے کپڑا، غلہ، ہتھیار، آئینہ اور دوسری آرائش کی چیزیں، مشک، سیاہ مرچ، عود ہندی، قسط ہندی، تر ہندی، کافور، زنجبیل، صندل، ناریل اور لونگ وغیرہ اشیاء تھیں۔ قرآن عزیز نے بحری تجارت کے متعلق ایک جگہ اس طرح ترغیب دی ہے:

وتری الفلک فیہ مواخر لتبتغوا من فضلہ۔

(الفاطر۔ نمبر ۳)

ترجمہ: "اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ وہ سمندر میں پانی پھاڑ کر چلتی ہیں تاکہ تلاش کرو اس کے فضل (تجارت) کو"۔

ان تفصیلات کے ذکر سے یہ مقصد ہے کہ تجارت اور صنعت وحرفت جو اقتصادی نظام کی جان ہے اسلام نے اپنے اقتصادی نظام میں اس کی اہمیت کو نظرانداز نہیں کیا اور اس کو فروغ دینے اور کامیاب بنانے میں امکانی کوشش کی، بلکہ اسلامی حکومت نے کہ جس کا ابتدائی مرکز حکومت سرزمین حجاز تھا، تجارت وصنعت وحرفت ہی کو اقتصادی زندگی کا سب سے بڑا ذریعہ تسلیم کیا اور اسلامی روایات نے مذہبی بشارات کے ساتھ اس کی پرزور تائید کی۔ (اسلام کا اقتصادی نظام ص ۲۵۴)

یہ تو تجارت کی اہمیت کا بیان تھا اور زراعت کی اہمیت کا بیان آگے آتا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صنعت وحرفت کی اہمیت پر بھی کچھ روشنی ڈالی جائے۔ چنانچہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اس بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

صنعت وحرفت

وسائل معیشت کے شعبوں میں سے تیسرا اہم شعبہ "صنعت وحرفت" ہے اور بے شبہ تمدن وحضارت کی ترقی میں صنعت وحرفت کو بھی نمایاں دخل ہے اور تجارت کے ساتھ ساتھ صنعت وحرفت کی برکات بھی بہت زیادہ ہیں بلکہ یہ خود تجارت کا ہی ایک اہم حصہ ہے اور تجارت کا بہت بڑا مدار اسی

کی ترقی پر ہے۔

اسلام کا ابتدائی دور مشینوں کا دور نہ تھا اس لئے اس ذریعہ سے صنعت وحرفت کی جو ترقیاں ہو رہی ہیں ان کا تذکرہ ملوں اور کارخانوں کی بحث میں آئے گا۔ مشینیں جن صنعتی اغراض کے لئے بھی استعمال کی جائیں اور آئندہ ایجادات میں کام میں لائی جائیں اور ان کے استعمال کے جو طریقے بھی بن پڑیں اسلام کے اقتصادی نظام میں ان سے متعلق اساسی وبنیادی احکام بھی آئندہ صفحات میں بیان ہوں گے۔ لیکن دستی مصنوعات اور دستی کاروبار کیلئے اسلام نے ترغیبات کا سلسلہ بھی رکھا ہے۔ اور اس کی انواع واقسام اور بعض جزئی تفصیلات تک کا بھی ذکر کیا ہے' اور توجہ دلائی ہے کہ معاشی زندگی کی ترقی میں یہ ایک نہایت مرغوب اور پسندیدہ عملی جدوجہد ہے۔

عن المقدام عن النبی ﷺ قال ما اکل احد طعاما قط خیرا من ان یاکل من عمل یده وان نبی الله داؤد کان یاکل من عمل یده۔

(بخاری، البیوع)

ترجمہ: "حضرت مقدامؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی کھانا نہیں اور حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے"۔

حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بناتے اور جنگ کے لئے لوہے کی قمیص کی صنعت کا کام کرتے تھے۔ حدیث میں اس کی طرف

اشارہ ہے۔ خالدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ انسان کے لئے کسب معاش کا کون سا ذریعہ بہتر ہے؟ فرمایا دستکاری (بحوالہ ابن ماجہ)

بعض روایات میں ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی کا اور حضرت ادریس علیہ السلام کپڑا بننے کا کام کیا کرتے تھے اور اس سے معاش پیدا کرتے تھے۔ (بحوالہ فتح الباری ۴؍۲۴۴)

اسلام سے پہلے قریش اگرچہ تجارت کے خوگر تھے اور سورہ "ایلاف" میں سردی اور گرمی کے کاروان تجارت کی آمد ورفت کا اسی لئے تذکرہ کیا گیا ہے۔ تاہم اس کے علاوہ بھی بعض دوسرے ذرائع آمدنی ان کی معاش کا ذریعہ تھے' بلکہ بعض اوقات وہ ان کو تجارت پر بھی ترجیح دیتے تھے یعنی "جوا' غارت ولوٹ مار اور سودی لین دین" اسلام نے ان غلط راہوں کو بند کرکے صرف جائز طریقہ تجارت کو باقی رکھا' اس کی ترغیب دی اور خود نبی اکرم ﷺ نے بصریٰ کی منڈی میں حضرت خدیجہؓ کے مال کی خرید وفروخت فرمائی اور اس طرح اپنے پیروؤں کے لئے اسوہ حسنہ بن کر ان کو بااخلاق تاجر بنایا۔ بننے' سینے' جوتیاں بنانے' برتن بنانے اور اسی قسم کی گھریلو ضروریات کو خود تیار کرنے کی حوصلہ افزائی فرمائی' عورتوں کو کاتنے کی ترغیب دی تو مردوں کو بننے کی تلقین کی۔ اور اس طرح دست کاری سے روزی کمانے کو دنیوی فلاح بھی بتایا اور اخروی شاد کامی کی بشارتوں سے بھی نوازا۔

اسلام نے اس بارے میں بھی صرف ترغیبات اور ضروری اصلاحات ہی تک اپنی رفتار کو محدود نہیں رکھا بلکہ تجارت اور صنعت وحرفت کی ترقی کے ذرائع کو وسیع کیا اور خلافت راشدہ اور عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور حکومت میں عرب سے باہر ایران، شام، عراق، مصر اور روم میں تجارتی منڈیاں قائم کی گئیں اور ان کی ترقی کے لئے بہتر سے بہتر سہولتیں مہیا کی گئیں۔"

(اسلام کا اقتصادی نظام ص۲۴۹۔۲۵۱)

صنعت وحرفت کی اہمیت سے متعلق حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

تمام ضروری صنعتوں کی ابتداء وحی کے ذریعہ ہوئی ہے

حافظ شمس الدین ذہبی کی الطب النبویؐ میں بعض سلف صالحین سے نقل کیا گیا ہے کہ انسان کے لئے جتنی صنعتوں کی ضرورت ہے ان سب کی ابتدا بذریعہ وحی الٰہی کسی پیغمبر کے ذریعہ عمل میں آئی ہے۔ پھر حسب ضرورت اس میں اضافے اور سہولتیں مختلف زمانوں میں ہوتی رہیں سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام کی طرف جو وحی آئی ہے اس کا بیشتر حصہ زمین کی آباد کاری اور مختلف صنعتوں سے متعلق ہے، بوجھ اٹھانے کے لئے پہیوں کے ذریعہ چلنے والی گاڑی کی ایجاد بھی اسی سلسلہ کی

ایجادات میں سے ہے....

معلوم ہوا کہ اشیائے ضرورت کی صنعت کاری اتنی اہمیت رکھتی ہے کہ بطور وحی انبیاء علیہم السلام کو سکھائی گئی ہے"۔

(معارف القرآن ۴ر۶۳۰ سورہ ھود)

(ت) ۔ پس آیت شریفہ میں حق تعالیٰ شانہ نے تجارت کے ذکر کو جہاد پر مقدم فرمایا ہے حالانکہ جہاد سنام الدین (دین کا کوہان یعنی اونچا کندھا) ہے اور اسی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے تلاش معاش میں سواری پر ہی موت آلے یہ میرے لئے زیادہ خوش کن ہے بہ نسبت اس کے کہ میں جہاد فی سبیل اللہ میں مارا جاؤں۔

نیز ارشاد نبویؐ ہے:

التاجر الامین مع الکرام البررة یوم القیامة رواه الترمذی بلفظ "التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشهداء)

ترجمہ: "امانت دار تاجر قیامت کے روز بڑے درجہ والے نیکو کاروں کے ساتھ ہوگا"۔

زراعت کی اہمیت

اور ہمارے اکثر مشائخ کرام کی رائے یہ ہے کہ پیشہ زراعت تجارت سے افضل ہے کیونکہ کاشتکاری بھی تجارت سے کہیں زیادہ نفع بخش اور نتیجہ خیز ہوتی ہے چنانچہ کاشت کاری ہی تو وہ عمل ہے جس سے انسان اپنی خوراک

کا بندوبست کرتا ہے اور اسی وجہ سے پھر (وہ) اپنی کمر سیدھی رکھ سکتا ہے اور قوت عمل اپنے اندر پیدا کرتا ہے اور تجارت سے (براہ راست) یہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا بلکہ ہاں یہ افزائش نسل کا سبب ضرور ہے۔ اور حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

خیر الناس من ھو انفع للناس۔ (عہ)

(ھو فی الجامع الصغیر ص ۲۰۴۴)

ترجمہ: "بہترین آدمی وہ ہے جو لوگوں کے لئے زیادہ کار آمد (اور مفید) ہو"۔

لہذا جس شے کا نفع زیادہ عام ہو اسی میں مشغول ہونا افضل ہے۔ اسی لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو زراعت (ف) میں خیر کے مواقع زیادہ ہیں کہ کاشت کار کی کارگزاری سے انسان سے لے کر چرند پرند سب ہی مستفید ہوتے ہیں اور یہ سب کاشت کار کے لئے صدقہ وخیرات شمار ہوتا ہے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

ما غرس مسلم شجرۃ فیتناول منھا انسان او دابۃ او طیر الا کانت لہ صدقۃ

(الحدیث متفق علیہ خلاف فی اللفظ (المشکوۃ الزکاۃ فضل الصدقۃ)

ترجمہ: "نہیں لگایا کسی مسلمان نے کوئی درخت کہ پھر اس سے کوئی انسان یا چرند وپرند کھاتے الا یہ کہ وہ اس کے لئے صدقہ ہو جاتا ہے"۔

نیز ایک جگہ ارشاد ہے:

ما اکلت العافیۃ فھی لہ صدقۃ

(رواہ النسائی والدارمی (المشکوۃ فضل الصدقۃ)

ترجمہ: "اس میں عافیہ ...... جو کچھ کھائے وہ لگانے والے کے لئے صدقہ ہے"۔

(ف) "عافیہ" وہ پرندے جو خوراک تلاش کرتے ہوئے اپنے گھونسلوں کی طرف لوٹ رہے ہوں۔ اور اس لفظ سے مراد عام لی جائے تو انسان (اور چرند وپرند) جو رزق کا طالب ہو اس میں داخل ہے۔

(ف) :۔ زراعت سے متعلق مولانا سیوہارویؒ تحریر فرماتے ہیں:

"اللہ جل شانہ نے قرآن عزیز میں زراعتی پیداوار کو انسانی دنیا پر عظیم الشان احسان جتا کر اس حقیقت کی جانب توجہ دلائی ہے کہ طبعی وسائل معیشت میں زراعت کو خاص اہمیت حاصل ہے:

افرایتم ما تحرثون○ ءانتم تزرعونہ ام نحن الزارعون○ لو نشاء لجعلناہ حطاما فظلتم تفکھون○ انا لمغرمون○ بل نحن محرومون○

(الواقعہ)

ترجمہ: "بھلا بتاؤ تو تم جو کھیتی کرتے ہو اس کو تم پیداوار بناتے ہو یا ہم بناتے ہیں اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا کریں اور تم باتیں بناتے رہ جاؤ کہ بلاشبہ ہم پر تاوان ڈالا گیا بلکہ ہم تو محروم رہ گئے"۔

اور اسی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے نبی اکرم ﷺ نے زراعت کے فضائل میں گراں قدر ارشادات فرمائے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

اطلبوا الرزق فی خبایا الارض۔

ترجمہ: "رزق کو زمین کی پنہائیوں میں تلاش کرو"۔

امام سرخسی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں یعنی عمل الزراعہ۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد سے زراعت اور کاشت کاری مراد ہے (اسلام کا اقتصادی نظام ص ۱۶۵)

(ف ۲) :۔ مولانا سیوہاروی فرماتے ہیں کہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ زراعت ایسا عمل ہے کہ عامل کی نیت کے بغیر بھی اس مخلوق خدا کو فائدہ پہنچتا ہے۔ چنانچہ شیخ بدر الدین عینیؒ اس کی شرح میں تصریح فرماتے ہیں:

"اور اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ درخت لگانے اور کھیتی کرنے والے کو اس عمل پر اجر و ثواب ملتا ہے خواہ اس نے اس ثواب کا ارادہ بھی نہ کیا ہو حتی کہ اگر اس نے درخت بویا اور فروخت کردیا اور کاشت کاری کی اور اس کو فروخت کردیا تب بھی یہ اس کے حق میں صدقہ ہوجائے گا اس لئے کہ اس کا یہ عمل مخلوق خدا کی روزی میں اضافہ کا باعث ہوا۔

(از اسلام کا اقتصادی نظام ص ۱۴۶ بحوالہ عینی شرح بخاری ج ۵ ص ۱۷۱)

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ کے نزدیک زراعت کی اہمیت

فیلسوف اسلام حضرت مولانا شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ بنیادی معاشی وسائل میں سے زراعت کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ جس ملک میں اس کے وسائل موجود ہوں اس جگہ اگر اس سے بے اعتنائی برتی جائے تو اس ملک کی تمدنی حالت کبھی صحیح نہیں رہ سکتی اور اس کا فاسد اور برباد رہنا یقینی ہے اس لئے کہ خام اجناس کی پیداوار کے بغیر نہ تجارت چل سکتی ہے اور نہ صنعت و حرفت بروئے کار آسکتی ہے چنانچہ فرماتے ہیں (بنظر اختصار صرف ترجمہ پیش کیا جاتا ہے)

"پس اگر باشندگان ملک کی اکثریت صنعت و حرفت اور شہری سیاسیات ہی میں مصروف رہے اور زراعت اور مویشیوں کی حفاظت اور پرورش کی جانب بہت تھوڑے لوگ مشغول ہوں تو ان کی دنیوی تمدنی زندگی فاسد اور خراب ہوجائے گی۔"

(اسلام کا اقتصادی نظام ص ۱۴۸ بحوالہ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۰۹ ج ۳)

حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کے نزدیک زراعت کا مرتبہ

آپ تحریر فرماتے ہیں:

"تجارت کے بعد میرے نزدیک زراعت افضل ہے، زراعت کے متعلق حدیث میں آیا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ

نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی مسلمان جو درخت لگائے یا زراعت کرے پھر اس میں سے کوئی انسان یا پرندہ یا کوئی جانور کھالے تو یہ بھی اس کے لئے صدقہ ہے۔ اور مسلم کی ایک روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اس میں سے چوری ہو جائے تو وہ بھی اس کے لئے صدقہ شمار ہوتا ہے۔" (بحوالہ مشکوۃ ج ۱ ص ۱۶۸)

اور ضرورت کے اعتبار سے بھی زراعت اہم ہے کیونکہ اگر زراعت نہ کی جائے تو کھائیں گے کہاں سے؟ زراعت کی فضیلت قرآن پاک میں کئی جگہ آئی ہے اور بطور احسان کے اللہ جل شانہ نے کئی جگہ آسمان سے پانی برسانے کا ذکر کیا ہے تاکہ کھیتی کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وهو الذی انزل من السماء ماء فاخرجنا به نبات كل شیء فاخرجنا منه خضرا نخرج به حبا متراكبا۔

(الآیہ پ۷ سورہ الانعام)

ترجمہ: "اور اللہ وہی ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس کے ذریعہ ہر چیز کے پودے اگائے پھر ہم نے اس سے سبز چیز نکالی اس کے ذریعہ غلوں کے دانے نکالے جو ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے ہیں۔ اور کھجور کے گابھے میں سے پھل کے گچھے جھکے ہوئے اور باغ انگور کے اور زیتون کے اور انار کے آپس میں ملتے جلتے اور جدا جدا بھی، دیکھو ہر ایک درخت کے پھل کو

جب وہ پھل لاتا ہے اور اس کے پکنے کو ان چیزوں میں نشانیاں ہیں واسطے ایمان والوں کے"۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

اور اس قسم کی بہت سی آیات ہیں کھیتوں اور باغوں کو پیدا کرنے پر جن میں احسان جتایا ہے۔ سورہ ہود میں ارشاد ہے

هو انشاكم من الارض واستعمركم فيها فاستغفروه ثم توبوا اليه ان ربی قريب مجيب۔

(پ ۱۲ سورہ ھود)

ترجمہ: "اسی نے بنایا تم کو زمین سے اور بسایا تم کو اس میں سو گناہ بخشواؤ اس سے اور رجوع کرو اس کی طرف تحقیق میرا رب نزدیک ہے قبول کرنے والا"۔

امام ابو بکر جصاصؒ رازی نے فرمایا ہے کہ اس آیت سے زمین کو آباد کرنے کا وجوب مستنبط ہو جاتا ہے۔ خواہ کھیتی سے ہو خواہ باغ لگا کر خواہ عمارتیں بنا کر۔"

(فضائل تجارت ص ۱۷)

(ت) :۔ پھر وہ کاروبار جس میں (عامل کی نیت کے بغیر ہی) صدقہ (کے ثواب) کا حصول نہ ہو اس کی فضیلت بھی نہیں مثلاً کپڑے تیار کرنے کی صنعت کہ باوجودیکہ وہ نماز کی ادائیگی میں تعاون کا ذریعہ ہے مگر وہ افضل نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ جس عمل (اور کاروبار) میں صدقہ وخیرات کے مواقع زیادہ ہیں اسی کا اختیار کرنا افضل ہے۔ (ف ا)

(ف ۱) مختلف وسائل معاش اور علامہ عینیؒ کا فیصلہ :۔

شیخ بدر الدین عینیؒ (شارح بخاری شریف) نے شرح بخاری شریف میں اس اختلاف رائے پر بحث کرتے ہوئے یہ بہترین فیصلہ دیا ہے کہ :

"ان ہر سہ وسائل (زراعت، تجارت، صناعت) کی اہمیت ذاتی نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ وہ مخلوق کی فلاح اور عام خوشحالی اور رفاہیت کا ذریعہ ہیں لہٰذا جن ممالک کے طبعی ماحول میں یا جن حالات میں زراعت زیادہ مفید اور نفع بخش ہے وہ تجارت اور صنعت پر قابل ترجیح ہے۔ اور جن مقامات میں اور جن واقعات وحالات میں تجارت یا صنعت عام رفاہیت کی کفیل ہیں وہاں وہ لائق ترجیح ہیں۔ غرض ان ہر سہ وسائل کے باہم راجح اور مرجوح کا سوال ملکوں کی طبعی حالت اور زمانہ کی ضروریات وحاجات کے پیش نظر ہے نہ کہ ذاتی فضیلت کے پیش نظر"۔

(ملاحظہ ہو اقتصادی نظام ص ۶۸)

(ت) :۔ اور تجارت کو زراعت پر ترجیح دینے والوں نے جس آیت کا سہارا لیا ہے (وآخرون یضربون ــــ الآیہ) اس کے متعلق امام مکحول وامام مجاہد رحمہما اللہ کی تفسیر (بھی) یہی منقول ہے کہ اس سے مراد وہ سفر ہے جو علم کی طلب کے لئے ہو چنانچہ اسی بنا پر ہم بھی فضیلت علم کے قائل ہیں اور امام

صاحب کا قول "طلب الکسب فریضۃ کما ان طلب العلم فریضۃ اسی حقیقت کا آئینہ دار ہے۔ کہ طلب کسب کو طلب علم سے تشبیہ دینا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ علم کی فرضیت کا درجہ دیگر اشیاء کی طلب سے اعلیٰ وافضل ہے۔

فرض علم کی حقیقت

علم دین کے حصول کی فرضیت کے متعلق حضور اقدس ﷺ کا ارشاد گرامی ہے :

طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم

(رواہ ابن ماجہ والبیہقی فی الشعب)

ترجمہ : "علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے"۔

اس سے مراد انسان کے روز مرہ درپیش مسائل کا علم ہے چنانچہ کہا جاتا ہے :

افضل العلم علم الحال وافضل العمل حفظ الحال۔

ترجمہ : "بہترین علم وہ ہے جو حال کے مناسب ہو اور بہترین عمل حال کو سنوارے رکھنا (اور اس کا خیال رکھنا) ہے"۔ (ف)

(ف) :۔ فرض علم کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری اپنی کتاب فضائل علم میں تحریر فرماتے ہیں :

"اسلام سراسر عمل کا نام ہے ماں کی گود سے لے کر قبر

کے گرجے میں پہنچنے تک احکام ہی احکام ہیں، حکم کی تعمیل چونکہ علم کے بغیر نہیں ہو سکتی اس لئے احکام دین کا جاننا اور احکام پر عمل کرنا انسان کا اولین فریضہ ہے۔ احکام خداوندیہ میں عقائد بھی ہیں اور عبادات بھی حقوق اللہ بھی اور حقوق العباد بھی اور ہر ایک کو ٹھیک طرح انجام دینے کے لئے علم صحیح کی ضرورت ہے جس کے اصول و فروع کتاب اللہ اور سنت رسول (ﷺ) سے لئے گئے ہوں۔ جب کسی نے اپنے کو مسلمان سمجھ لیا تو اس پر فرض ہو گیا کہ اسلامی تعلیم کے مطابق اپنے عقائد کو درست کرے۔ اور اس کی ذات سے متعلق جو احکام و اعمال ہیں ان کا علم حاصل کرے نماز، روزہ ہر بالغ مسلمان پر فرض ہے، ان کے مسئلے اور ادائیگی کے طریقے جاننا بھی لازم ہے۔ وضو، غسل اور پاک کرنے کا طریقہ، پاک و ناپاک کی پہچان، اوقات نماز اور اس قدر قرآن شریف صحیح طریقہ پر پڑھ سکنا جس سے نماز کا فرض قرات ادا ہو جائے یہ چیزیں سب فرض ہیں۔ اسی طرح بیوی ہے تو شوہر کا حق پہچانے اور شوہر ہے تو بیوی کا حق جانے، ماں باپ اولاد کے اور اولاد ماں باپ کے حقوق کا علم حاصل کرے، حسد، بغض، کینہ، تکبر، بخل وغیرہ جو نفس انسانی کو ناپاک کرنے والی چیزیں ہیں اور شرعاً حرام ہیں ان کے حرام ہونے کا علم ہونا اور ان سے بچنے کے طریقے جاننا بھی لازم ہے۔

اسی طرح صاحب نصاب پر زکوۃ فرض ہے اور زکوۃ کے متعلق مسائل کا علم بھی فرض ہے۔ اور جو شخص مکہ مکرمہ تک

سواری پر اپنے خرچہ کے ساتھ جا کر آسکتا ہو اس پر حج فرض ہے اور حج کے مسائل جاننا بھی فرض ہے، جو تجارت کرتا ہے اس پر تجارت کے مسائل کا علم اور جو حاکم ہے اس پر آئین شریعت کا علم فرض ہے تا کہ تاجر بے خبری میں حلال کو حرام نہ کرلے اور حاکم ظلم کا فیصلہ نہ کردے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان ضروری روزمرہ کے فرائض کے علاوہ جن کا ہر مسلمان سے تعلق ہے ہر ہر شخص پر اس کے ماحول اور متعلقین کے حقوق اور پیشہ و حرفت اور مشغلہ کے متعلق احکام شریعت جاننا بھی فرض ہے، مرد و عورت، امیر و غریب، حاکم و محکوم، راجہ پرجا سب اس حکم میں برابر ہیں پھر زندگی میں موقعہ بموقعہ جو حالات پیش آتے ہیں ان کے بارے میں علماء سے پوچھ پوچھ کر عمل کرتے رہیں۔

اس زمانہ کے لوگ صرف وضو، غسل، طہارت، نماز روزہ کے مسائل ہی کو اسلامی احکام سمجھتے ہیں اور انہی کے سیکھنے اور سکھانے کو علم سے متعلق "فریضہ" کی ادائیگی سمجھ لیتے ہیں، اسی وجہ سے معاملات میں ہزاروں شرعی غلطیاں کرتے ہیں اور کاروبار حرام طریقے پر چلاتے ہیں مگر اس سلسلہ میں مسائل دریافت نہیں کرتے نماز میں سہو ہو گیا تو سجدہ کا مسئلہ معلوم کرنے کے لئے عالم و مفتی صاحب کے پاس پہنچ گئے اور اپنی تجارت و ملازمت کے متعلق ذرا بھی نہیں سوچتے کہ اس بارے میں بھی کچھ حکم شرعی ہو گا۔ برسہا برس حج کو ٹالتے رہے اور جب بڑھاپا آنے لگا حج کو روانہ ہوتے ہیں تو حج کے احکام و مسائل سیکھے بغیر

ہی چل دیجئے۔

الحاصل عقائد اسلامیہ اور ضروریات دین کا علم حاصل کرنا عموماً اور ہر شخص کی ذات سے متعلقہ احکام و مسائل کا علم خصوصاً ہر شخص پر فرض ہے اور پورے دین کا علم ہونا یعنی مکمل احکام کا جاننا اور تفسیر و حدیث کا پورا پورا واقف ہونا فرض عین نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے۔ علامہ زرنوجیؒ "تعلیم المتعلم" میں فرماتے ہیں:

واما حفظ ما یقع فی بعض الاحایین ففرض علی سبیل الکفایة واذا قام به البعض فی بلدة سقط عن الباقین فان لم یکن فی البلدة من یقوم به اشترکوا جمیعا فی الماثم فیجب علی الامام ان یامرهم بذلک ویجبر اهل البلدة علی ذلک۔

ترجمہ: "لیکن حفظ کرنا ان احکام کا جو وقتاً فوقتاً پیش آتے رہتے ہیں سو یہ فرض کفایہ ہے، جب کسی شہر میں اتنا علم رکھنے والا کوئی موجود ہو تو باقی مسلمانوں سے فریضہ ساقط ہو جائے گا۔ پس اگر شہر میں کوئی بھی ایسا نہ ہو جو حوادث و واقعات کے متعلق مسائل بتا سکے تو سب گنہگار ہوں گے، امام المسلمین یعنی امیر وقت پر واجب ہے کہ ان کو حکم دے اور مجبور کرے کہ ایسا عالم، اپنے شہر میں رکھو جو عند الضرورة واقعات و حوادث کے متعلق صحیح فیصلہ دے سکے"۔

اس تصریح سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ اپنے اندر ایسے علماء پیدا کرتے رہیں جو پورے دین کے اصول و فروع سے واقف ہوں اور ہر قسم کے مسائل بتا سکیں، مگر مسلمانوں کا حال اس کے برعکس ہے، پورے پورے علاقے اور بڑے بڑے شہر خالی پڑے ہیں جہاں روز مرہ کے ضروری مسائل بتانے والا بھی کوئی نہیں۔

عورتوں پر وہ جہالت سوار ہے کہ فضول چیزوں بلکہ شرکیہ رسموں اور بیاہ شادی اور منگنی کی ہندوانہ باتوں کا پتہ تو سینہ بسینہ رکھنا ایسا ضروری سمجھتی ہیں کہ جس عورت کو ان خرافات و بدعات کا علم نہ ہو اس کو طعنے دیتی ہیں اور نکمی عورت سمجھتی ہیں مگر نماز کے فرائض و واجبات بلکہ صحیح عقائد اسلام تک سے جاہل رہ جانے کو ذرا بھی عیب کی بات نہیں جانتی ہیں، دوزخ میں جلیں تو پرواہ نہیں مگر رسمیں اور بدعتیں ضرور پوری ہوں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس زمانے کے لوگ اول تو کسی ایسے مسلمان کی اولاد ہونے ہی کو مسلمانی سمجھے ہوئے ہیں جو کئی سو سال پہلے گزر چکا ہو، عقیدہ اور علم سے واسطہ ہی کچھ نہیں اور اگر کسی کو ذرا بہت دین کی طرف دھیان ہے تو بس نماز روزہ اور غسل و وضو تک ہے، بچہ کو ناظرہ قرآن شریف ختم کرایا اور برس چھ مہینہ چھوٹا سا دینیات کا رسالہ پڑھا کر انگریزی اسکول کی ظالمانہ اور ملحدانہ گود میں پرورش کیلئے چھوڑ دیا۔ دنیا سے محبت ہے اس لئے دنیاوی

معاملات کا بھی شوق ہے، جس علم سے دنیا ملے اس پر ریجھتے ہیں برسہا برس خرچ کرتے ہیں اور اس کی تحصیل میں دولت لٹاتے ہیں، آخرت کی نہ محبت ہے نہ تمنا ہے نہ وہاں کے علوم و اعمال سے کوئی تعلق۔ اب تو ایک مصیبت یہ کھڑی ہو گئی ہے کہ انگریزی کالجوں اور یونیورسٹیوں کے بے علم مفتی، سائنس و فلسفہ اور جغرافیہ جاننے ہی کو علمی فریضہ کی ادائیگی جاننے لگے، اور اپنے فتوے کی دلیل میں "اطلبوا العلم ولو بالصین" کو پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو مولوی لوگ دنیوی علوم کے پڑھنے پر زور نہیں دیتے، شریعت کا مقصد نہیں پہچانتے، حدیث میں ہے کہ "علم حاصل کرو اگرچہ چین ہی جانا پڑے"۔ جس زمانہ میں "ولو بالصین" فرمایا ہے اس وقت چین میں قرآن و حدیث کا علم کہاں تھا، وہاں علوم دنیا سیکھنے کے لئے جانے کو فرمایا گیا ہے، یہ تقریر انگریز کے تربیت کردہ مفتیوں کی ہے۔

میں عرض کرتا ہوں یہ تو فرمایئے یہ حدیث کہاں ہے؟ ذرا حوالہ تو دیجئے اگر آپ حوالہ نہ دے سکیں تو مولوی ہی سے سنئے۔

اطلبوا العلم ولو بالصین اسانیدہ ضعیفة قال ابن حبان باطل لا اصل له۔

(ص ۵۱)

ترجمہ: "علم طلب کرو اگرچہ چین میں ہو اس کی سندیں ضعیف ہیں، محدث ابن حبان نے فرمایا کہ باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں"۔

غور فرمایئے جس حدیث پر عمل کرتے ہوئے آپ علوم دنیا کو فرض قرار دے رہے ہیں ایک جلیل القدر محدث ابن حبان رحمہ اللہ تو اس کو باطل قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس کی کوئی اصل نہیں یعنی آنحضرت ﷺ سے اس کا ثبوت نہیں ہے اگر ابن حبان کی تحقیق سے اتفاق نہیں تو یہ تو کم از کم ہے کہ اس حدیث کی تمام سندیں ضعیف ہیں حافظ زین الدین عراقیؒ "احیاء" کی تخریج میں امام بیہقی کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ "متنه مشهور واسانيده ضعيفه" یعنی اس حدیث کے الفاظ مشہور ہیں اور اس کی سندیں ضعیف ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ مسائل و احکام (نماز روزہ، زکوٰۃ، حج اور تجارت وغیرہ) کے متعلق آیات قرآنیہ اور صحیح الاسانید احادیث نبویہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ) پر عمل کرنے کو آپ کا دل نہیں چاہتا، اور اس ایک حدیث پر عمل کرنے کے لئے اس قدر بے قراری کہ اس کا ضعیف الاسناد ہونا بھی آپ کو نہیں روکتا؟! آپ کے اس بے پناہ جذبہ کا باعث صرف یہ امر ہے کہ آپ کو دنیا اور علوم دنیا سے محبت ہے، اور آخرت اور علوم آخرت سے نفرت ہے مقصد حدیث پر عمل کرنا نہیں ہے بلکہ حدیث کی آڑ لے کر حب دنیا کے طبعی تقاضے کو پورا کرنا مقصود ہے۔

اگر یہ حدیث حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہو تب بھی اس سے علوم آخرت کی تحصیل پر زور دینا مقصود ہے یعنی دین سیکھنا لازم ہے خواہ جس قدر بھی سفر کرنا پڑے حتی کہ عرب چھوڑ

کہ بھی اس مقصد سے چین بھی جانا پڑے تو چل دو، چین کو بطور مثال ذکر فرمایا اور مقصد یہ ہے کہ جس قدر دور جانا پڑے چلے جانا۔ باقی رہا یہ سوال کہ چین میں اس وقت علم دین کہاں تھا؟ میں عرض کروں گا کہ اس وقت آنحضرت ﷺ نہ چین بھیج رہے تھے نہ کسی صحابی نے اس حدیث کو سن کر چین کا سفر اختیار کیا، چین محض بطور مثال ذکر میں آگیا اور اگر آپ ضد کرتے ہی چلے جائیں کہ چین بھیجنا مقصود تھا اور علوم دنیا کی طرف متوجہ فرمانے کی غرض سے یہ حدیث ارشاد فرمائی تو میں سوال کروں گا کہ اس وقت چین میں وہ کون سی سائنس وغیرہ کی ترقی تھی جس سے دوسرے ممالک خالی تھے اور جس کے لئے وہاں کا سفر اختیار کرنے کا حکم فرمایا گیا، ذرا تاریخ دیکھ کر بتاؤ۔ جہاں تک ہم کو معلوم ہے وہ تو یہ ہے کہ تاریخ میں چین کی نقاشی مشہور ہے، آپ انصاف سے فرمائیں کہ کیا آنحضرت ﷺ نے اپنی مبارک صحبت سے ہٹا کر در و دیوار اور برتنوں پر پھول، پتیاں، اور طوطا مینا بنانے کی تعلیم کے لئے بھیجنا چاہا تھا؟ ایسی بات ہم تو نہیں کہہ سکتے آپ ہی کو مبارک ہو۔

اگر یہ کہا جائے کہ آپؐ کی صحبت چھوڑ کر صحابہ کرامؓ نے جانا پسند نہ کیا تو میں عرض کروں گا کہ آپؐ کے بعد بھی صحابہ کرام "پچاس برس تک دنیا میں تھے انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی بڑی بڑی خدمات انجام دیں مگر علوم دنیا سیکھنے کے لئے نہ چین تشریف لے گئے نہ جاپان نہ یورپ پہنچے نہ کسی دوسری جگہ کا سفر

اختیار کیا۔ حدیث نبوی (ﷺ) کا صحیح ترین مطلب سمجھنے والے اور فرمان نبوی پر سب سے زیادہ مضبوط اور پختہ طریقے پر عمل کرنے والے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) ہی تھے اگر انہوں نے یہ حدیث سن کر علوم دنیا کو اہمیت نہیں دی تو ہم کیوں اہمیت دیں؟ ان کے زمانہ میں اگرچہ دنیا کے علوم جدیدہ نہ تھے مگر دنیاوی علوم قدیمہ تو بہرحال تھے۔ ہاں اپنا اپنا دین و ایمان رکھتے ہوئے اور اسلامی علوم و اعمال سے وابستہ رہتے ہوئے کوئی مسلمان دنیاوی علوم حاصل کرے تو اس کی اجازت ہے"۔

(فضائل علم ص ۳۲-۳۰)

"علم تصوف" بھی فرض عین میں داخل ہے مگر اس سے کیا مراد ہے؟

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: احکام ظاہرہ نماز روزے کو تو سبھی جانتے ہیں کہ فرض عین ہے اور ان کا علم حاصل کرنا بھی فرض عین ہے، حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ نے تفسیر مظہری میں اسی آیت "وما کان المومنون لینفروا کافۃ (توبہ نمبر ۱۲۲) کے تحت لکھا ہے کہ:

"اعمال باطنہ اور محرمات باطنہ کا علم جس کو عرف میں علم تصوف کہا جاتا ہے چونکہ یہ باطنی اعمال بھی ہر شخص پر فرض عین ہیں تو ان کا علم بھی سب پر فرض عین ہے"۔

آج کل جس کو علم تصوف کہا جاتا ہے وہ بھی بہت علوم ومعارف اور مکاشفات وواردات کا مجموعہ بن گیا اس جگہ فرض عین سے مراد اس کا صرف وہ حصہ ہے جس میں اعمال باطنہ فرض وواجب کی تفصیل ہے مثلاً عقائد صحیحہ جس کا تعلق باطن سے ہے یا صبر وشکر' توکل وقناعت وغیرہ ایک خاص درجہ میں فرض ہے یا غرور وتکبر' حسد وبغض' بخل وحرص دنیا وغیرہ جو از روئے قرآن وسنت حرام ہیں ان کی حقیقت اور اس کو حاصل کرنا یا حرام چیزوں سے بچنے کے طریقے معلوم کرنا بھی ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے علم تصوف کی اصل بنیاد اتنی ہی ہے جو فرض عین ہے۔ (معارف القرآن ج ۴ ص ۴۹۰)

استقامت کی دولت حاصل کرنے کے لئے اس علم کو جو اہمیت حاصل ہے وہ اس کی تعریف سے خود عیاں ہیں حدیث شریف میں ہے انما الاعمال بالنیات۔ اور نیت کا تعلق قلب سے جس کے متعلق وارد ہے:

الا ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله الا وهی القلب

(متفق علیہ)

ترجمہ: "یعنی آگاہ رہو کہ انسان کے بدن میں ایک بوٹی ہے جب کہ وہ درست ہوگی اور اس میں باطنی یا ظاہری خرابی نہ پیدا ہوگی کل بدن درست ہوگا اور جب کہ وہ فاسد اور خراب ہوگی تو خراب ہوگا تمام بدن آگاہ رہو کہ وہ بوٹی دل ہے"۔

یعنی دل سلطان البدن ہے قلب کی درستی سے تمام اعضاء کی درستی رہتی ہے۔ (ترجمہ وتشریح از حضرت حکیم الامتؒ)

استقامت کیا ہے؟

استقامت کے معنی ہیں سیدھا کھڑا ہونا جس میں کسی طرف ذرا سا جھکاؤ نہ ہو' حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

"استقامت لفظ تو چھوٹا سا ہے مگر مفہوم اس کا ایک عظیم الشان وسعت رکھتا ہے کیونکہ معنی اس کے یہ ہیں کہ انسان اپنے عقائد عبادات معاملات' اخلاق ومعاشرت' کسب معاش اور اس کی آمد وصرف کے تمام ابواب میں اللہ جل شانہ کی قائم کردہ حدود کے اندر اس کے بتلائے ہوئے راستے پر سیدھا چلتا رہے ان میں سے کسی باب کے کسی عمل اور کسی حال میں ایک طرف جھکاؤ یا کمی زیادتی ہوجائے تو استقامت باقی نہیں رہتی۔

دنیا میں جتنی گمراہیاں اور عملی خرابیاں آتی ہیں وہ سب اسی استقامت سے ہٹ جانے کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ عقائد میں استقامت باقی نہ رہے تو بدعات سے شروع ہو کر کفر وشرک تک نوبت پہنچتی ہے' اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ذات وصفات کے متعلق جو معتدل اور صحیح اصول رسول کریم ﷺ نے بیان فرمائے اس میں افراط وتفریط یا کمی بیشی کرنے والے خواہ نیک نیتی ہی سے اس میں مبتلا ہوں گمراہ کہلائیں گے' انبیاء علیہم السلام کی عظمت ومحبت کی جو حدود مقرر کردی گئی ہیں ان میں کی

کرنے والوں کا گمراہ اور گستاخ ہونا تو سب ہی جانتے ہیں، ان میں زیادتی اور غلو کر کے رسول کو خدائی صفات واختیارات کا مالک بنا دینا بھی اسی طرح کی گمراہی ہے یہود ونصاریٰ اس گمراہی میں کھوئے گئے، عبادات اور تقرب الی اللہ کے لئے جو طریقے قرآن عظیم اور رسول کریم ﷺ نے متعین فرمادیئے ہیں ان میں ذرا سی کوتاہی جس طرح انسان کو استقامت سے گرادیتی ہے اسی طرح ان میں اپنی طرف سے کوئی زیادتی بھی استقامت کو برباد کر کے انسان کو بدعات میں مبتلا کردیتی ہے وہ بڑی نیک نیتی سے یہ سمجھتا رہتا ہے کہ میں اپنے رب کو راضی کررہا ہوں اور وہ عین ناراضگی کا سبب ہوتا ہے، اسی لئے رسول کریم ﷺ نے امت کو بدعات ومحدثات سے بڑی تاکید کے ساتھ منع فرمایا ہے اور اس کو شدید گمراہی قرار دیا ہے، اس لئے انسان پر لازم ہے کہ جب وہ کوئی کام عبادت اور اللہ تعالیٰ ورسول اللہ ﷺ کی رضا جوئی کیلئے کرے تو کرنے سے پہلے اس کی پوری تحقیق کرلے کہ یہ کام رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے اس کیفیت وصورت کے ساتھ ثابت ہے یا نہیں اگر ثابت نہیں تو اس میں اپنا وقت اور توانائی ضائع نہ کرے اسی طرح معاملات اور اخلاق ومعاشرت کے تمام ابواب میں قرآن کریم کے بتائے ہوئے اصول پر رسول کریم ﷺ نے اپنی عملی تعلیم کے ذریعہ ایک معتدل اور صحیح راستہ قائم کردیا ہے جس میں دوستی دشمنی، نرمی گرمی، غصہ اور بردباری، کنجوسی اور

سخاوت، کسب معاش اور اللہ پر توکل اور امکانی تدبیر، اسباب ضروریہ کی فراہمی اور مسبب الاسباب پر نظران سب چیزوں میں ایک ایسا معتدل صراط مستقیم مسلمانوں کو دیا ہے کہ اس کی نظیر عالم میں نہیں مل سکتی، ان کو اختیار کرنے سے ہی انسان، انسان کامل بنتا ہے اس میں استقامت سے ذرا گرنے ہی کے نتیجہ میں معاشرہ کے اندر خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

(معارف القرآن ج۴ ص ۲۷۰)

(ت) :۔ مراد یہ ہے کہ انسان کو اپنی ضروریات اور روز مرہ کے فرائض وواجبات سے متعلق علم حاصل کرنا فرض عین ہے مثلاً نماز کے لئے طہارت کا علم اگر تجارت کا ارادہ ہے تو اس سے متعلق مسائل سیکھنا ضروری ہے تاکہ سود (ربٰو) اور ناجائز خرید وفروخت میں پڑنے سے بچ سکے اگر مالدار ہے تو اس پر زکوۃ کے مسائل معلوم کرنا ضروری ہیں تاکہ جس جنس کا مال ہو اس کی زکوۃ صحیح طور سے ادا کرسکے اور اگر اس پر حج فرض ہے تو حج کے مناسک کا سیکھنا ضروری ہے تاکہ فریضہ حج کی ادائیگی کے قابل ہوسکے اور یہی مطلب ہے "علم الحال کا" اور اس کی (عقلی) دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے تا قیامت شریعت کی بقاء کا فیصلہ فرمایا ہے اور اس کی بقا کا انحصار اسی سلسلہ تعلیم وتعلم پر ہے لہٰذا علم کا سیکھنا اور سکھانا دونوں ہی فرض قرار پائے گا۔

اور کسب معاش کی فرضیت بھی ہم نے اسی طرح ثابت کی ہے۔

نیز علم دین کے حصول فرض (ف) ہونے پر ایک دلیل یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایسے لوگوں کو لعنت ملامت فرمائی ہے جو علم دین کے سیکھنے اور سکھانے سے جی چراتے اور لاپروائی برتتے ہیں کہ اس طرح وہ علم دین اٹھ جانے اور اس کے دنیا سے ختم ہوجانے کا سبب بنتے ہیں۔ اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعا ینزعہ من القلوب ولکن یقبض العلماء فاذا قبض العلماء اتخذ الناس رووسا جھالا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا۔

(الحدیث متفق علیہ مع خلاف فی اللفظ (انظر المشکوۃ، العلم فصل ۱)

ترجمہ :۔"اللہ تعالیٰ علم کو یوں نہیں اٹھائیں گے کہ اسے لوگوں کے قلوب سے نکال لیں بلکہ علماء کو اٹھالیں گے اور جب علماء اٹھ جائیں گے تو لوگ جاہل اناڑی لوگوں کو اپنا پیشوا اور رہنما بنالیں گے جو علم سے بے بہرہ ہوتے ہوئے بھی فتوے دیا کریں گے اور اس طرح خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسرں کو بھی گمراہ کریں گے"۔

نیز حصول علم کی فرضیت کی تاکید اس ارشاد ربانی سے ہوتی ہے

وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ

(سورہ توبہ آیت ۶)

ترجمہ :۔"اگر کوئی شخص مشرکین میں سے (زمانہ اباحت قتل میں بعد ختم میعاد امن کے توبہ واسلام کے فوائد وبرکات سن کر اس طرف راغب ہو اور حقیقت وحقیت اسلام کی تلاش کی غرض سے آپ کے پاس آکر) آپ سے پناہ کا طالب ہو (تاکہ اطمینان سے سن سکے اور سمجھ سکے) تو (ایسی حالت میں) آپ اس کو پناہ دیجئے تاکہ وہ کلام الٰہی (مراد مطلق دلائل دین حق کے ہیں) سن لے"۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے کہ اگر کوئی کافر اسلام کی حقانیت معلوم کرنا چاہتا ہو تو اسکی رہنمائی کرنا اور تعلیم دینا فرض ہے تو ظاہر ہے کہ کسی مومن کو دینی تعلیم دینا بدرجہ اولیٰ فرض ہوگا۔

اور ہم نے جو کہا کہ تحصیل علم کی فرضیت زیادہ موکد ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر آدمی اپنی پوری عمر تعلیم و تعلم میں لگادے تو وہ تمام عمر فرض میں معروف رکھنے والا شمار ہوگا اور اسکے بجائے اگر کوئی نماز روزے میں عمر بھر لگا رہے تو اس کا شمار تمام عمر فرض میں لگانے والوں میں شمار نہ ہوگا بلکہ عمر کا بعض حصہ نوافل میں گزارنے والا شمار ہوگا (کیونکہ فرض نماز روزوں کا وقت محدود ہے لہٰذا تمام عمر فرض نماز روزے میں معروف رکھنا ممکن نہیں بخلاف تعلیم و تعلم کے کہ ہر آن

اسکی ضرورت ہے اور کوئی بشر اس سے مستغنی نہیں۔ ۱۲)

اور بلاشبہ وہ عمل جس میں فرض کی ادائیگی کا موقع زیادہ ہو نوافل میں مشغول ہونے سے افضل ہے۔

....

(ف) :۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ حدیث شریف "طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم" کے تحت تحریر فرماتے ہیں :

"جو علم علی العین (ہر شخص) پر واجب التحصیل ہے وہ علم معاش نہیں ہے بلکہ وہ علم دین ہے جس سے انسان کے عقائد واعمال، معاملات ومعاشرت واخلاق درست ہوں جس کا ثمرہ دنیا میں اولئک علی ھدی من ربھم (یہی لوگ ہیں ہدایت پر اپنے رب کی طرف سے) کی دولت اور آخرت میں اولئک ھم المفلحون (یہی لوگ ہیں کامیاب ہونے والے) کی بشارت ہے سو اس کا وجوب ظاہر ہے سمعا بھی عقلا بھی۔ دلائل سمعیہ یہ ہیں طلب العلم واجب علی کلم مسلم (علم کا طلب کرنا واجب ہے ہر مسلمان پر "بیہقی عن انس") طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم (دیلمی عن علی) (علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے) طلب الفقہ حتم واجب علی کل مسلم (حاکم فی تاریخہ) فقہ کا طلب کرنا بہت ضروری ہے ہر مسلمان پر) تعلموا العلم وعلموہ الناس۔(دار قطنی عن ابی سعید وبیہقی عن ابی بکرہ)(علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ) تعلموا العلم

قبل ان یرفع۔ دیلمی عن ابن مسعود عن ابی ھریرہ۔ (علم سیکھ لو اس سے پہلے کہ وہ اٹھالیا جائے)۔ .... اور دلیل عقلی یہ ہے کہ اصلاح عقائد واعمال کی فرض ہے اور وہ موقوف ہے ان کی تحصیل علم پر چنانچہ ظاہر ہے اور فرض کا موقوف علیہ (یعنی جس پر کوئی چیز موقوف ہو) فرض ہے پس تحصیل علم فرض ہوا۔ (از بہشتی زیور حصہ اول ضمیمہ اولی)

....

(ت) علم کی نشرواشاعت کس پر فرض ہے؟ :۔

امام محمد رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جس طرح علم حاصل کرنا فرض ہے اسی طرح علم کا دوسروں تک پہنچانا بھی فرض ہے۔ کیونکہ عالم کا اپنے علم کے مطابق عمل میں مشغول ہونا فعل معروف ہے اور اس کے خلاف عمل کرنا فعل منکر ہے پس علم کا دوسروں کو سکھانا بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے قبیل سے ہے جو اس امت پر فرض ہے اور حق تعالی شانہ کا ارشاد ہے :

كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر۔

(سورہ آل عمران آیت ۱۱۰)

ترجمہ :"تم ہو بہتر (ف) سب امتوں میں جو بھیجی گئی عالم میں حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے۔" (ف ۲)

(ف ۱) :۔ یعنی اے مسلمانو خدا تعالیٰ نے تم کو تمام امتوں میں بہترین امت قرار دیا ہے اس کے علم ازلی میں پہلے ہی سے یہ مقدر ہو چکا تھا کہ جس طرح نبی آخر الزماں ﷺ تمام نبیوں سے افضل ہوں گے آپؐ کی امت بھی جملہ امم و اقوام پر گوئے سبق لے جائے گی۔ کیونکہ اس کو سب سے اشرف و اکرم پیغمبر نصیب ہو گا۔ ادوم و اکمل شریعت ملے گی علوم و معارف کے دروازے اس پر کھول دیئے جائیں گے۔ ایمان و عمل و تقوی کی تمام شاخیں اس کی محنت اور قربانیوں سے سرسبز و شاداب ہوں گی وہ کسی خاص قوم و نسب یا مخصوص ملک و اقلیم میں محصور نہ ہو گی بلکہ اس کا دائرہ عمل سارے عالم کو انسانی زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہو گا۔ گویا اس کا وجود ہی اس لئے ہو گا کہ دوسروں کی خیر خواہی کرے اور جہاں تک ممکن ہو انہیں جنت کے دروازوں پر لا کھڑا کر دے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

(ف ۲) :۔ منکر (برے کاموں) میں کفر و شرک‘ بدعات و رسوم قبیحہ‘ فسق و فجور اور ہر قسم کی بد اخلاقی اور نامعقول باتیں شامل ہیں۔ ان سے روکنا بھی کئی طرح ہو گا۔ کبھی زبان سے کبھی قلم سے کبھی تلوار سے غرض ہر قسم کا جہاد اس میں داخل ہو گیا۔ یہ صفت جس قدر عموم و اہتمام سے امت محمدیہ میں پائی گئی پہلی امتوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ (تفسیر عثمانی)

(ت) :۔ اور اس بارے میں علماء کی رائے مختلف ہے کہ جس شخص کو دو چار مسائل معلوم ہوں تو کیا ان کا دوسروں تک پہنچانا اس شخص پر فرض ہے؟۔ بعض مشائخ کی رائے میں بے شک ایسے شخص پر لازم ہے کہ دوسروں کو بھی وہ علم پہنچائے۔ مگر اکثر مشائخ کے نزدیک اس پر یہ لازم نہیں بلکہ یہ ذمہ داری ان اہل علم کی ہے جو مشہور زمانہ ہیں اور جن کی شخصیت با اعتماد ہو۔ اس کتاب میں دونوں اقوال کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ مذکورہ بالا جملہ میں عموم ہے اور اس کے بعد یہ فرمایا کہ "پس علماء میں سے صاحب فہم و بصیرت کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اچھی طرح مسائل و احکام سمجھائیں اور عوام کو مطمئن کر سکیں"۔

امام محمدؒ کے اس ارشاد گرامی سے واضح ہوا کہ علم کی نشر و اشاعت کی ذمہ داری جید علماء کرام پر ہے۔

قول اول کی دلیل حق تعالیٰ کا فرمان ہے :

۱۔ ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدی من بعد ما بیناہ للناس فی الکتاب اولئک یلعنھم اللہ ویلعنھم اللعنون۔

(سورہ بقرہ آیت ۱۵۱)

ترجمہ :۔ "بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ ہم نے اتارے صاف حکم اور ہدایت کی باتیں بعد اس کے کہ ہم ان کو کھول چکے لوگوں کے واسطے کتاب میں ان پر لعنت کرتا ہے اللہ اور لعنت کرتے ہیں ان پر لعنت کرنے والے"۔ (ف ۳)

(ف ۳) :۔ لعنت کرنے والے یعنی جن وانس و ملائکہ بلکہ اور سب حیوانات کیونکہ ان کی حق پوشی کے وبال میں جب عالم کے اندر قحط وباء اور طرح طرح کی بلائیں پھیلتی ہیں تو حیوانات بلکہ جمادات تک کو تکلیف ہوتی ہے اور سب ان پر لعنت کرتے ہیں۔

(ت) :۔

۲۔ واذ اخذ الله ميثاق اللذين اوتوا الكتاب لتبيننه للناس ولا تكتمونه

(آل عمران آیت ۱۸۷)

ترجمہ :"اور جب اللہ تعالیٰ نے عہد لیا کتاب والوں سے کہ اس کو بیان کرو گے لوگوں سے اور نہ چھپاؤ گے۔" (ف ۴)

(ف ۴) :۔ یعنی علمائے اہل کتاب سے عہد لیا گیا تھا کہ جو احکام وبشارات کتاب اللہ میں ہیں انہیں صاف صاف لوگوں کے سامنے بیان کریں گے اور کوئی بات نہیں چھپائیں گے نہ ہیر پھیر کرکے اسکے معنی بدلیں گے مگر انہوں نے ذرہ برابر پرواہ نہ کی اور دنیا کے تھوڑے سے نفع کی خاطر سب عہد وپیمان توڑ کر احکام شریعت بدل ڈالے آیات اللہ میں لفظی ومعنوی تحریفات کیں جس چیز کا ظاہر کرنا سب سے زیادہ ضروری تھا یعنی پیغمبر آخر الزماں ﷺ کی بشارت اسی کو سب سے زیادہ چھپایا۔

جس قدر مال خرچ کرنے میں بخل کرتے اس سے بڑھ کر علم خرچ کرنے میں کنجوسی دکھائی اور اس کنجوسی کا منشا بھی مال وجاہ اور متاع دنیا کی محبت کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہاں ضمناً مسلمان اہل علم کو متنبہ فرمایا کہ تم دنیا کی محبت میں پھنس کر ایسا نہ کرنا۔ (تفسیر عثمانی سورہ آل عمران)

(ت) :۔ پس ان مذکورہ آیات کی بنا پر علم کا چھپانا اور اس میں کنجوسی کرنا حرام (ف) ہے۔ اس کے برخلاف اس کا اظہار لازم ہے اور یہ حکم عام ہے ہر اس شخص کے لئے جسے علم کا حصول ہو جتنا اسے علم حاصل ہے وہ اسکے متعلق کتمان علم کا قصوروار ٹھہرے گا۔ اس لئے حاصل شدہ علم (اگرچہ ایک دو مسئلے ہی ہوں اس) کا دوسروں تک پہنچانا فرض ہے اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے :

فمن كتم علما عنده الجم يوم القيامة بلجام من نار۔ (عه)

(عه) :۔ من سئل عن علم علمه ثم كتمه الجم يوم القيامة بلجام من نار۔ رواه احمد وابوداؤد والترمذی (مشکوۃ کتاب العلم فصل ۲)

ترجمہ :"پس جو شخص دین کے کسی حکم کا علم رکھنے کے باوجود اسے چھپاتا ہے اس کے منہ میں قیامت کے دن آگ کی لگام ڈالی جائے گی"۔

نیز ارشاد گرامی ہے :

اذا رایتم آخر هذه الامة یلعن اولها
فمن کان عنده علم فلیظهره فان کاتم العلم
یومئذ ککاتم ما انزل علی محمد (ﷺ)
(فی الجامع الصغیر۔
اذا لعن اخر هذه الامة اولها فمن کتم حدیثا فقد
کتم ما انزل الله عز وجل علی۔ حدیث نمبر ۸۲۵)

ترجمہ: جب تم دیکھو کہ اس امت کے اگلے لوگ پچھلے لوگوں کو برا کہیں تو جس کے پاس علم ہو اسے چاہئے کہ اپنے علم کا برملا اظہار کرے کیونکہ اس وقت علم کا چھپانے والا ایسا ہے جیسے حضور ﷺ پر نازل ہونے والی شے کا چھپانے والا"۔

اور علم کا اظہار (اگرچہ ایک دو ہی مسئلے ہوں) اس لئے بھی ضروری ہے کہ علم کا معاملہ زکوۃ کے مانند ہے کہ ہر صاحب نصاب پر اس کے نصاب کی زکوۃ فرض ہے اس میں ایک نصاب والا اور چند نصاب والا دونوں یکساں ہیں (مثلاً ایک کے پاس صرف سونے کا نصاب ہے اور دوسرے کے پاس سونے، چاندی، نیز مویشی کا بھی نصاب ہے تو زکوۃ نکالنے میں تو دونوں برابر ہیں کہ دونوں کو زکوۃ نکالنی ہوگی ہاں فرق صرف حیثیت اور استعداد میں ہے۔ ۱۲)

....

(ف) علم دین کا اظہار اور اس کا پھیلانا واجب اور اس کا چھپانا سخت حرام ہے :۔

آیت شریفہ (ان الذین یکتمون.... الایۃ) میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ہدایات بینات نازل کی گئی ہیں ان کا لوگوں سے چھپانا اتنا بڑا جرم عظیم ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ بھی لعنت کرتے ہیں اور تمام مخلوق بھی لعنت بھیجتی ہے۔ اس سے چند احکام حاصل ہوئے :

اول : یہ کہ جس علم کے اظہار اور پھیلانے کی ضرورت ہو اس کو چھپانا حرام ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص دین کے کسی حکم کا علم رکھتا ہے" اور اس سے وہ حکم دریافت کیا جائے اگر وہ اس کو چھپائے گا تو قیامت کے روز اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈالا جائے گا۔

حضرات فقہاء نے فرمایا کہ وعید اس صورت میں ہے جب کہ اس کے سوا کوئی دوسرا آدمی مسئلہ بیان کرنے والا وہاں موجود نہ ہو اور اگر دوسرے علماء موجود ہوں تو گنجائش ہے کہ یہ کہہ دے کہ دوسرے علماء سے دریافت کرلو۔

دوسری بات یہ کہ جس کو خود صحیح علم حاصل نہیں اس کو احکام ومسائل بتانے کی جرات نہیں کرنی چاہئے۔

تیسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ علم کو چھپانے کی یہ سخت وعیدیں انہیں احکام ومسائل کے متعلق ہیں جو قرآن وحدیث میں واضح بیان کئے گئے ہیں اور جن کے ظاہر کرنے اور پھیلانے کی ضرورت ہے۔ وہ باریک ودقیق مسائل جو عوام نہ سمجھ سکیں بلکہ خطرہ ہو کہ وہ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہوجائیں گے تو ایسے احکام ومسائل عوام کے سامنے بیان نہ کرنا ہی بہتر

ہے۔ اور یہ کتمان علم کے حکم میں نہیں ہے۔ آیت مذکورہ میں لفظ البینات والھدیٰ سے اسی طرح اشارہ پایا جاتا ہے۔ (معارف القرآن ۱/۳۰۳)

قول ثانی کی وجہ ترجیح

(جس کی رو سے علم کی نشرواشاعت کی ذمہ داری جید اور قابل اعتماد اہل علم کے لئے مخصوص ہے۔) وجہ یہ ہے کہ علمائے کرام جو انبیاء کرامؑ کے سچے جانشین ہیں ان کا وجود ہر زمانہ میں ہے چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ "علماء انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث (ترکہ پانے والے ہیں)"۔

اور ہرایک کو معلوم ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی حیات با برکت میں جب لوگوں کو کوئی دینی ضرورت پیش آتی تو حضور اکرم ﷺ ہی انہیں مسائل واحکام بیان فرماتے۔ اور حضور ﷺ کا یہ وصف خود باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

لتبيّن للناس ما نزل اليهم

(نحل آیت ۴۴)

ترجمہ: "تاکہ جو ہدایت (آپ کے واسطے سے) لوگوں کے پاس بھیجی گئی ہیں آپ ان کو واضح کرکے سمجھادیں"۔

اور آپ ﷺ کی موجودگی میں آپ کے سوا کسی پر واجب نہ تھا کہ وہ مسائل واحکام بتلائے لہٰذا یہی حکم ہر دور اور ہر زمانہ میں ہے

کہ علم کی نشرواشاعت کی ذمہ داری علمائے اسلام پر ہے۔ نہ کہ ایک دو مسئلہ سیکھ لینے والے پر۔ اور ویسے بھی عام طور پر لوگ مشہور عالم پر ہی اعتماد کرتے ہیں اور مطمئن ہوتے ہیں کم علم کو کم ہی لوگ قابل اعتبار سمجھتے ہیں بلکہ بسا اوقات غیر مشہور عالم کے مسائل سن کر لوگ استخفاف اور مضحکہ خیزی پر اتر آتے ہیں۔ اسلئے یہی امر طے شدہ ہے کہ یہ کام علمائے راسخین اور فقہائے ماہرین کا ہے ہر کس وناکس احکام ومسائل کو بیان کرنے کا مجاز نہیں۔

سید التابعین امام حسن بصریؒ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ "میں ستر بدری صحابہ سے ملا اور یہ سب کے سب یکسوئی اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر فرماتے تھے اور تعلیم و تعلم میں مشغول نہ تھے"۔

کیونکہ جلیل القدر کبار صحابہ کرام کی موجودگی میں ان کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ اور یہی کیفیت تابعین کے دور میں بھی رہی کہ ان میں سے بعض تعلیم و تعلم اور فتوے میں لگے اور بعض نے علم ہونے کے باوجود چونکہ دیگر علماء سے لوگوں کی ضرورت پوری ہورہی تھی اس لئے انہوں نے یکسوئی اختیار کرلی۔ اور بعض اہل علم کی یکسوئی سے کوئی اثر نہیں بغیر ان کے دوسرے لوگوں کی ضرورت پوری ہوجاتی ہے۔

درحقیقت علم سے منتفع ہونے کی دو ہی صورتیں ہیں: اول اس کی تحصیل (خود سیکھنا) دوم اس کی تعلیم (یعنی دوسروں تک پہنچانا) پس بعض کو تو علم سے دونوں طرح نفع حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے کہ وہ عالم بن کر لوگوں کو تعلیم دینے میں لگ جاتے ہیں اور بعض کو اس کا موقع نہیں ملتا تو وہ صرف علم حاصل کرکے نفع اٹھاتے ہیں اس سے معلوم ہوا

کہ اس امر میں بڑی گنجائش ہے اور مقصود اصلی (یعنی علم کی نشر واشاعت) مشاہیر علماء سے حاصل ہے۔

(علم دین کی فرضیت کے اسباب)

اور اگر علم کا حصول فرض قرار نہ دیا جاتا تو لوگوں کے لئے گناہ سے بچ نکلنے کی کوئی سبیل نہ ہوتی حالانکہ گناہ سے بچنا بذات خود فرض ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں:

انما حرم ربی الفواحش ما ظهر منها وما بطن والاثم والبغی بغیر الحق وان تشرکوا باللہ ما لم ینزل به سلطانا وان تقولوا علی اللہ مالا تعلمون۔ (ف)

(الاعراف۔ ۳۳)

ترجمہ: "البتہ میرے رب نے تو حرام کیا ہے تمام فحش باتوں کو ان میں جو علانیہ ہیں وہ بھی اور ان میں جو پوشیدہ ہیں وہ اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو اور اس بات کو کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی سند نازل نہیں فرمائی اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی بات لگاؤ جس کی تمہارے پاس کوئی سند نہ ہو"۔

اور علم کے بغیر ان امور سے بچنا محال ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ:

"اگر لوگ علم حاصل کرنا چھوڑ بیٹھیں تو حق وباطل اور اچھے برے کی تمیز اٹھ جائے گی نیز عدل وانصاف اور ظلم وستم کے درمیان کوئی فرق باقی نہ رہے گا"۔

مطلب یہ ہے کہ حق وباطل کے درمیان تمیز ہی تو دین کی اصلی اور بنیادی چیز ہے اور علم کے بغیر اس کا حصول ناممکن ہے۔

....

(ف):۔ "اثم" کے تحت وہ تمام گناہ آگئے جن کا تعلق انسان کی اپنی ذات سے ہے۔ "بغی" میں وہ گناہ جن کا تعلق دوسروں کے معاملات اور حقوق سے ہو۔ (معارف القرآن ۳ر ۵۵۳)

چنانچہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

ویمح اللہ الباطل ویحق الحق بکلماتہ

(شوریٰ ۲۴)

ترجمہ: "اور مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ جھوٹ کو اور ثابت کرتا ہے سچ کو اپنی باتوں سے"۔

نیز ارشاد ہے:

لیحق الحق ویبطل الباطل۔

(انفال ۸)

ترجمہ: "تا کہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت کردے"۔

اور بلاشبہ ہر مخاطب کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے رب کے بیان کردہ حق اور باطل کے درمیان فرق سمجھے اور اسی طرح ہر ایک کے لئے ضروری ہے کہ وہ راہ صواب اختیار کرنے اور غلط راہ سے بچنے کے لئے اپنی کوششوں کو بروئے کار لائے۔ اور علم ہی کے واسطے سے انسان اس قابل ہوسکتا ہے۔

علماء کے فرائض

امام صاحب نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

"پس علماء کرام کے ذمہ یہ واجب ہے کہ جو کچھ انہیں اپنے اسلاف سے حاصل ہوا ہے اس میں سے جو عوام الناس کے لئے مفید ہے اسے لوگوں تک پہنچائیں"۔

یعنی مسموعہ روایات واحادیث کا بیان کرنا علماء پر واجب ہے کیونکہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

نضر اللہ امرا سمع منا مقالۃ فوعاھا کما سمعھا ثم اداھا الی من لم یسمعھا فرب حامل فقہ الی غیر فقیہ ورب حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ (۱)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ سرسبز وشاداب رکھے اس شخص کو جس نے (میرا) کوئی کلام سنا پھر اسے ویسا ہی محفوظ کرلیا جیسا سنا پھر اسے ایسے شخص تک پہنچایا جس نے اسے نہ سنا (تھا) کیونکہ بعض دفعہ وہ کلام نقل کرنے والا غیر فقیہ کو پہنچاتا ہے اور بسا اوقات کسی ایسے کو پہنچاتا ہے جو اس سے زیادہ فقیہ (اور سمجھ دار) ہوتا ہے"۔

نیز آپ کا ارشاد گرامی ہے:

تسمعون ویسمع منکم ویسمع ممن یسمع منکم (۲)

ترجمہ: "یعنی تم (دین کی باتیں ہم سے) سن رہے ہو اور (پھر یہ) تم سے سنا جائے گا اور جو تم سے سنیں گے ان سے (بھی) سنا جائے گا"۔

نیز ارشاد ہے:

الا فلیبلغ الشاھد الغائب

ترجمہ: "جان لو کہ جو حاضر (مجلس ہے) وہ غیر حاضر کو

پہنچا دے"۔(۳)

یعنی جو لوگ اس مجمع میں حاضر ہیں وہ غائبوں تک
میری بات پہنچا دیں۔

پھر (یہ بھی جاننا چاہئے کہ) انہی مسائل و روایات کا بیان کرنا ضروری ہے جو لوگوں کے لئے مفید ہیں اور (اس کی مثال) ناسخ آیتیں ہیں جو صحیح اور مشہور ہیں۔ منسوخ آیتوں کی روایت ضروری نہیں۔ اور یہی حکم ان علوم و مسائل کا ہے جن میں اختلاف اور پیچیدگیاں ہوں کیونکہ اس میں بھی لوگوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور بسا اوقات عوام کے سامنے ایسے مسائل لانا کسی فتنہ کا باعث ہو جاتا ہے اور فتنوں کا سدباب بذات خود ایک اہم اور ضروری امر ہے۔

اور اس کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

لو حدثتكم بكل ما سمعت لرميتوني بالحجارة۔(۴)

ترجمہ: "یعنی اگر میں وہ تمام باتیں جو حضور اقدس ﷺ سے میں نے سنی ہیں تم سے بیان کر دوں تو تم مجھ پر پتھراؤ کر ڈالو گے"۔

نیز حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو کلمہ شہادت سے متعلق ایک حدیث معلوم تھی اور وہ اسے روایت نہیں فرماتے تھے یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آگیا تو آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا میں نے یہ حدیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی ہے اور اگر اللہ کا حکم مجھے نہ آلیتا تو میں یہ حدیث تمہیں کبھی نہ سناتا۔

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا:

من شهد ان لا اله الا الله مخلصا من قلبه دخل الجنة (۵)

ترجمہ: "یعنی جو شخص صدق دل سے لا الہ الا اللہ کی گواہی دیدے وہ جنت میں داخل ہو گیا"۔

(ف):۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب آیت شریفہ

ان الذين يكتمون ما انزلنا من البينات (سورہ بقرہ ۱۵۹)

کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"علم کو چھپانے کی یہ سخت وعیدیں انہی علوم و مسائل کے متعلق ہیں جو قرآن و سنت میں واضح بیان کئے گئے ہیں اور جن کے ظاہر کرنے اور پھیلانے کی ضرورت ہے۔ وہ باریک اور دقیق مسائل جو عوام نہ سمجھ سکیں بلکہ خطرہ ہو کہ وہ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں گے تو ایسے مسائل و احکام کا عوام کے سامنے بیان نہ کرنا ہی بہتر ہے اور وہ کتمان علم کے حکم میں نہیں ہے۔ آیت مذکورہ میں لفظ "من البینات والھدیٰ" سے اسی کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

....

(۱) رواه احمد والترمذی وابوداؤد وغيرهم (المشكوة العلم فصل ۲). (۲) هو فی الجامع الصغير ص ۳۴۸. (۳) الحديث متفق عليه (المشكوة المناسك). (۴) وفی رواية للبخاری عن ابی هريرة قال حفظت عن رسول الله صلی الله عليه وسلم وعائين فاما احدهما فبثثته فيكم واما الآخر فلو بثثته لقطع هذا البلعوم (المشكوة العلم فصل ۳) (۵) الحديث متفق عليه (المشكوة الايمان فصل ۱).

....

ایسے ہی مسائل کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم اگر عوام کو ایسی حدیثیں سناؤ گے جن کو وہ پوری طرح سمجھ نہ سکیں تو ان کو فتنہ میں مبتلا کرو گے۔ (بحوالہ قرطبی)

اسی طرح صحیح بخاری میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ عام لوگوں کے سامنے صرف اتنے ہی علم کا اظہار کرو جس کو ان کی عقل و فہم برداشت کر سکے، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کریں، کیونکہ جو بات ان کی سمجھ سے باہر ہوگی ان کے دلوں میں اس سے شبہات و خدشات پیدا ہوں گے اور ممکن ہے اس سے انکار کر بیٹھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عالم کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ مخاطب کے حالات کا اندازہ لگا کر کلام کرے۔ جس شخص کے غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو اس کے سامنے ایسے مسائل بیان ہی نہ کرے اسی لئے حضرات فقہاء بہت سے مسائل کے بعد لکھ دیتے ہیں ھذا مما یعرف ولا یعرف۔ یعنی یہ مسئلہ ایسا ہے کہ اہل علم کو خود تو سمجھ لینا چاہئے مگر عوام میں نہیں پھیلانا چاہئے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تمنعوا الحکمۃ اھلھا فتظلموھم
ولا تضعوھا فی غیر اھلھا فتظلموھا۔

ترجمہ: "یعنی حکمت کی بات کو ایسے لوگوں سے نہ روکو جو اس بات کے اہل ہوں اگر تم نے ایسا کیا تو ان لوگوں پر ظلم ہوگا۔ اور جو اہل نہیں ہیں ان کے سامنے حکمت کی باتیں نہ رکھو کیونکہ اس صورت میں اس حکمت پر ظلم ہوگا۔"

امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ کسی کافر کو جو مسلمانوں کے مقابلہ میں مناظرہ کرتا ہو یا کوئی مبتدع گمراہ جو لوگوں کو اپنے خیالات کی طرف دعوت دیتا ہو اس کو علم دین سکھانا اس وقت تک جائز نہیں جب تک یہ ظن غالب نہ ہو جائے کہ علم سکھانے سے اس کے خیالات درست ہو جائیں گے۔ اسی طرح کسی بادشاہ یا حاکم وقت کو ایسے مسائل بتلانا جن کے ذریعہ وہ رعیت پر ظلم کرنے کا راستہ نکالیں جائز نہیں۔ اسی طرح عوام کے سامنے احکام دین میں رخصتیں اور حیلوں کی صورتیں بلا ضرورت بیان نہ کرنا چاہئے جس کی وجہ سے وہ احکام دین پر عمل کرنے میں حیلہ جوئی کے عادی بن جائیں"۔

(بحوالہ قرطبی (معارف القرآن ار ۲۰۳ آیت نمبر ۱۵۹)

....

(ت) :۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اپنی تندرستی کے زمانے میں اس حدیث شریف کی روایت سے اس لئے گریز فرماتے تھے تاکہ اسے سن کر لوگ اسی پر بھروسہ کر کے عمل کو نہ چھوڑ بیٹھیں۔ پھر جب انہیں وفات کے وقت اندیشہ ہوا کہ یہ حدیث دوسروں تک پہنچنے سے رہ نہ جائے تو انہوں نے اپنے شاگردوں سے اسے بیان فرمادیا۔ پس یہی بنیاد (اور دلیل) ہے اس کی جو ہم نے بیان کیا۔

علم کی نشرو اشاعت کے وجوب کی ایک اور وجہ

امام صاحب نے ارشاد فرمایا :

"کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر (ہم یہ مان لیں کہ) ہم پر علم کا دوسروں تک پہنچانا فرض نہیں ہے تو (یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ) ہم سے پہلے لوگوں پر بھی ہم تک علم دین کا پہنچانا فرض نہ تھا اور اس طرح یہ سلسلہ حضرات صحابہ کرام اور تابعین عظام تک جا پہنچے گا۔"

امام صاحب کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ علم کی نشرو اشاعت کے سلسلہ میں تمام لوگ یکساں ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے :

ینقل هذا الدین من کل خلف عدوله ینفون عنه تحریف المبطلین وتاویل الجاهلین۔(۱)

ترجمہ : "یہ دین نقل کیا جاتا رہے گا (ہر پیش رو کے) جانشین سے اس کے معتبر لوگ باطل پرستوں کی دخل اندازی اور نااہلوں کی پوچ تاویلوں کو اس سے دور کرتے رہیں گے"۔

پس اگر ہم بعد والوں کے لئے علم کے نہ پھیلانے کو جائز قرار دیدیں تو مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے اسلاف و حقدمین کیلئے بھی کتمان علم کو روا رکھا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا گویا ہم نے روافض کے اس الزام کو تسلیم کرلیا جو وہ ہمارے اسلاف پر لگاتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی

---

(۱) رواہ البیہقی (المشکوۃ، العلم فصل ۲)۔

شان میں بہت سی آیات و روایات وارد ہوئی جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور ان کی امامت کی تصریح تھی اور اسے (نعوذ باللہ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حسد کی بناء پر چھپالیا۔ حالانکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہ سراسر جھوٹ اور بے بنیاد الزام ہے اور ایسی بدگمانی تو کسی ایک صحابی کے متعلق جائز نہیں چہ جائیکہ ان کی پوری جماعت کو اس میں شامل کرنا؟! اور اگر بفرض محال ایسا ہوا ہوتا تو یہ بات کبھی صیغہ راز میں رہنے والی نہ تھی مگر حقیقت یہ ہے کہ روافض کے مذہب کی بنیاد ہی دروغ گوئی اور بہتان طرازی پر ہے۔

حضرت امام محمدؒ نے اس دلیل سے یہ ثابت فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دین کی ہر چھوٹی اور بڑی بات دوسروں تک پہنچائی ہے لہذا بعد والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ بھی اس میں ان کی پیروی کریں۔

علم دین کی نشرو اشاعت فرض کفایہ ہے

پھر فرض کی دو قسمیں ہیں فرض عین، فرض کفایہ۔

فرض عین وہ ہے جس کا کرنا ہر شخص کو ضروری ہے جیسے دین کے ارکان (ایمان باللہ، نماز روزہ وغیرہ) اور فرض کفایہ وہ ہے جس کا مطالبہ تمام لوگوں سے اس طور پر ہو کہ اگر کچھ لوگ اسے ادا کرلیں تو باقی کے ذمہ سے ساقط ہوجائے کیونکہ مقصد کا حصول اس میں اصل ہوتا ہے۔ اور اگر کل کے کل اسے چھوڑ دیں تو سب کے سب گنہگار ہوں

گے۔ مثلاً فریضہ جہاد ہے کہ اس سے مقصود اعلاء کلمۃ اللہ اور تعظیم شعائر اللہ (اور دین کی حمایت) ہے لہٰذا جب یہ مقصود بعض لوگوں کے جہاد میں مشغول ہونے کی وجہ سے حاصل ہے تو باقی افراد کے ذمہ سے یہ فرض ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر سب کے سب ہی جہاد چھوڑ بیٹھیں اور اس سے لاپروائی برتیں یہاں تک کہ مسلمانوں کے کسی علاقہ پر کفار قابض ہو جائیں تو اس فریضہ جہاد کے ترک پر تمام لوگ گنہگار ہوں گے۔

اسی طرح میت کا غسل اور اس کی نماز اور اسے دفن کرنا فرض کفایہ ہے کہ اگر کچھ اس کام کو انجام دیدیں تو باقی تمام لوگوں کے ذمہ سے یہ فرض ساقط ہو جائے گا اور اگر لوگوں کو معلوم ہونے کے باوجود کسی نے بھی اسے انجام نہ دیا اور میت آخر کار ضائع ہو گئی تو سب لوگ اس گناہ میں شریک ہوں گے۔

بالکل اسی طرح علم دین کا لوگوں تک پہنچانا فرض کفایہ ہے کہ جب کچھ لوگ اس ذمہ داری کو ادا کرنے میں مصروف ہیں تو مقصود کے حصول کی وجہ سے دیگر افراد کے ذمہ سے یہ فرض ساقط ہو جائے گا کیونکہ یہاں مقصود شریعت کی بقاء ہے اور لوگوں کے درمیان ایک دوسرے کی تعلیم و تعلم کے ذریعہ علم دین کی حفاظت ہے اور اگر لوگ اسے اس طور پر چھوڑ بیٹھیں کہ جس سے اس کی بقاء کو خطرہ لاحق ہو تو تمام لوگ گناہ میں شریک ہوں گے۔

نوافل کی تعلیم اور تعمیل کے درمیان فرق

امام محمدؒ نے ارشاد فرمایا کہ :

"وہ تمام فضائل اور ترغیبات جو (نفلی اعمال کے متعلق) حضور اکرم ﷺ سے منقول ہیں ان کا بھی لوگوں تک پہنچانا فرض ہے"۔

مراد یہ ہے کہ مستحب اعمال اور جس کی ترغیب حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمائی ہے ان پر عمل پیرا ہونا تو فرض نہیں نہ انہیں ترک کرنے والا گنہگار ہوگا مگر ان ترغیبات اور فضائل کا (علم) لوگوں کو بتانا فرض ہے! یہاں تک کہ اگر کسی زمانہ (یا علاقہ) میں تمام لوگ ان کے بیان کرنے سے رک جائیں تو سب کے سب تارکین فرض شمار ہوں گے اور گناہ میں شریک ہوں گے۔ کیونکہ ان روایات کے نقل نہ کرنے سے شریعت کے ایک (معتدبہ) حصہ کے مٹ جانے کا اندیشہ ہے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت ﷺ کی ایک نصیحت

(ف) :۔ مولانا مفتی محمد شفیعؒ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ حجۃ الوداع کا مشہور خطبہ جو ایک حیثیت سے اسلام کا آئین اور دستور تھا اور دوسری حیثیت سے ایک رؤف ورحیم اور ماں باپ سے زیادہ شفیق پیغمبر ﷺ کی آخری وصیت تھی اس خطبہ میں آپ نے صحابہ کرام کے ایک عظیم مجمع کے سامنے اہم ہدایات فرمانے کے بعد مجمع سے سوال فرمایا "الا ھل بلغت" دیکھو کیا میں نے آپ کو دین پہنچا دیا؟" صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم نے اقرار فرمایا کہ ضرور پہنچایا' اس پر ارشاد فرمایا کہ آپ اس پر گواہ رہو۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "فلیبلغ الشاھد الغائب" یعنی جو لوگ اس مجمع میں حاضر ہیں وہ غائبوں تک میری بات پہنچادیں۔ غائبین میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو اس وقت دنیا میں موجود تھے مگر مجمع میں حاضر نہ تھے اور وہ لوگ بھی داخل ہیں جو ابھی پیدا نہیں ہوئے ان کو پیغام پہنچانے کا طریقہ علم دین کی نشرواشاعت تھی جس کو حضرات صحابہؓ وتابعینؒ نے پوری کوشش سے انجام دیا۔

اسی کا یہ اثر تھا کہ عام حالات میں صحابہ کرامؓ نے رسول کریم ﷺ کے ارشادات وکلمات کو اللہ تعالیٰ کی ایک بھاری امانت کی طرح محسوس فرمایا اور مقدور بھر اس کی کوشش کی کہ آپ کی زبان مبارک سے سنا ہوا کوئی جملہ ایسا نہ رہ جائے جو امت کو نہ پہنچے' اگر کسی خاص سبب یا مجبوری سے کسی نے کسی خاص حدیث کو لوگوں سے بیان نہیں کیا تو اپنی موت سے پہلے دو چار آدمیوں کو ضرور سنادیا تاکہ وہ اس امانت سے سبکدوش ہو جائیں۔ صحیح بخاری میں حضرت معاذؓ کی ایک حدیث کے متعلق ایک ایسا ہی واقعہ مذکور ہے کہ "اخبربہ معاذ عند موتہ تاثما" یعنی حضرت معاذؓ نے یہ حدیث اپنی موت کے وقت بیان فرمائی تاکہ اس امانت کے نہ پہنچانے کی وجہ سے گنہگار نہ ہو جائیں۔

(معارف القرآن ۳' ۱۹۴۔ سورہ مائدہ)

....

(ت) :۔ ہاں یہ اندیشہ اس میں نہیں کہ آدمی انہیں عمل میں نہ لائے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نفلی نماز چھوڑدے تو اس پر کوئی

گناہ نہیں اور اگر نفلی نماز کو بغیر طہارت کے پڑھنے لگے تو وہ گنہگار ہوگا اور سزا کا مستحق ہوگا۔ کیونکہ بغیر طہارت کے نماز پڑھنا احکام شریعت میں تبدیلی کرنا ہے اور نفل کا ادا نہ کرنا شریعت میں ردوبدل نہیں ہے۔

نفلی اعمال کے فوائد

پھر بلاشبہ نفلی اعمال سے دو مقاصد وابستہ ہیں ایک تو شیطان کو اپنے پھندوں میں پھنسانے کی طمع سے مایوس کردیتا ہے۔ کہ شیطان (جب بندے کو نفلی اعمال کا پابند دیکھتا ہے تو) کہتا ہے کہ یہ بندہ جب نوافل کا اس قدر اہتمام کرتا ہے جب کہ یہ اس پر لازم نہیں تو فرائض جو اس پر لازم ہیں ان کا چھوڑنا اسے کیسے گوارا ہو سکتا ہے لہٰذا اس بارے میں اس کو بہکانے کی طمع شیطان سے منقطع ہوجاتی ہے۔

اور نفلی اعمال کا دوسرا مقصد فرائض کی کمی اور کوتاہی کی تلافی ہوتی ہے چنانچہ ارشاد نبویؐ ہے :

اذا تمکن من فریضۃ العبد نقصان یقول اللہ لملائکتہ اجعلوا نوافل عبدی جبرا لنقصان فریضتہ (۱)

ترجمہ : "جب بندے کی فرض عبادت میں کچھ کمی کوتاہی ہوجاتی ہے تو حق تعالیٰ شانہ اپنے فرشتوں سے ارشاد فرماتے ہیں میرے بندے کے نوافل سے اس کے فرض میں جو کمی کوتاہی ہے اسے پورا کردو"۔

اور جب نوافل سے اتنے اہم مقاصد وابستہ ہیں تو ان سے متعلق

روایات کا بیان نہ کرنا اور انہیں ایسا چھوڑ دینا کہ جس سے یہ مقاصد فوت ہو جائیں حرام و ناجائز ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نوافل (سے متعلق روایات) کا لوگوں تک پہنچانا فرض ہے اگرچہ ان کا ادا کرنا فرض نہیں۔

معلمین کو طالب علموں کے حالات کی رعایت کرنی چاہئے

امام صاحب نے ارشاد فرمایا:

"اور فقیہ (معلم) پر یہ لازم نہیں کہ وہ طالب علم کو اپنی تمام مرویات (ایک ہی وقت) بیان کردے ہاں مگر ایسا طالب علم کہ جس کی وطن واپسی کا وقت قریب ہو تو پھر بیشک اسے ایسی چیزیں بیان کردینی ضروری ہیں جو طالب علم کے علاقہ میں غیر مشہور اور غیر متداول ہوں"۔

مطلب اس کا یہ ہے کہ (معلم کو طالب علم کے واسطے اپنی مرویات کا) بیان کرنا واجب تو ہے مگر (موقع اور حالات کے اعتبار سے بیان کرنے والے کیلئے) وقت میں گنجائش ہے' ہاں جس وقت مقصود فوت ہونے کا اندیشہ ہو جیسا کہ ہم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ والی حدیث کا واقعہ بیان کیا تو پھر بیشک یہ گنجائش کا موقع نہیں رہتا۔ اور جو شخص دور سے اس (فقیہ یا معلم و محدث) کے پاس آیا اس کا مقصد انہی علوم و معارف کا حصول ہوتا ہے جو اس کے علاقہ میں متداول نہیں اور لوگوں کی منفعت اس سے وابستہ ہے تاکہ وہ لوٹ کر اس کے ذریعہ اپنے علاقہ

(۱) فی الجامع الصغیر ص ۲۸۳۲ اول مایحاسب بہ العبد یوم القیامۃ صلوتہ فان کان اتمہا کتبت لہ تامۃ وان لم یکن اتمہا قال اللہ تعالی لملائکتہ انظروا ھل تجدون لعبدی من تطوع فتکملون بہا فریضتہ ثم الزکاۃ کذلک ثم تو خذ الاعمال علی حسب ذلکم

والوں کی اصلاح کا فریضہ انجام دے۔ پس جب تک وہ وطن واپسی کا عزم نہیں کرتا معلم کے لئے اس کی تعلیم میں وقت کے لحاظ سے گنجائش اور وسعت ہوتی ہے اور جب وہ واپسی کا ارادہ کرلیتا ہے تو پھر وقت کی تنگی کی وجہ سے معلم کے لئے بیان میں تاخیر کی گنجائش نہیں رہتی۔ جیسے نماز کہ وقت داخل ہونے پر فرض ہوتی ہے مگر وقت میں وسعت ہوتی ہے پھر (جیسے جیسے وقت گزرتا ہے گنجائش میں کمی آتی جاتی ہے یہاں تک کہ) جب وقت آخر ہو جاتا ہے تو پھر کسی تاخیر کی گنجائش نہیں رہتی۔

اور یہ حکم ان علوم و معارف کا ہے جو طالب علم کے وطن میں مشہور و متداول نہ ہوں ورنہ جو اس کے وطن میں مشہور و متداول ہیں ان کے بیان کرنے کی نہ کوئی حاجت ہے نہ ضرورت کیونکہ لوٹ کر جانے والا اپنی ضرورت کیلئے ان علوم کی تحصیل اپنے علاقہ کے علماء و مشائخ سے کرسکتا ہے اور اس کے علاقہ والے بھی بغیر اس کی وساطت کے اپنے علاقہ کے علماء سے ان چیزوں میں براہ راست استفادہ کرسکتے ہیں اور تمام مومنین ایک جان کی مانند ہیں چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے "المومنون کنفس واحدۃ" (۱) تمام مومنین ایک جان کی طرح ہیں"۔

مطلب یہ ہے کہ اگر جسم کے کسی حصہ کو تکلیف ہوگی تو تمام بدن اسے محسوس کرتا ہے اور کسی حصہ کو آرام ملتا ہے تو تمام جسم بھی اس سے محظوظ ہوتا ہے۔ (یعنی اسی طرح باہمی امداد و تعاون سے ہر کام چلانا چاہئے!)

پس طالب علم کے علاقہ میں جو علوم (اور روایات وغیرہ)

(۱) المومنون کرجل واحد ان اشتکی عینہ اشتکی کلہ وان اشتکی راسہ اشتکی کلہ (المشکوۃ۔ الادب

متداول اور مشہور ہیں اگر معلم ان کو بیان نہ کرے' تو اس سے ان علوم کے مٹنے اور ناپید ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں' البتہ یہ اندیشہ اس کے علاقہ والوں کے حق میں ان علوم کے متعلق ضرور ہے جو اس طالب علم کے علاقہ میں مشہور نہیں۔ پس جس طرح اس (فقیہ اور معلم) کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شہر والوں کو ان علوم سے مستفید نہ کرے یہاں تک کہ وہ علم ان کے علاقہ سے مٹ جائے اسی طرح اس کے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ ان سے ایسے طالب علم کو محروم رکھے جس کا مقصد سفر صرف انہی علوم کا حصول ہو۔

جسم انسانی کے لئے بنیادی ضرورتیں

خالق کائنات نے جسم انسانی کی ساخت ایسی رکھی ہے کہ اس کا گزارہ بغیر چار چیزوں کے ہو ہی نہیں سکتا : کھانا' پینا' لباس اور مسکن (گھر)۔

کھانے سے متعلق ارشاد ربانی ہے :

وما جعلناهم جسدا لا یاكلون الطعام۔

(الانبیاء۔ ٨٠)

ترجمہ : "اور نہیں بنائے تھے ہم نے ایسے بدن کہ وہ کھانا نہ کھائیں"۔

نیز ارشاد ہے :

كلوا من طيبات ما رزقناكم۔

(طہ ۔ ٨١)

ترجمہ : "ہم نے جو نفیس چیزیں (شرعاً بھی حلال اور طبعاً بھی لذیذ ہیں) تم کو دی ہیں ان کو کھاؤ"۔

اور پینے سے متعلق ارشاد ہے :

وجعلنا من الماء كل شيء حي۔

(انبیاء ۔ ٣٠)

ترجمہ : "اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا۔"

....

(ف) :۔ جاندار ذی روح اہل تحقیق کے نزدیک صرف انسان اور حیوانات ہی نہیں بلکہ نباتات وجمادات میں روح اور حیات محققین کے نزدیک ثابت اور ظاہر ہے' پانی کو ان سب چیزوں کی تخلیق و ایجاد اور ارتقاء میں بڑا دخل ہے۔ (معارف القرآن جلد ٦ ص ١٦٩)

....

(ت) :۔ نیز ارشاد ہے کلوا واشربوا من رزق اللہ (بقرہ)

ترجمہ "کھاؤ پیو اللہ تعالیٰ کے رزق سے"۔

اور لباس سے متعلق ارشاد ہے :

يبني آدم قد انزلنا عليكم لباسا يواري سوآتكم وريشا ولباس التقوى ذلك خير۔

(الاعراف ب ٨)

ترجمہ : "اے اولاد آدم کی ہم نے اتاری (ف ١) تم پر پوشاک جو ڈھاکے تمہاری شرم گاہیں اور اتارے آرائش

کے کپڑے (ف ۲) اور لباس پرہیزگاری کا وہ سب سے بہتر ہے"۔ (ف ۳)

(ف ۱) :۔ اتارنے سے مراد اس کا مادہ وغیرہ پیدا کرنا اور اس کے تیار کرنے کی تدبیر بتلانا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

(ف ۲) :۔ مراد یہ ہے کہ صرف ستر چھپانے کے لئے تو مختصر سا لباس کافی ہوتا مگر ہم نے اس سے زیادہ لباس اس لئے عطا کیا کہ تم اس کے ذریعہ زینت و جمال حاصل کر سکو اور اپنی ہیئت کو شائستہ بنا سکو۔

اس آیت میں لباس کے دو فائدے بتلائے گئے۔ ایک ستر پوشی دوسرے سردی گرمی سے حفاظت اور آرائش بدن اور پہلے فائدہ کو مقدم کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ انسانی لباس کا اصل مقصد ستر پوشی ہے اور یہی اس کا عام جانوروں سے امتیاز ہے کہ جانوروں کا لباس جو قدرتی طور پر ان کے بدن کا جزو بنا دیا گیا ہے۔ اس کا کام صرف سردی گرمی سے حفاظت یا زینت ہے ستر پوشی کا اس میں اتنا اہتمام نہیں۔ البتہ اعضاء مخصوصہ کی وضع ان کے بدن میں اس طرح رکھ دی ہے کہ بالکل کھلے نہ رہیں کہیں ان پر دم کا پردہ ہے کہیں دوسری طرح کا۔

اور حضرت آدم و حوا علیہما السلام اور اغوائے شیطانی کا واقعہ بیان کرنے کے بعد لباس کا ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ انسان کیلئے ننگا ہونا اور قابل شرم اعضاء کا دوسروں کے سامنے کھلنا انتہائی

ذلت اور رسوائی اور بے حیائی کی علامت ہے اور طرح طرح کے شر و فساد کا مقدمہ ہے۔

انسان پر شیطان کا پہلا حملہ اس کو ننگا کرنے کی صورت میں ہوا اور آج بھی نئی شیطانی تہذیب انسان کو برہنہ یا نیم برہنہ کرنے میں لگی ہوئی ہے

یہی وجہ ہے کہ شیطان کا سب سے پہلا حملہ انسان کے خلاف اسی راہ سے ہوا کہ لباس اتر گیا۔ اور آج بھی شیطان اپنے شاگردوں کے ذریعہ جب انسانوں کو گمراہ کرنا چاہتا ہے تو تہذیب و شائستگی کا نام لے کر سب سے پہلے اس کو برہنہ یا نیم برہنہ کر کے عام سڑکوں اور گلیوں میں کھڑا کر دیتا ہے اور شیطان نے جس کا نام ترقی رکھ دیا ہے وہ تو عورت کو شرم و حیاء سے محروم کر کے منظر عام پر نیم برہنہ حالت میں لے آنے کے بغیر حاصل ہی نہیں ہوتی۔

ایمان کے بعد سب سے پہلا فرض ستر پوشی ہے

شیطان نے انسان کے اس کمزور پہلو کو بھانپ کر پہلا حملہ انسان کی ستر پوشی پر کیا تو شریعت اسلام جو انسان کی ہر صلاح و فلاح کی کفیل ہے اس نے ستر پوشی کا اتنا اہتمام کیا کہ ایمان کے بعد سب سے پہلا فرض ستر پوشی کو قرار دیا۔ نماز روزہ سب اس کے بعد ہے۔

ستر پوشی ابتدائے آفرینش سے انسان کا فطری عمل ہے، ارتقاء کا جدید فلسفہ باطل ہے!

آدم علیہ السلام کا واقعہ اور قرآن کریم کے اس ارشاد سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ ستر پوشی اور لباس انسان کی فطری خواہش اور پیدائشی ضرورت ہے جو اول دن سے اس کے ساتھ ہے۔ آج کل کے بعض فلاسفروں کا یہ قول سراسر بے اصل ہے کہ انسان اول ننگا پھرا کرتا تھا پھر ارتقائی منزلیں طے کرنے کے بعد اس نے لباس ایجاد کیا۔۔ (معارف القرآن تفسیر سورہ اعراف)

....

(ف ۳) :۔ یعنی اس ظاہری لباس کے علاوہ جس سے صرف بدن کا تستر یا تزین ہوتا ہے ایک معنوی پوشاک بھی ہے جس سے انسان کی باطنی کمزوریاں جن کے ظاہر کرنے کی اس میں استعداد پائی جاتی تھی پردہ اخفاء میں رہتی ہیں، منصہ ظہور و فعلیت پر نہیں آنے پاتیں اور یہی معنوی پوشاک جسے قرآن نے لباس تقوی قرار فرمایا باطن کی زینت و آرائش کا ذریعہ بنتی ہے بلکہ اگر غور کیا جائے تو ظاہری بدنی لباس بھی اسی باطنی لباس کو زیب تن کرنے کے لئے شرعاً مطلوب ہوا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ دشمن نے جنت کے کپڑے تم سے اتروائے پھر ہم نے تم کو دنیا میں تدبیر لباس سکھادی اب وہی لباس پہنو جس میں پرہیزگاری ہو یعنی مرد لباس ریشمی نہ پہنے اور دامن دراز نہ

کرے اور جو منع ہوا ہے سو نہ کرے (اس میں تشبہ بالاغیار کی طرف اشارہ ہوگیا) اور عورت بہت باریک لباس نہ پہنے کہ لوگوں کو بدن نظر آئے اور اپنی زینت نہ دکھاوے۔ (تفسیر عثمانی سورہ اعراف)

....

(ت) :۔ نیز ارشاد حق تعالٰی شانہ ہے :

یٰبنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد وکلوا واشربوا ولاتسرفوا انہ لایحب المسرفین۔

(الاعراف نمبر ۳۱)

ترجمہ : "اے اولاد آدم (ف) تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت (نماز کیلئے ہو یا طواف کے لئے) اپنا لباس پہن لیا کرو اور (جس طرح ترک لباس گناہ تھا ایسے ہی حلال چیزوں کے کھانے پینے کو ناجائز سمجھنا بھی بڑا گناہ ہے اس لئے حلال چیزوں کو خوب کھاؤ اور پیو اور حد شرعی سے مت نکلو بیشک اللہ تعالٰی پسند نہیں کرتے حد سے نکل جانے والوں کو"۔

....

(ف) :۔ زمانہ جاہلیت کے عرب جیسا کہ بیت اللہ کا طواف ننگے ہوکر کرنے کو صحیح عبادت اور بیت اللہ کا احترام سمجھتے تھے اسی طرح ان میں یہ رسم بھی تھی کہ ایام حج میں کھانا پینا چھوڑ دیتے تھے صرف اتنا کھاتے تھے جس سے سانس چلتا رہے خصوصاً گھی دودھ اور پاکیزہ غذاؤں سے

بالکل اجتناب کرتے تھے۔ (ابن جریر)

ان کے اس بیہودہ طریقہ کار کے خلاف یہ آیت نازل ہوئی، جس نے بتلایا کہ ننگے ہو کر طواف کرنا بے حیائی اور سخت بے ادبی ہے اس سے اجتناب کریں اسی طرح اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی پاکیزہ غذاؤں سے بلا وجہ اجتناب کرنا بھی کوئی دین کی بات نہیں بلکہ اس کی حلال کی ہوئی چیزوں کو اپنے اوپر حرام ٹھیرانا گستاخی اور عبادت میں حد سے تجاوز کرنا ہے جس کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتے۔

اس آیت سے جمہور صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین نے کئی احکام نکالے ہیں۔ اول یہ کہ اس میں جس طرح ننگے طواف کو منع کیا گیا ہے اسی طرح ننگے نماز پڑھنا بھی حرام اور باطل ہے۔ اور نماز کے علاوہ دوسرے حالات میں ستر پوشی کا فرض ہونا دسری آیات و روایات سے ثابت ہے۔ جن میں سے ایک آیت اسی سورت میں گزر چکی ہے یبنی آدم قدانزلنا الخ۔

خلاصہ یہ ہے کہ ستر پوشی انسان کے لئے پہلا انسانی اور اسلامی فرض ہے جو ہر حالت میں اس پر لازم ہے۔ نماز اور طواف میں بدرجہ اولیٰ فرض ہے۔

دوسرا مسئلہ اس آیت میں یہ ہے کہ لباس کو لفظ زینت سے تعبیر کرکے اس طرف بھی اشارہ فرمادیا گیا ہے کہ نماز میں افضل و اولیٰ یہ ہے کہ صرف ستر پوشی پر کفایت نہ کی جائے بلکہ اپنی وسعت کے مطابق لباس زینت اختیار کیا جائے۔

حضرت حسنؓ کی عادت تھی کہ نماز کے وقت اپنا سب سے بہتر

لباس پہنتے تھے اور فرماتے تھے کہ "اللہ تعالیٰ جمال کو پسند فرماتے ہیں اس لئے میں اپنے رب کے لئے زینت و جمال کرتا ہوں"۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "خذوا زینتکم عند کل مسجد" معلوم ہوا کہ اس آیت سے جیسا کہ نماز میں ستر پوشی کا فرض ہونا ثابت ہوتا ہے اسی طرح بقدر استطاعت صاف ستھرا اچھا لباس اختیار کرنے کی فضیلت اور استحباب بھی ثابت ہوتا ہے۔

نماز میں لباس کے متعلق چند مسائل

تیسرا مسئلہ اس جگہ یہ ہے کہ ستر جس کا چھپانا انسان پر ہر حال میں اور خصوصا نماز و طواف میں فرض ہے اس کی حد کیا ہے؟ قرآن کریم نے اجمالا ستر پوشی کا حکم دے کر اس کی تفصیلات کو رسول اللہ ﷺ کے حوالہ کیا۔ آپ ﷺ نے تفصیل کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک اور عورت کا ستر سارا بدن صرف چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں اور قدم مستثنیٰ ہیں۔

روایات حدیث میں یہ سب تفصیل مذکور ہے، مرد کے لئے ناف سے نیچے کا بدن یا گھٹنے کھلے ہوں تو ایسا لباس خود بھی گناہ ہے اور نماز بھی اس میں ادا نہیں ہوتی، اسی طرح عورت کا سر گردن یا بازو یا پنڈلی کھلی ہو تو ایسے لباس میں رہنا بھی خود ناجائز ہے اور نماز بھی ادا نہیں ہوتی۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جس مکان میں عورت ننگے سر ہو وہاں نیکی کے فرشتے نہیں آتے۔

عورت کا چہرہ اور ہتھیلیاں اور قدم جو ستر سے مستثنیٰ قرار دیئے

گئے اسکے یہ معنی ہیں کہ نماز میں اس کے یہ اعضاء کھلے ہوں تو نماز میں کوئی خلل نہیں آئے گا۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ غیر محرموں کے سامنے بھی وہ بغیر شرعی عذر کے چہرہ کھول کر پھرا کرے۔

یہ حکم تو فریضہ ستر کے متعلق ہے جس کے بغیر نماز ہی ادا نہیں ہوتی۔ اور چونکہ نماز میں صرف ستر پوشی ہی مطلوب نہیں بلکہ لباس زینت اختیار کرنے کا ارشاد ہے اس لئے مرد کا ننگے سر نماز پڑھنا یا مونڈھے یا کہنیاں کھول کر نماز پڑھنا مکروہ ہے خواہ قمیص ہی نیم آستین ہو یا آستین چڑھالی گئی ہو۔ بہرحال نماز مکروہ ہے۔

اسی طرح ایسے لباس میں بھی نماز مکروہ ہے جس کو پہن کر آدمی اپنے دوستوں اور عوام کے سامنے جانا قابل شرم وعار سمجھے جیسے صرف بنیان بغیر کرتے کے۔ اگرچہ پوری آستین بھی ہو' یا سر پر بجائے ٹوپی کے کوئی کپڑا یا چھوٹا دستی رومال باندھ لینا کہ کوئی سمجھ دار آدمی اپنے دوستوں یا دوسروں کے سامنے اس ہیئت میں جانا پسند نہیں کرتا تو اللہ رب العالمین کے دربار میں جانا کیسے پسندیدہ ہو سکتا ہے۔ سر مونڈھے کہنیاں کھول کر نماز کا مکروہ ہونا آیت قرآنی کے لفظ زینت سے بھی مستفاد ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریحات سے بھی۔

جس طرح آیت کا پہلا جملہ جاہلیت عرب کی رسم عریانی کو مٹانے کے لئے نازل ہوا مگر عموم الفاظ سے اور بہت سے احکام ومسائل اس سے معلوم ہوئے اسی طرح دوسرا جملہ "کلوا واشربوا" الخ بھی اگرچہ جاہلیت عرب کی اس رسم کو مٹانے کے لئے نازل ہوا کہ ایام حج میں اچھی غذا کھانے پینے کو گناہ سمجھتے تھے لیکن عموم الفاظ سے یہاں بہت

سے احکام ومسائل ثابت ہوئے۔

کھانا پینا بقدر ضرورت فرض ہے

اول یہ کہ کھانا پینا شرعی حیثیت سے بھی انسان پر فرض ولازم ہے' باوجود قدرت کے کوئی شخص کھانا پینا چھوڑدے یہاں تک کہ مرجائے یا اتنا کمزور ہوجائے کہ واجبات بھی ادا نہ کرسکے تو یہ شخص عنداللہ مجرم وگنہگار ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ "کلوا واشربوا ولا تسرفوا" کے کلمات سے آٹھ مسائل شرعیہ نکلے۔

اول یہ کہ کھانا پینا بقدر ضرورت فرض ہے۔ دوسرے یہ کہ جب تک کسی چیز کی حرمت کسی دلیل شرعی سے ثابت نہ ہوجائے ہر چیز حلال ہے۔ تیسرے یہ کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ممنوع کردیا ان کا استعمال اسراف اور ناجائز ہے۔ چوتھے یہ کہ جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے حلال کی ہیں ان کو حرام سمجھنا بھی اسراف اور سخت گناہ ہے۔ پانچویں یہ کہ پیٹ بھرجانے کے بعد اور کھانا ناجائز ہے' چھٹے یہ کہ اتنا کم کھانا جس سے کمزور ہوکر ادائے واجبات کی قدرت نہ رہے (یہ بھی اسراف ہے) ساتویں یہ کہ ہروقت کھانے پینے کی فکر میں رہنا بھی اسراف ہے۔ آٹھویں یہ کہ جب بھی کسی چیز کو جی چاہے تو ضرور ہی اس کو حاصل کرے۔ (یہ بھی اسراف ہے)

(انتہی از معارف القرآن باختصار ٣ر ٥٤٢ تا ٥٤٦)

....

(ت) :۔ رہا مسئلہ گھر اور مکان کا تو چونکہ انسان کی جسمانی ساخت کچھ ایسی ہے کہ اس کے لئے سردی اور گرمی دونوں کا برداشت کرنا ناممکن ہے چنانچہ انسان ضعیف البنیان کے متعلق خود باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :

وخلق الانسان ضعیفا۔

(النساء۔ ۲۸)

ترجمہ : "اور آدمی کمزور پیدا کیا گیا ہے"۔

پس (جب وہ خلقی طور پر ضعیف ہے تو) اسی وجہ سے وہ اپنے لئے سردی اور گرمی سے حفاظت کا بندوبست کرنے پر مجبور ہے تاکہ اس کے جسم کو تحفظ حاصل ہو اور جو امانت اسے من جانب اللہ سپرد ہوئی ہے اسے انجام دینے کے لائق ہو اور یہ ضرورت بغیر کسی گھر اور در و دیوار کے پوری ہونا ناممکن پس اس اعتبار سے انسان کے لئے گھر کا ہونا بھی کھانے پینے کی طرح اس کی بنیادی ضرورتوں میں شامل ہے۔

وسائل معاش کے متفرق ہونے کی حکمتیں

امام صاحبؒ نے ارشاد فرمایا :

"خالق کائنات نے دنیا والوں کے معاش کے واسطے جو مختلف اسباب و وسائل مقرر فرمائے ہیں اس میں بڑی حکمتیں ہیں"۔

کیونکہ انسانی زندگی کی ضروریات اس قدر زیادہ (اور اس درجہ متفاوت) ہیں کہ انہیں مہیا کرنا کسی ایک آدمی کے بس کی بات نہیں حتی

کہ اگر کوئی شخص چاہے کہ وہ تن تنہا ان تمام ضروریات (سے متعلق صرف معلومات ہی فراہم کرے یا انہیں) سیکھ ہی لے تو اس کی عمر فنا ہو جائے گی پھر بھی وہ مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے گا۔ اور جن چیزوں کا سیکھنا ہی اس کے بس میں نہیں تو ان کا مہیا کرنے کیسے ممکن ہے۔ (لامحالہ وہ ایسے شخص کا محتاج ہے جو اس کی ضرورت کی چیز اسے بنا کر دے) اور کائنات کا معاشی نظام اسی تعاون اور امداد باہمی سے وابستہ ہے چنانچہ احکم الحاکمین اور رب العالمین نے ہر انسان کے لئے ان وسائل و اسباب میں کسی ایک کا سیکھنا آسان فرما دیا ہے جس میں وہ دلچسپی لیتے ہوئے اپنی جسمانی اور فکری صلاحیتوں کے سہارے خود بھی اپنی کارآمد اشیاء فراہم کرتا ہے اور دوسرے لوگ بھی اپنی ضرورت کی چیز اس کے علم و ہنر کے طفیل پا لیتے ہیں۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے اسی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے :

المومنون کالبنیان یشد بعضہ بعضا۔

ترجمہ : "تمام مومنین کا تعلق ایسا ہے جیسا عمارت کہ اس کے حصے ایک دوسرے کے ساتھ بڑی مضبوطی سے جڑے ہوتے ہیں"۔

اور حق تعالیٰ نے اسے یوں بیان فرمایا ہے :

نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوۃ الدنیا ورفعنا بعضھم فوق بعض درجات لیتخذ بعضھم بعضا سخریا۔

(زخرف ۳۲)

ترجمہ: "دنیوی زندگی میں ان کی روزی ہم نے تقسیم کر رکھی ہے اور (اس تقسیم میں) ہم نے ایک کو دوسرے پر رفعت دے رکھی ہے تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے (اور عالم کا انتظام قائم رہے)

....

(ف) تقسیم معیشت کا قدرتی نظام:۔ "نحن قسمنا بینهم" (ہم نے تقسیم کیا ہے ان کے درمیان ان کی معیشت کو) مقصد یہ ہے کہ ہم نے اپنی حکمت بالغہ سے دنیا کا نظام ایسا بنایا ہے کہ یہاں ہر شخص اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے دوسرے کی امداد کا محتاج ہے اور تمام لوگ اسی باہمی احتیاج کے رشتے میں بندھے ہوئے پورے معاشرے کی ضروریات کی تکمیل کر رہے ہیں' اس آیت نے کھول کر یہ بات بتلادی کہ اللہ تعالیٰ نے تقسیم معیشت کا کام (اشتراکیت کی طرح) کسی بااختیار انسانی ادارے کے سپرد نہیں کیا جو منصوبہ بندی کے ذریعے یہ طے کرے کہ معاشرے کی ضروریات کیا ہیں؟ انہیں کس طرح پورا کیا جائے' وسائل پیداوار کو کس تناسب کے ساتھ کن کاموں میں لگایا جائے اور ان کے درمیان آمدنی کی تقسیم کس بنیاد پر کی جائے اس کے بجائے یہ تمام کام اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں اور اپنے ہاتھ میں رکھنے کا مطلب یہی ہے کہ ہر شخص کو دوسرے کا محتاج بنا کر دنیا کا نظام ہی ایسا بنادیا ہے جس میں اگر (اجارہ داریوں وغیرہ کے ذریعہ) غیر فطری رکاوٹیں پیدا نہ کی جائیں تو وہ نظام خود بخود یہ تمام مسائل حل کردیتا ہے۔

باہمی احتیاج کے اس نظام کو موجودہ معاشی اصطلاح میں "طلب ورسد" کا نظام کہا جاتا ہے۔ "طلب ورسد" کا قدرتی قانون یہ ہے کہ جس چیز کی رسد کم ہو اور طلب زیادہ اس کی قیمت بڑھتی جاتی ہے لہٰذا وسائل پیداوار اس چیز کی تیاری میں نفع دیکھ کر اسطرف متوجہ ہوجاتے ہیں اور جب رسد طلب کے مقابلہ میں بڑھ جاتی ہے تو قیمت گھٹ جاتی ہے چنانچہ اس چیز کی مزید تیاری نفع بخش نہیں رہتی اور وسائل پیداوار اس کے بجائے کسی اور کام میں مصروف ہوجاتے ہیں جس کی ضرورت زیادہ ہو۔

اسلام نے "طلب ورسد" کی انہی قدرتی قوتوں کے ذریعہ دولت کی پیدائش اور تقسیم کا کام لیا ہے اور عام حالات میں "تقسیم معیشت" کا کام کسی انسانی ادارے کے حوالے نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ منصوبہ بندی کے خواہ کتنے ترقی یافتہ طریقے دریافت کرلئے جائیں لیکن ان کے ذریعہ معیشت کی ایک ایک جزوی ضرورت کا احاطہ ممکن نہیں اور اس قسم کے معاشرتی مسائل عموماً ایسے ہی قدرتی نظام کے تابع چلتے ہیں۔ زندگی کے بیشتر معاشرتی مسائل اسی طرح قدرتی طور پر خود بخود طے پاجاتے ہیں اور انہیں حکومت کی منصوبہ بندی کے حوالہ کرنا زندگی میں ایک مصنوعی جکڑ بند پیدا کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ مثال کے طور پر یہ بات کہ دن کا وقت کام کے لئے ہے اور رات کا سونے کے لئے کسی معاہدہ عمرانی یا انسانی منصوبہ بندی کے تحت نہیں طے پائی۔ بلکہ قدرت کے خودکار نظام نے خود بخود یہ فیصلہ کردیا ہے۔ اسی طرح یہ مسئلہ کہ کون شخص کس سے شادی کرے طبعی مناسبتوں کے فطری نظام کے یا مثلاً یہ

بات کہ کون شخص علم وفن کے کس شعبہ کو اپنا میدان بنائے' اسے طبعی ذوق اور مناسبت کے بجائے حکومت کی منصوبہ بندی کے حوالہ کردینا ایک خواہ مخواہ کی زبردستی ہے۔ اور اس سے نظام فطرت درہم برہم ہوسکتا ہے۔ اسی طرح نظام معیشت کو بھی قدرت نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور ہر شخص کے دل میں وہی کام ڈالدیا ہے جو اس کے لئے زیادہ مناسب ہے اور جسے وہ بہتر طریقے سے انجام دے سکتا ہے۔ چنانچہ ہر شخص خواہ وہ ایک خاکروب ہی کیوں نہ ہو اپنے کام پر خوش ہے اور اسی کو اپنے لئے سرمایہ فخر سمجھتا ہے "کل حزب بمالدیھم فرحون" البتہ سرمایہ دارانہ نظام کی طرح اسلام نے افراد کو اتنی آزادی نہیں دی کہ وہ ہر جائز وناجائز طریقے سے دولت سمیٹ کر دوسروں کے لئے رزق کے دروازے بند کردیں' بلکہ ذرائع آمدنی میں حلال وحرام کی تفریق کرکے سود' سٹہ' قمار اور ذخیرہ اندوزی کو ممنوع قرار دیدیا ہے۔ پھر جائز آمدنی پر بھی زکوٰۃ' عشر وغیرہ کے واجبات عائد کرکے ان خرابیوں کا انسداد کردیا ہے جو موجودہ سرمایہ دارانہ نظام میں پائی جاتی ہیں اس کے باوجود بھی اگر اجارہ داریاں قائم ہوجائیں تو ان کو توڑنے کے لئے حکومت کی مداخلت کو جائز رکھا ہے۔

(معارف القرآن ۷/۷۲۸ تفسیر سورہ زخرف)

....

(ت) :۔ چنانچہ غریب آدمی امیر ودولتمند کے مال کا محتاج ہے اور امیر آدمی غریب کے عمل اور اس کی محنت ومشقت کا محتاج ہے اسی طرح کاشتکار اپنے لباس کے لئے کپڑے بننے (اور لباس تیار کرنے والے) کے

عمل کا محتاج ہے اور کپڑے تیار کرنے والا کاشتکار کے عمل کا محتاج ہے کہ جس سے وہ اپنے خورد ونوش کا انتظام کرسکے نیز کپڑے تیار کرنے کے لئے روئی وغیرہ حاصل کرسکے۔ پھر یہ دونوں اپنے اپنے کاروبار کے ذریعہ دیگر لوگوں کے لئے وہ چیزیں فراہم کرتے ہیں جو لوگوں کے لئے عبادت اور اطاعت میں معین ومددگار ہوتی ہیں کیونکہ عبادات بجالانے کی قابلیت واستعداد انہی امور سے حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ اس تعاون علی البر میں سے ہے جس کے متعلق حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

وتعاونوا علی البر والتقویٰ۔

(سورہ مائدہ نمبر۲)

ترجمہ: "یعنی نیکی اور پرہیز گاری کی باتوں میں ایک دوسرے کی اعانت کرتے رہو"۔

....

(ف) باہمی تعاون وتناصر کا قرآنی اصول :۔ اس آیت میں قرآن حکیم نے ایک ایسے اصول اور بنیادی مسئلہ کے متعلق حکیمانہ فیصلہ دیا ہے جو پورے نظام عالم کی روح ہے اور جس پر انسانی زندگی کی بقاء موقوف ہے۔ وہ مسئلہ "باہمی تعاون وتناصر کا!" ہر ذی ہوش انسان جانتا ہے کہ اس دنیا کا پورا نظام انسان کے باہمی تعاون وتناصر پر قائم ہے اگر ایک انسان دوسرے انسان کی مدد نہ کرے تو کوئی انسان خواہ وہ کتنا ہی عقلمند یا کتنا ہی زور آور ہو یا مالدار ہو اپنی ضروریات زندگی کو تنہا حاصل نہیں کرسکتا۔ اکیلا انسان نہ اپنی غذا کے لئے غلہ اگانے سے لے کر کھانے کے قابل بنانے تک کے تمام مراحل کو طے کرسکتا ہے نہ لباس

وغیرہ کے لئے روئی کی کاشت سے لے کر اپنے بدن کے موافق کپڑا تیار کرنے تک بیشار مسائل حل کر سکتا ہے۔ اور نہ اپنے بوجھ کو ایک جگہ سے دسری جگہ منتقل کر سکتا ہے۔

غرض ہر انسان اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں دوسرے ہزاروں لاکھوں انسانوں کا محتاج ہے ان کے باہمی تعاون وتناصر سے سارا دنیا کا نظام چلتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو یہ تعاون دنیوی زندگی ہی میں ضروری نہیں مرنے سے لے کر قبر میں دفن ہونے تک کے سارے مراحل بھی اسی تعاون کے محتاج ہیں۔ بلکہ اس کے بعد بھی اپنے پیچھے رہنے والوں کی دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کا محتاج رہتا ہے۔

حق جل شانہ نے اپنی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ سے اس جہان کا ایسا محکم نظام بنایا ہے کہ ہر انسان کو دوسرے کا محتاج بنا دیا ہے۔ غریب آدمی پیسوں کے لئے مالدار کا محتاج ہے تو بڑے سے بڑا مالدار بھی محنت ومشقت کے لئے غریب مزدور کا محتاج ہے۔ سوداگر گاہکوں کا محتاج ہے اور گاہک سوداگروں کا۔ مکان بنانے والا معمار' لوہار' بڑھئی کا محتاج ہے اور یہ سب اس کے محتاج ہیں اگر یہ ہمہ گیر احتیاج نہ ہوتی اور تعاون محض اخلاقی برتری پر رہ جاتا کون کس کا کام کرتا۔ اس کا وہی حشر ہوتا جو عام اخلاقی قدروں کا اس دنیا میں ہو رہا ہے۔ اور اگر یہ تقسیم کار کسی حکومت یا بین الاقوامی ادارہ کی طرف سے بصورت قانون کر بھی دی تو اس کا بھی وہی انجام ہوتا جو آج پوری دنیا میں دنیا کے قانون کا ہو رہا ہے کہ قانون ایکٹوں سے محفوظ ہے اور بازار اور دفاتر میں رشوت' بیجا رعایت' فرض ناشناسی اور بے عملی کا قانون چل رہا ہے'

یہ محض حکیم الحکماء' قادر مطلق کا الٰہی نظام ہے کہ مختلف لوگوں کے دلوں میں مختلف کاروبار کی امنگ اور صلاحیت پیدا کر دی انہوں نے اپنی اپنی زندگی کا محور اسی کام کو بنا لیا۔

ہر کسے   را   بہر کارے   ساختند
میل   او را   در دلش   انداختند

ورنہ اگر کوئی بین الاقوامی ادارہ یا کوئی حکومت تقسیم کار کرتی اور کسی جماعت کو بڑھئی کے کام کے لئے اور کسی کو لوہار کے کام کے لئے' کسی کو خاکروب کے کام کے لئے' کسی کو پانی کے لئے' کسی کو خوراک کے لئے مقرر کرتی تو کون اس کے حکم کی ایسی اطاعت کرتا کہ دن کا چین اور رات کی نیند خراب کر کے اس میں لگ جاتا۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ہر انسان کو جس کام کے لئے پیدا کیا ہے اس کام کی رغبت اس کے دل میں ڈال دی وہ بغیر کسی قانونی مجبوری کے اس خدمت ہی کو اپنی زندگی کا کام سمجھتا ہے اس کے ذریعہ اپنی روزی حاصل کرتا ہے۔ اس نظام محکم کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ انسان کی ساری ضروریات چند ٹکے خرچ کرنے سے باسانی حاصل ہو جاتی ہیں۔ پکا پکایا کھانا' سلا سلایا کپڑا' بنا بنایا فرنیچر' تیار شدہ مکان سب کچھ ایک انسان کچھ پیسے خرچ کر کے حاصل کر لیتا ہے۔ اگر یہ نظام نہ ہوتا تو ایک کروڑ پتی انسان اپنی پوری دولت لٹا کر بھی گندم کا ایک دانہ حاصل نہ کر سکتا۔ اسی قدرتی نظام کا نتیجہ ہے کہ آپ ہوٹل میں قیام پذیر ہو کر جس جس چیز سے فائدہ اٹھاتے ہیں اگر ان کا تجزیہ کریں تو معلوم ہو گا کہ آٹا امریکہ کا' گھی پنجاب کا' گوشت سندھ کا' مسالے مختلف ملکوں کے' برتن اور

فرنیچر مختلف ملکوں کا‘ کام کرنے والے بیرے باورچی مختلف شہروں کے آپ کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ اور ایک لقمہ جو آپ کے منہ تک پہنچا ہے اس میں لاکھوں مشینوں‘ جانوروں اور انسانوں نے کام کیا ہے تب یہ آپ کے ذائقہ کو سنوار سکا ہے‘ آپ صبح گھر سے نکلے تین چار میل جانا ہے جس کی طاقت یا فرصت آپ کو نہیں آپ کو اپنے کسی قریبی مقام میں ٹیکسی اور رکشہ یا بس کھڑی ہوئی ملے گی جس کا لوہا آسٹریلیا کا‘ لکڑی برما کی‘ مشینری امریکہ کی‘ ڈرائیور فرنٹیئر کا کنڈکٹر یوپی کا‘ یہ کہاں کہاں کے سامان اور کہاں کہاں کی مخلوق آپ کی خدمت کے لئے کھڑی ہے کہ صرف چند پیسے دیکر آپ ان سب سے خدمت لے لیں۔ ان کو کس حکومت نے مجبور کیا ہے یا کس نے پابند کیا ہے کہ یہ ساری چیزیں آپ کے لئے مہیا کردیں سوا اس قانون قدرت کے جو قلوب کے مالک نے تکوینی طور پر ہر ایک کے دل پر جاری فرمادیا ہے۔ آج کل سوشلسٹ ممالک نے اس قدرتی نظام کو بدل ان چیزوں کو حکومت کی ذمہ داری بنالیا ہے کہ کون انسان کیا کام کرے۔ اس کے لئے ان کو سب سے پہلے ظلم کے ذریعہ انسانی آزادی سلب کرنا پڑی جس کے نتیجہ میں ہزاروں انسانوں کو قتل کیا گیا‘ ہزاروں کو قید کیا گیا‘ باقی ماندہ انسانوں کو شدید جبر وظلم کے ذریعہ مشین کے پرزوں کی طرح استعمال کیا گیا جس کے نتیجہ میں اگر کسی جگہ کچھ اشیاء کی پیداوار بڑھ بھی گئی تو انسان کی انسانیت ختم کرکے بڑھی‘ تو یہ سودا سستا نہیں پڑا‘ قدرتی نظام میں ہر انسان آزاد بھی ہے اور قدرتی تقسیم طبائع کی بنا پر خاص خاص کاموں کے لئے مجبور بھی۔ اور وہ مجبوری بھی چونکہ اپنی طبیعت سے ہے اس لئے اس کو کوئی

بھی جبر محسوس نہیں کرتا‘ سخت سے سخت محنت اور ذلیل سے ذلیل کام کے لئے خود آگے بڑھنے والے اور کوشش کرکے حاصل کرنے والے ہر جگہ ہر زمانہ میں ملتے ہیں اور اگر کوئی حکومت ان کو اس کام کے لئے مجبور کرنے لگے تو یہ سب اس سے بھاگنے لگیں گے۔

(معارف القرآن ۳ر۲۰ تا ۲۲ سورہ طہ)

(ت) :۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :

ان اللہ تعالٰی فی عون العبد ما دام العبد فی عون اخیہ المسلم (۱) (متفق علیہ)

ترجمہ : "بلاشبہ خدا تعالٰی بندے کی مدد فرماتے رہتے ہیں جب تک بندہ اپنے مسلمان بھائی کی معاونت کرتا رہے"۔

اور یہ (بشارت) ہر حال میں ہے چاہے اس عمل پر اجرت اور مزدوری طے ہوئی ہو یا نہیں پس اگر اس کا مقصد وہی ہے جو مذکور ہوا تو اس کا یہ عمل (اور کاروبار) طاعت (اور عبادت) شمار ہوگا۔ کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے انما الاعمال بالنیات ولکل امری مانوی(۲)۔ (یعنی اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی) یعنی (جتنی نیتیں وہ کرلے تمام کا ثواب ملے گا)

لہٰذا اگر کام کرنے والا اپنے عمل میں یہ نیت بھی شامل کرلے کہ اس کے ذریعہ وہ عبادت ادا کرنے کی صلاحیت (اپنے اندر) پیدا کرے گا

---

(۱) الحدیث متفق علیہ بلفظ من کان فی حاجۃ اخیہ کان اللہ فی حاجتہ... "الحدیث (المشکوۃ، الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق) (۲) حدیث انما الاعمال بالنیات متفق علیہ ایضا.

یا اپنے مسلمان بھائی کے لئے عبادت میں تعاون کا ذریعہ بنے گا تو اسے اپنے عمل سے ہر نیت کا ثواب مستقل ملے گا۔ جس طرح میاں بیوی کا معاملہ ہے کہ وہ جب اپنے فعل (مقاربت) سے اولاد کے حصول کی نیت کریں تا کہ بندگان خدا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اضافہ ہو تو انہیں اس عمل پر اجر وثواب کا حصول ہوگا اگرچہ یہ فعل بذاتہ نفسانی خواہش کی تسکین کے لئے ہے مگر اس میں نیت کے اضافہ سے یہی فعل ایک عبادت ہو جاتا ہے۔ اور قضائے شہوت ایک ضمنی شی رہ جاتی ہے۔ پس تمام کاروبار اور وسائل واسباب کا اختیار کرنا اسی کے مانند ہے۔

انسان کا کھانا پینا چھوڑ دینا خودکشی کے مترادف ہے

امام صاحبؒ نے ارشاد فرمایا :

"پس اگر لوگ کھانا پینا چھوڑ دیں۔ تو وہ گنہگار ہیں کیونکہ اس کا انجام ہلاکت ہے"۔

مطلب یہ ہے کہ انسانی جسم کا بغیر کھائے پیئے زندہ سلامت رہنا عادۃً ناممکن ہے لہٰذا کھانا پینا ترک کردینے والا اپنے نفس کا قاتل (خودکشی کرنے والا) ٹھہرے گا اور حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے :

ولا تقتلوا انفسکم یعنی تم اپنے آپ کو قتل مت کرو (نساء ۲۹)

اور ایسا شخص اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہا ہوتا ہے' نیز حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا ہے :

ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ۔

ترجمہ : "اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں مت ڈالو"۔

اور سد رمق کیلئے کھانا تو فرض ہے مگر مزید اتنا کھانا کہ جس سے آدمی کے اندر قوت عمل پیدا ہو مندوب ومستحب ہے کیونکہ اگر کھانا پیٹ بھر کر نہ کھائے گا تو ضعف اور کمزوری لاحق ہوگی جو بسا اوقات عبادات سے روکنے کا سبب بن سکتی ہے۔ اور حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے :

المومن القوی احب الی اللہ من المومن الضعیف وفی کل خیر -(۱)

ترجمہ : "یعنی قوی اور طاقتور مومن اللہ تعالیٰ کے نزدیک کمزور مومن سے زیادہ پسندیدہ ہے اور خیر ہر ایک کے شامل حال ہے"۔

کیونکہ ایسے اسباب کا اختیار کرنا جو کسی عبادت میں معاون ہو خود عبادت ہے اور ہر مومن کو اس کی ترغیب ہے کہ وہ اپنے رب کی اطاعت اور عبادت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دے۔

اور حضرت ابو ذر غفاریؓ سے جب کسی نے افضل اعمال کے متعلق سوال کیا تو آپ نے اسی حقیقت کی طرف یہ کہہ کر اشارہ فرمایا کہ الصلاۃ واکل الخبز" یعنی نماز پڑھنا اور روٹی کھانا۔

اور امام صاحبؒ نے فرمایا :

"اگر کوئی شخص اضطرار کی حالت میں ہو پھر بھی کچھ نہ کھائے حتی کہ بھوکا مرجائے تو وہ جہنمی ہے"۔

(۱) الحدیث رواہ مسلم (المشکوۃ، الرقاق، التوکل والصبر۔

یہاں کھانے سے مراد مردار کھانا ہے۔ کیونکہ ضرورت کے وقت حرمت اباحت میں بدل جاتی ہے اور جب یہ حکم مردار جیسی شے کا ہے جو کہ بغیر اضطراری ضرورت کے حرام تھی تو ضرورت کے وقت حلال کھانے کا حکم کیا ہونا چاہیے یہ آدمی خود سوچ لے!

....

(ف) اضطرار و مجبوری کے احکام :۔ مضطر شرعی اصطلاح میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی جان خطرہ میں ہو، معمولی تکلیف یا ضرورت سے مضطر نہیں کہا جا سکتا۔ تو جو شخص بھوک سے ایسی حالت پر پہنچ گیا کہ اگر کچھ نہ کھائے تو جان جاتی رہے گی، اس کے لئے دو شرطوں کے ساتھ یہ حرام چیزیں کھالینے کی گنجائش دی گئی ہے، ایک شرط یہ ہے کہ مقصود جان بچانا ہو کھانے کی لذت حاصل کرنا مقصود نہ ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ صرف اتنی مقدار کھائے جو جان بچانے کے لئے کافی ہو، پیٹ بھر کر کھانا یا قدر ضرورت سے زائد کھانا اس وقت بھی حرام ہے۔

(معارف القرآن ۱/۴۱۵، سورہ بقرہ)

....

(ت) لباس کا استعمال بھی فرض ہے :۔ اور امام صاحبؒ نے ارشاد فرمایا :

"ستر عورت (یعنی پوشیدہ اعضا کا چھپانا) فرض ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے "خذوا زینتکم" اپنا لباس پہن لیا کرو۔"

یہاں مراد نماز کے وقت ستر پوشی ہے۔ کیونکہ آیت شریفہ میں مسجد کا ذکر خاص طور سے آیا ہے اور لوگ مسجدوں سے زیادہ بازار میں ہوتے ہیں۔ پس مسجد کے ذکر کا مقصد یہاں یہی ہے کہ نماز کیلئے ستر پوشی کی جائے ورنہ مسجد کی تخصیص بے معنی ہو جائے گی تو معلوم ہوا کہ ستر پوشی نماز کے شرائط میں سے ہے لہٰذا یہ فرض ہے اور اگر یہاں مراد لوگوں سے ستر چھپانا ہے تو بھی چونکہ "امر" درحقیقت حکم کو واجب کرنے کے لئے آتا ہے اس لئے ہر حالت میں ستر پوشی کا حکم بھی اس آیت سے ثابت ہے۔ پھر اگر آدمی اپنے گھر میں اکیلا ہے تو ایسی حالت میں ستر پوشی مستحب ہے کیونکہ روایت میں ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ کے سامنے کشف عورت کا ذکر ہوا تو دریافت کیا گیا کہ اگر کوئی شخص تنہائی میں ہو تو پھر اس کا حکم کیا ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

اللہ احق ان یستحیی منہ

ترجمہ : "یعنی اللہ تعالیٰ ہی زیادہ لائق ہیں کہ ان سے شرمایا جائے"۔

پانی کے لئے برتن فراہم کرنا بھی ضروری اور واجب ہے

امام صاحبؒ نے ارشاد فرمایا:

"اور لوگوں پر واجب ہے کہ ایسے برتن مہیا کریں جس کے ذریعہ مستورات تک پانی پہنچ سکے"۔

کیونکہ عورت کو بھی وضو کرنے اور پینے کے لئے (نیز دیگر ضروریات کے لئے) پانی درکار ہے اور وہ وضو کے بدلے تیمم کر بھی لے تو بھی پیاس بجھانے کے لئے پانی کا ہونا ضروری ہے اور یہ وہ کر نہیں سکتی کہ خود نہر یا کنویں اور تالاب سے پانی لانے کے لئے گھر سے باہر جائے کیونکہ اسے گھر میں ٹھہرے رہنے کا حکم ہے چنانچہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وقرن فی بیوتکن۔

(الاحزاب۔ ۳۳)

ترجمہ: "یعنی تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو"۔ (۱)

....

(ف ۱) :۔ کسی شرعی یا طبعی ضرورت کی بنا پر بدون زیب و زینت کے مبتذل اور ناقابل اعتناء (ناقابل التفات) لباس میں مستتر (ڈھک چھپ) کر نکلنا بشرطیکہ ماحول کے اعتبار سے فتنہ کا مظنہ (اندیشہ) نہ ہو بلا شبہ اس کی اجازت نصوص سے نکلتی ہے۔ لیکن شارع کے ارشادات سے بداہتہ

یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پسند اسی کو کرتے ہیں کہ ایک مسلمان عورت بہرحال اپنے گھر کی زینت بنے اور باہر نکل کر شیطان کو تاک جھانک کا موقع نہ دے۔ (تفسیر عثمانی سورہ احزاب)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"خلاصہ یہ کہ آیت "وقرن فی بیوتکن" کے مفہوم سے باشارات قرآن وبعمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور باجماع صحابہ مواقع ضرورت مستثنیٰ ہیں جن میں عبادات حج وعمرہ بھی داخل ہیں اور ضروریات طبعیہ والدین اور اپنے محارم کی زیارت، عیادت وغیرہ، اسی طرح اگر کسی کے نفقہ اور ضروریات زندگی کا کوئی اور سامان نہ ہو تو پردہ کے ساتھ محنت مزدوری کے لئے نکلنا بھی، البتہ مواقع ضرورت میں خروج کے لئے شرط یہ ہے کہ اظہار زینت کے ساتھ نہ نکلیں بلکہ برقع یا جلباب (بڑی چادر) کے ساتھ نکلیں"۔

(معارف القرآن ۷، ر ۱۳۴)

مسلمان خواتین کے لئے لمحہ فکریہ

موقع کی مناسبت سے ایک نیک دل خاتون کا ایک مضمون درج ذیل کیا جاتا ہے وہ تحریر فرماتی ہیں:

"اسلام نے عورت کو جو عزت بخشی ہے اور اس کے تقدس کی حفاظت کے لئے جو تعلیمات دی ہیں وہ دنیا بھر کے مذاہب سے منفرد ہیں، مسلمان عورت اپنی معاش کی تلاش

کے لئے ماری ماری پھرنے کے لئے نہیں بلکہ گھر کی ملکہ بننے کے لئے پیدا ہوئی ہے اور اس کی عزت و آبرو گھر میں رہ کر ہی سلامت رہ سکتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولی۔

ترجمہ : "اور تم اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور زمانہ جاہلیت کی طرح بناؤ سنگھار کر کے باہر نہ پھرا کرو"۔

ضرورت کے وقت اسلام نے بھی عورت کو باہر نکلنے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ وہ پردے کے آداب و شرائط کو ملحوظ رکھ کر ضرورت کے تحت باہر نکلے پردہ ترقی کے راستہ میں ہرگز حائل نہیں ہے۔ مسلمان ایک زمانہ میں خلیج بنگال سے بحر اٹلانٹک تک حکمران رہے، تہذیب و تمدن میں دنیا کی کوئی دوسری قوم ان کے ہم سر نہ تھی، فلسفہ میں وہ دنیا کے استاد تھے اور یہ ترقی اس معاشرہ میں ہوئی تھی جب پردہ کا رواج تھا۔

اسلامی تاریخ بڑے بڑے اولیاء، مدبرین فاتحین اور علماء کے ناموں سے بھری پڑی ہے آخر یہ لوگ بھی تو کسی جاہل ماؤں کے بطن سے پیدا نہ ہوئے ہوں گے؟ اس زمانہ میں بھی خواتین علوم و فن میں اور ادب میں بڑی طاق تھیں، پردہ نے اس دور میں مسلمانوں کو ترقی سے نہ روکا تھا، تو اب بھی کوئی

رکاوٹ نہیں بشرطیکہ ہم اسی طرح کی "ترقی" چاہیں۔ اگر اہل مغرب کے طرز کی ترقی چاہیے تو پھر بلاشبہ اس میں پردہ بری طرح حائل ہے۔

عزیز بہنو! آیئے اب ذرا یہ دیکھیں کہ ان "ترقی پسندوں" نے صنف نازک کو گھر کی چار دیواری سے نکال کر کیا دیا، یہ شیطانی ناپاک ارادے رکھنے والے دشمن جو عورت کی ترقی اور "آزادی نسواں" کا نعرہ لگاتے ہیں ذرا ان سے دریافت کیا جائے "آزادی کی راہ دکھانے اور آزادی دینے والو تم نے عورت کو کیا دیا؟ عورت کو بے نقاب اور بے حجاب کر کے اسے کون سا شرف بخشا؟" ہر جگہ آپ دیکھیں گے کہ عورت کو ہر پوسٹ پر کلرک، پرائیوٹ سیکریٹری، ٹیلی فون آپریٹر، ایئر ہوسٹس، سیلز گرل، اور بہت ہی ترقی کی تو ٹیچر یا ڈاکٹر بن گئی۔ ایک مرد (شوہر) سے آزادی پا کر سو مردوں کی خدمت اپنے ذمہ لے لی، آزادی کے خواب دکھانے والوں نے اس بھولی بھالی عورت سے خوب فائدے حاصل کئے، اپنی تجارت کے فروغ، اپنی مصنوعات کی پبلسٹی کے لئے، عورت کو اس کثرت سے استعمال کیا کہ لاکھوں کی چیز ہو یا ٹکے کی اس پر عورت کی دل لبھانے والی تصویر چھپی ہوگی، اشتہارات کیلئے ٹی وی پر دکھایا گیا۔ حقیقت تو یہ ہے

کہ عورت آزادی کی خاطر اس قدر ذلیل و رسوا کبھی نہ ہوئی ہوگی جس قدر کہ آزادی کے علمبرداروں نے اسے آج ذلیل کیا۔

عورت مرد کی ہمسری کبھی نہیں کر سکتی' مرد اپنی قوت و صلاحیت کی وجہ سے (جو فطری طور پر اسے ودیعت کی گئی ہیں) ہمیشہ آگے رہا ہے' اہم عہدوں اور مناصب پر اسی کا قبضہ ہے اور زندگی کے تمام شعبوں پر وہی چھایا ہوا ہے' اگر کروڑوں میں سے دو چار عورتیں اعلیٰ عہدوں (وزیر اعظم یا صدر) کو پہنچیں بھی تو القلیل کالمعدوم کے تحت ان کا کوئی اعتبار نہیں اور اس طرح کی چند شاذ و نادر مثالوں سے اس کی تردید نہیں ہوتی' بات تو اکثریت کی ہے اور عورتوں کی اکثریت گھر کی چار دیواری سے باہر نکل کر قلیل آمدنی پر صرف اس نوعیت کے پیشے اپنانے پر مجبور کی گئی ہے جن میں صرف اور صرف مردوں کی خدمت اور ان کے دل بہلانے مطلوب ہیں۔ کروڑوں عورتوں کو مذکورہ بالا نوکریاں دے کر اور ان سے خدمت لے کر دو چار کو اعلیٰ عہدے دے دینا' کیا آزادی اور مساوات اسی کا نام ہے؟ کیا حواء کی بیٹی نے اپنی انمول شرم و حیا کی دولت لٹا کر جو کچھ پایا اسے یہ سودا کچھ زیادہ مہنگا نہیں پڑا۔

آیئے اس پر بھی ایک نظر ڈالتے چلیں کہ اسلام کے سنہری احکام اور چادر و چار دیواری جسے آج کی عورت قید و بند سمجھتی ہے اس نے عورت کو کیا مقام دیا؟ اسلام نے عورت کو زندہ رہنے کا حق دیا جب کہ زمانہ جاہلیت میں بیٹی کی پیدائش باعث عار تھی' وہ معصوم پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کردی جاتی' اسلام نے عورت کا وراثت میں حصہ رکھا' اسے ماں بہن' بیوی' بیٹی ہر روپ میں لائق احترام قرار دیا' اسلام نے عورت پر کوئی معاشی ذمہ داری نہیں ڈالی۔ اسے عزت و آبرو کے ساتھ گھر میں بیٹھنے کا حکم دیا اور مردوں کو باپ بھائی بیٹا یا شوہر کی حیثیت سے ان کے نان نفقہ کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ اسلام نے عورت کو عزت و حرمت کا مقام بخشا ہے۔ حدیث نبوی ہے کہ "جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی حتی کہ وہ بلوغ کو پہنچ گئیں تو روز قیامت وہ میرے ساتھ اس طرح ہوں گے جیسے کہ میری دو انگلیاں" یہ اس نبی کریم ﷺ کی ذات تھی جس نے ایک شوہر کو بتایا کہ بیوی تیرے لئے کیا چیز ہے' فرمایا "دنیا کی بہترین نعمتوں میں سے بہترین نعمت بیوی ہے۔ ماں کا رتبہ اس قدر بلند ہے کہ جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی فرمایا "جنت تمہاری ماؤں کے قدموں تلے ہے"۔ آپ ﷺ مردوں کو

عورتوں کے ساتھ حسن سلوک سے رہنے کی تلقین فرماتے۔ ایک جگہ فرمایا :

خیر کم خیر کم لاھلہ وانا خیر کم لاھلی۔

ترجمہ : "تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا ہو اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ تم سب سے اچھا ہوں"۔

فرمایا :

"عورتوں کی عزت وہی شخص کرے گا جو شریف ہو اور عورتوں کو وہی شخص بے عزت کرے گا جو کمینہ ہو"۔

نیز آپ ﷺ کے ارشادات میں ہے :

"دنیا کی ہر چیز سامان ہے اور دنیا کا سب سے اچھا سامان نیک عورت ہے"۔

"مجھے تمہاری دنیا کی چیزوں میں سے خوشبو اور عورتیں محبوب بنائی گئی ہیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے"۔

یہ فرمان ہیں ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کے۔ اس کے علاوہ "عورت آسمانی تحفہ ہے" عورت کے دم سے گھر کی رونق ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کے اقوال آپ نے اکثر جگہ پڑھے ہوں گے اور اپنی اس عزت افزائی پر یقیناً آپ خوش بھی ہوئی

ہوں گی لیکن۔۔۔ کبھی آپ نے یہ سوچا کہ کیا ہم ان صفات کے حامل ہیں؟ جن پر اسلام نے ہمیں یہ اعزازات بخشے؟ کیا ہم اپنی ذمہ داریاں جو خدائے ذوالجلال کی طرف سے سونپی گئی ہیں واقعی بطریق احسن ادا کر رہی ہیں؟

آیئے سب سے پہلے تو ہم اپنے فرائض کا محاسبہ کریں اور دیکھیں کہ کل کی عورت اور آج کی عورت میں کیا فرق ہے اور کیوں ہے؟۔ اور دور حاضر کی خاتون جن راہوں پر چل رہی ہیں اس کی خیر و فلاح اس راہ میں ہے یا اسلام کے سنہرے اصولوں کو اپنا کر وہ دنیا میں عزت و شرافت کا مقام حاصل کر سکتی ہے؟

کل کی ماں

ایک باپردہ، پرنور، مشفق چہرہ نگاہوں کے سامنے ابھرے گا، یہ پیاری ہستی دن بھر گھر کے کام کاج اور اپنے جگر گوشوں کی تعلیم و تربیت و صحت کی فکر کرتی ہے، اولاد کے بارے میں اسکے عزائم بہت بلند ہیں۔ "میرے بیٹے اپنے پیارے نبی ﷺ کے نقش قدم پر چلنے والے، ان کے دیئے ہوئے سبق پر عمل کرنے والے اور بہادری و شجاعت میں خالد بن ولیدؓ کی مثال ہوں گے، وہ طارقؒ بن زیاد، عبدالقادر

جیلانیؒ" "سلطان ایوبیؒ" اور ابوبکر رازیؒ" بنیں گے۔" اور "میری بچیاں؟ ان کی قابل تقلید ہستیاں حضرت فاطمۃ الزہراؓ" عائشہ صدیقہؓ" اور خدیجۃ الکبریٰؓ ہونگی"۔

اپنے بچوں کا ایمان پختہ بناتی ہیں' وہ اپنے بیٹے کے ننھے ذہن پر اللہ جل شانہ کا یقین اس حد تک بٹھاتی ہیں کہ ننھا سا بچہ تپتی دوپہر کو مدرسے سے واپس آیا چہرہ پسینہ سے تربتر' سخت پیاس اور بھوک لگی ہوئی اب یہ نہیں کہ ماں فوراً اس کی طرف لپکے "آگیا میرا چاند میرا لال" جلدی سے منہ ہاتھ دھلا کر کھانا دے اور پہلے سے ٹھنڈا مشروب تیار کرکے رکھے"" نہیں ہرگز نہیں! نہایت اطمینان سے بچہ کو کہتی ہیں چلو بیٹا وضو کرو ظہر کی نماز ادا کرو اپنے پیارے اللہ میاں سے کھانا مانگو بچہ فوراً ایسا کرتا ہے خود جلدی سے کھانا لاکر طاقچہ میں رکھ دیتی ہیں بچہ دعا مانگ کر طاق کی طرف دیکھتا ہے کھانا موجود پاکر خوش ہوجاتا ہے اور کھاکر رب کا شکر ادا کرتا ہے۔ ایک بار ماں کو پڑوس میں جانا ہوا اور کھانا رکھنے کی بات بھول گئی' اب جاکر بڑی پریشان ہوئیں کہ آج کھانا نہ پاکر میرے بچے کا ایمان کہیں متزلزل نہ ہوجائے۔ اسی گھبراہٹ میں خدا سے دعائیں مانگتی ہوئی واپس آئیں تو دیکھا کہ بچہ کٹوری صاف کررہا ہے۔ بے اختیار پوچھا "بیٹا کھانا

کہاں سے کھایا" بولا اماں! اللہ میاں سے مانگا اللہ میاں نے طاقچے سے دے دیا مگر آج کا کھانا تھا بڑے مزے دار۔ خوشی سے ماں کی آنکھوں میں آنسو آگئے "یا اللہ تیرا شکر ہے تو نے میرے بچے کا یقین باقی رکھا"۔

واہیات کھیلوں سے ایسی نفرت دلاتی تھیں کہ معصوم بچے کا ذہن ویسا بن جاتا۔ رات کو فضول قصے کہانیاں سنانے کے بجائے بزرگوں کے ایمان افروز اور سبق آموز واقعات سناتیں اور رات کی دعائیں پڑھ کر سلاتیں' ہر طرف سے چھڑا بچاکر ایک ہی راستہ کی طرف دھکیلتیں اور وہ راستہ ہوتا دین اسلام کا' جب ماں کی لگن سچی ہوتی تو اس کی محنت رنگ لاتی' اس کی اولاد امیدوں سے زیادہ صالح بنتی اور وہ اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتی' بڑھاپا کسمپرسی کی حالت میں گزرنے کے بجائے آرام وراحت میں گزرتا' ہر طرف خدمت گزار اولاد موجود' ضمیر مطمئن دنیا میں خوش آخرت میں سرخرو۔۔

اے جذب دل حوا اے رنگ رخ مریم
تو ملک کی عزت ہے تو قوم کی عظمت ہے

آج کی ماں

ایک الٹرا ماڈرن عورت بچوں سے بے نیاز ننھے بچوں کے بارے میں آیا کو ہدایت دیتے ہوئے خود کوئی پارٹی اٹینڈ کرنے جارہی ہیں اب رات کو لوٹیں گی۔ گھر اور بچے نوکروں کے حوالے' بیگم صاحبہ سوشل ویلفیئر ہیں' دنیا جہاں کی فکر انہیں ہوگی مگر اپنے بچوں سے غافل' وہی بات چراغ تلے اندھیرا' رات کو وی سی آر پر فلم لگے گی' پاس پڑوس سارا جمع ہوگا' اور اپنے بچے سامنے بیٹھ کر سب کچھ دیکھیں گے' بچوں کے آوارہ دوست ہوتے ہیں اور انہیں عیسائیوں کے مشنری اسکولوں میں داخل کیا جاتا ہے (اس کی تفصیل آگے چل کر ہے) ان کا کوئی نگران اور مربی نہیں یہ خودرو پودے ظاہر ہے خاردار ہی بنیں گے' انہیں مذہب سے اس حد تک بیگانہ رکھا جاتا ہے کہ نہ نماز آتی ہوگی اور نہ ہی قرآن مجید پڑھایا گیا ہوگا۔ دین سے بالکل کورے۔ شوقی فرماتے ہیں۔

لیس الیتیم من انتھی ابواہ من
ھم الحیاۃ وخلفاہ ذلیلا

ترجمہ "وہ بچہ درحقیقت یتیم نہیں جس کے والدین دنیا کے غم سے آزاد ہو کر اسے بے یار ومددگا چھوڑ گئے

ہوں'

ان الیتیم ھو الذی تلقی لہ
اما تخلت او ابا مشغولا

ترجمہ "یتیم بچہ درحقیقت وہ ہے جس کو ایسی ماں ملے جو اس سے بے توجہ ہو اور اس کا باپ مشغول ہو"۔

آج کی ماں کو اپنی باہر کی سرگرمیوں سے فرصت نہیں ملتی کہ وہ گھر اور بچوں کی تربیت کی اہم ذمہ داری جو اس کی تمام ذمہ داریوں سے ممتاز ہے پوری پوری ادا کرسکے' وہ اندھی تقلید کے پیچھے دوڑ رہی ہیں اور یہ مغربی تہذیب آگے چل کر بڑھاپے میں انسان کو تنہائی کے مہیب غاروں میں دھکیل دیتی ہے' اس چمکتی دمکتی اور رنگیلی دنیا میں (بظاہر) بوڑھوں کا کوئی وجود نہیں' یہاں انسان کی اہمیت صرف اس کی جوانی تک ہے' ایسی ماں کبر سنی میں بڑے بھیانک دور سے گزرتی ہے' نافرمان اولاد سانپ کی طرح اسے ڈستی ہے اور اس کی کوئی قدر وقیمت اور عزت نہیں ہوتی۔

کل کی بیٹی کل کی بہن

بہت پہلے کی نہیں چند برس قبل بھی لڑکیوں میں بڑی شرم وحیا ہوتی تھی۔ وہ انتہائی سگھڑ اور سلیقہ مند

ہوتی تھیں یہ نہیں کہ جاہل ہوتیں وہ حافظہ عالمہ ہوتیں اور دینی علوم سیکھتیں' بھائی باپ کا احترام ہوتا اور پردہ کے ساتھ ایسے ڈھیلے ڈھالے لباس اور دوپٹہ میں مستور ہوتیں کہ پاکیزگی اور حیا کی پتلی معلوم ہوتیں اور کیوں نہ ہوں جب کہ ان کی قابل تقلید ہستیاں حضرت فاطمہ الزہرہؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ اور دیگر صحابیات ہوتیں اور اسی شرم وحیا کے ساتھ والدین انہیں رخصت کرتے۔

آج کی بیٹی آج کی بہن

اور آج آپ ہم بھی دیکھ رہے ہیں کہ آج کی بہن بیٹی بنت حوا نئی تہذیب اور فیشن کی دلدادہ' میوزک اور گانوں کی دیوانی' کرکٹ پر فدا' دوپٹہ سے بے نیاز اور جدید تراش خراش کا باریک لباس جن کے بارے میں حضور پرنورؐ کا ارشاد ہے "ایک زمانہ ہوگا کہ عورتیں ایسے کپڑے پہنیں گی جنہیں پہن کر بھی وہ عریاں نظر آئیں گی برائی کی طرف خود بھی مائل ہوں گی اور دوسرے مردوں کو بھی برائی کی دعوت دینے والی ہوں گی۔ ان کے سروں پر بال بختی اونٹ کے کوہان کی طرح ہوں گے' ایسی عورتیں جنت کی خوشبو بھی سونگھنے نہ پائیں گی"۔

باپ بھائی کے سامنے بیٹھ کر وی سی آر دیکھ سکتی ہے' اور بغیر پوچھے جہاں جی چاہے گھوم پھر سکتی ہے' کوئی لحاظ اور ادب نہیں' فحش اور لچر رسالے گھر میں کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں' جنہیں پڑھ پڑھ کر نوجوان لڑکیاں بے سوچ سمجھے فحاشی وعریانی کے راستے پر نکل کھڑی ہوتیں ہیں اور آج کل تو لڑکیاں اپنی شادی بیاہ کے معاملات تک خود طے کرلیتی ہیں۔

تسلیم ورضا شیوہ' تقدیس وحیا زیور
یہ وصف نہ ہو جس میں وہ نام کی عورت ہے

آج کی بہن بیٹی ٹیپ ریکارڈر پر موسیقی کے بیہودہ گانے پورا دن لگائے رکھتی ہے' وہ کہتی ہے "موسیقی روح کی غذا ہے اس کے بغیر ہم سے کام نہیں ہوتا"۔ جب کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب سفر پر نکلتیں تو ساز وباجا تو بڑی چیز ہے اگر سامنے سے کسی دوسرے اونٹ کی گھنٹی کی آواز آتی ساربان سے فرماتیں کہ ٹھہر جاؤ تاکہ آواز سننے میں نہ آئے اور اگر سن لیتیں تو کہتیں کہ جلدی چلو تاکہ اس آواز کو سن نہ سکوں۔ ایک طرف تو ہماری مقدس ہستیوں کے لئے یہ چیز یوں ہے جیسے کہ ساز سننا ان کے لئے سزا ہو اور ہم اسے غذا کہہ کر خوب لطف اندوز ہوں۔

کل کی بیوی

خاوند کے مرتبہ کو خوب جانتی تھی وہ اپنے شوہر کی وفادار دینی معاملات میں معاون ومددگار اور محبت کرنے والی تھی' صالحہ عورت کی تمام خوبیاں اس میں موجود تھیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ :

"خاوند جب اس کی طرف دیکھے تو وہ خوش کردے' اس کی اطاعت کرے' اور اس کے پیچھے یعنی غیر موجودگی میں اپنی عزت وعصمت اور اس کے گھربار کی حفاظت کرے"۔

اسے بخوبی معلوم تھا کہ دین ومذہب کے بعد پھر سب سے گراں موتی عزت ہے وہ شوہر کی زندگی کو پرسکون بنانے کے لئے گھر کی فضا خوشگوار رکھتی اور یہی وجہ تھی کہ ایسے نیک اور خوش کن ماحول میں آکر خاوند دن بھر کی کلفت بھول جاتا۔ اس گھر میں آکر وہ خوشی حاصل کرتا اس کی خدمت ہوتی اور وہ آرام پاتا گویا دن بھر کا بوجھ اتر گیا اور وہ ہلکا ہوگیا ہو۔

آج کی بیوی

لیکن اس کے برعکس آپ کو آج کی بیوی کا حال معلوم ہے کہ کس طرح خاوند عاجز آئے ہوئے

ہیں۔ گھر میں جانے کو طبیعت نہیں چاہتی' تو باہر کا رخ کرتے ہیں دوستوں کے پاس یا گلیوں میں' ان کی اس تباہی کی ذمہ دار بیوی ہے آج کی بیوی گھر میں قرار نہیں پکڑتی۔ "وقرن فی بیوتکن" کی مثال نہیں بنتی۔ اسے ہر وقت بننا سنورنا اور باہر جانا چاہئے گھر میں جھگڑے فساد کی یہی وجہ ہے کہ آج کل ازدواجی زندگیاں انتہائی ڈراؤنی ہوگئی ہیں۔ میاں بیوی کے جھگڑوں پر لطیفے بنے ہوئے ہیں اور اس اہم رشتے کی توہین کی جارہی ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ عورتوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ساری فضیلت تو مرد لوٹ کرلے گئے وہ جہاد کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں بڑے بڑے کام کرتے ہیں ہم کیا عمل کریں کہ ہمیں بھی مجاہدین کے برابر اجر وثواب حاصل ہوسکے۔ رسول اکرم ﷺ نے جواب دیا "تم میں سے جو اپنے گھر میں بیٹھے گی وہ مجاہدین کے عمل کو پالے گی"۔

کس قدر آسان عمل سے کتنا بڑا ثواب' کاش کہ آج کی بیوی یہ سمجھ سکتی۔

میری محترم بہنو! آپ نے آج اور کل کی عورت کے تمام روپ دیکھ لئے' عورت اپنے کسی

کردار میں بھی صحیح رول ادا نہیں کر رہی ہے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے ہماری مشرقی بہنوں کو بگاڑنے کے کیا اسباب ہیں آج اور کل کی عورت میں زمین اور آسمان کا فرق کیوں ہے؟ یہ کون دشمن ہے جس نے مسلمان عورت کو بگاڑ کر ہمارے اسلامی معاشرے کو تباہ کردیا ہے۔ آیئے عزیز بہنو آپ کو بتایا جائے کہ یہ وہ اسلام دشمن ہیں جنہیں سچے مسلمان صیونی' شیوعی' ماسونی اور صلیبی کے نام سے جانتے ہیں ان کے ارادے بڑے ناپاک اور ان کی سازشیں بڑی گہری ہیں' یہ اپنی گھناؤنی سازشوں' مکروہ جال میں مسلم خواتین کو پھنسا رہے ہیں' اور انہیں خوب معلوم ہے کہ جب کسی قوم کی عورت گمراہ ہو جائے گی تو پورا معاشرہ ہی خراب وخوار ہو جائے گا۔

یہ اہل مغرب ان پر اللہ کی لعنت ہو مسلمان قوم کو گمراہ کرنے کے لئے مختلف وسائل استعمال کر رہے ہیں ان کا مقصد امت اسلامیہ کے عقیدے کو خراب کرنا' ان کو گمراہ کرنا اور الحادی طریقوں اور اندھی تقلید کے ذریعہ بگاڑنا اور ہماری نوجوان نسل اور اسلام کے درمیان رابطہ ختم کرنا ہے۔ نئی پود کو بگاڑنے کے لئے ان کے پاس جو مختلف ذرائع ہیں ان میں ٹیلی ویژن پر بیہودہ فلمیں اور ڈرامے وی سی آر'

واہیات لٹریچر' عیسائی مشنری اسکول' بازاروں' گلی کوچوں میں عورتوں کے قد آدم حیا سوز پوسٹر' لغو کھیل کود اور کرکٹ جو ایک شیطانی کھیل بن چکا ہے عورتوں میں بڑا مقبول ہے' وقت کا ضیاع تین تین دن اگر کھیل جاری ہے تو مبصرین ٹی وی کے آگے بت بنے بیٹھے ہیں' لڑکیاں اپنے پسندیدہ کرکٹ پلیئرز کے بارے میں گفتگو کرتی نظر آتی ہیں' ان مفسدین کے علاوہ بھی کئی دوسرے ذرائع ہیں تاکہ نئی پود اس گناہگار زندگی کی بھٹی میں ہمیشہ جلتی رہے اور فحاشی وعریانی کے میدان میں مست وسرگرداں رہے' انہیں ایک ایسا نقش دیدیا جائے کہ جسے دنیا میں صرف اپنی خواہشات کو پورا کرنا آئے اور ان کے دل میں کوئی عظیم کام سرانجام دینے کی آرزو ہمیشہ کے لئے مٹ جائے' پھر جب انسان حیوان بن جائے تو ہم اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل حاصل کرسکیں۔

آج عورت اندھی تقلید کے پیچھے دوڑ رہی ہے ان کا اصل مقصد دین محمدی کی بیخ کنی کرنا ہے اور یہ اسی طرح ممکن ہے کہ مسلمان خواتین کو بے راہ روی کا شکار بنایا جائے۔ جب خواتین ہی ایسی غافل ہو جائیں گی تو وہ اپنے فرائض گھرداری اور بچوں کی تربیت نہ کرسکیں گی تو اس کا اثر پورے معاشرہ پر

ہو گا۔ دوسرا جب وہ بے پردہ ہو کر باہر نکلیں گی تو فحاشی خود بخود پھیلے گی۔ پیاری بہنو! اسلام دشمن کے جال کا سب سے پہلا ہدف عورت ہوتی ہے کیونکہ وہ ایک کمزور عنصر ہوتی ہے جو آزادی اور ترقی دینے والوں کی چکنی چپڑی باتوں میں آکر فتنے کی طرف دوڑ پڑتی ہے' دنیا کی ظاہری زیب وزینت میں دھوکے کھاکر خواہشات کی رو میں بہہ جاتی ہے۔

اب آیئے ذرا مشنری اسکول کی تفصیل دیکھیں کہ یہ ہمارے معاشرے کو خراب کرنے' ہماری نئی نسل کو دین سے بیگانہ کرنے میں کتنا بڑا کردار ادا کر رہے ہیں' ان فرنگیوں کی تعلیم گاہیں نرا فراڈ ہوتی ہیں اور ہماری مسلمان بہنیں خصوصاً وہ جو کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں وہ ان اسکولوں کے علاوہ کسی تعلیم کو معیاری نہیں سمجھتیں۔ بہنو خدا کے لئے اپنے جگر گوشوں کو اپنے ان نونہالوں کو اس طرز تعلیم سے ہٹالو۔ یہاں جو کچھ ہوتا ہے وہ ناقابل بیان' ان معصوم بچوں کو جو ابھی اپنے اچھے برے کی تمیز نہیں رکھتے ان کو ان کے مذہب سے آہستہ آہستہ دور کرایا جارہا ہوتا ہے۔ ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت وہاں روز ٹیچر صبح کو بچوں سے پوچھتا ہے کیا ہم اللہ کے فضل سے عیسائی ہیں بچے یک زبان ہو کر کہتے ہیں "جی ہاں ہم

اللہ کے فضل سے عیسائی ہیں"۔ ایک بار ایک بچے نے کہہ دیا کہ نہیں میں اللہ کے فضل سے مسلمان ہوں۔ تو ٹیچر نے کہا ذرا اپنی کتاب میں سبق دیکھو' اس طرح نہیں لکھا تمہیں غلط سنانے پر سزا ملے گی مجبوراً بچے کو کہنا پڑا ہاں میں اللہ کے فضل سے عیسائی ہوں۔ تب استاد نے بچے کی پیٹھ ٹھونکی اور کہا شاباش اب ٹھیک ہے۔

اور اب ان عیسائی سرکردہ رہنماؤں کے ارادے خود ان کی زبانی سنئے۔

مشہور فرانسیسی مبلغ "میسو اتین لامی" نے ایک فرانسیسی مجلہ "العالمین" میں صاف الفاظ میں یہ خبر شائع کی ہے کہ "مسلمان لڑکیوں کو راہباؤں کے اسکولوں میں تربیت دینے سے ہمارا مقصد بہت جلد پورا ہوگا بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اس طریقہ سے لڑکیوں کی تعلیم وہ منفرد طریقہ ہے جس سے ہم اسلام کو اسلام کے ہاتھوں سے ختم کر سکتے ہیں"۔

عیسائی مبلغ تکلی لکھتا ہے کہ "ہمیں چاہئے کہ ہم مغربی طرز کے لادینی اسکولوں کو کھولنے کی ہمت افزائی کریں اس لئے کہ مغربی تعلیم گاہوں کی کتابیں مقدس مشرقی کتاب (یعنی قرآن پاک) پر اعتقاد بڑا مشکل بنادیتی ہیں"۔

اور واقعۃً بہت سے مسلمانوں کے اعتقاد خراب ہوگئے ہیں۔ اسی طرح ان کے سرکردہ رہنماؤں میں سے ایک رہنما کہتا ہے "دین اسلام کا طاقت کے ذریعہ مقابلہ کرنا دراصل اسے اور پھیلانے کا ذریعہ بنتا ہے اس لئے اس کی بیخ کنی کرنے کیلئے نہایت فعال اور تباہ کن مہلک طریقہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے بچوں کو مشنری تعلیم گاہوں میں تربیت دی جائے' بچپن ہی میں ان کے عقیدے کو خراب کرنے کے لئے ان میں شکوک وشبہات کے بیج اسطرح بو دیئے جائیں کہ انہیں پتہ نہ چلے۔

عزیز بہنو! اب آپ خود ہی فیصلہ کیجئے' ذرا ٹھنڈے دل سے سوچئے کیا ایسی لادینی تعلیم گاہوں میں آپ اپنے بچوں کو بھیجنا پسند کریں گی؟ ایسی تعلیم گاہیں جہاں سے آپ کے معصوم بچے عیسائی بن کر نکلیں؟!

صحیح اسلامی اصولوں کے مطابق صحت مند معاشرہ کی تشکیل خاتون اسلام کا سب سے بڑا کردار ہے آیئے ہم اپنے شرعی اخلاقی فریضہ کو سمجھتے ہوئے اپنا صحیح کردار ادا کریں۔ اس وقت عورت کے لئے اپنے فرائض منصبی ادا کرنا ہی جہاد ہے اگر آج کی عورت اپنے فرائض حقیقی کی ادائیگی کے لئے تیار ہوجائے تو نہ صرف معاشرہ کا بگاڑ درست ہوسکتا ہے

بلکہ بہت سی برائیوں کا خاتمہ بھی ممکن ہے۔ اس وقت مسلمان خواتین کے لئے سب سے بڑا چیلنج فحاشی وعریانی اور بے پردگی کا یہ سیلاب ہے.... اللہ تعالیٰ ہماری مسلمان بہنوں کو اس پر فتن دور میں اپنی حفاظت میں رکھے اور جو بھٹک گئی ہیں انہیں سیدھی راہ دکھلائے اور ہدایت دے تاکہ دنیا ایمان کی روشنی سے منور ہوجائے' ظلمت کے مہیب بادل چھٹ جائیں اور ہر سمت اسلام کا بول بالا ہوجائے۔ آمین یا رب العالمین۔

(ماہنامہ الارشاد بتغیر یسیر)

....

(ت) :۔ اسی بناء پر مرد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ عورت کے لئے ان چیزوں کا بندوبست کرے کیونکہ شریعت نے شوہر پر عورت کا نان ونفقہ واجب فرمایا ہے اور پانی بھی اسی نفقہ میں داخل ہے۔ اور ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ آدمی اپنی ہتھیلیوں میں پانی لاکر دے لامحالہ اس کے لئے اسے برتن فراہم کرنا ہوگا کیونکہ جس چیز پر کسی واجب کی ادائیگی موقوف ہوتی ہے وہ خود واجب ہوتی ہے (لہٰذا اس قاعدہ کے تحت برتنوں کا مہیا کرنا بھی ضروری اور واجب ٹھہرا)

اہتمام ودلجمعی ہر عمل میں مطلوب ہے

امام صاحبؒ نے ارشاد فرمایا:

"آدمی جب کسی کاروبار میں مشغول ہو تو اسے انجام تک پہنچانا شرعاً اس کے اوپر لازم ہے"۔ (یہ نہیں کہ اپنی ضرورت پوری ہو جانے پر کام ادھورا چھوڑ کر اپنی راہ لے)

کیونکہ ارشاد ربانی ہے :

ولا تکونوا کالتی نقضت غزلها من بعد قوة انكاثا۔

(سورہ نحل نمبر ۹۲)

ترجمہ : "اور تم اس عورت کے مشابہ مت ہو جس نے اپنی محنت سے کاتا ہوا سوت توڑ کر پارہ پارہ کر دیا"۔

اور یہ مثال اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے متعلق ذکر فرمائی ہے جو ایک نیک کام شروع کرے پھر اسے ادھورا چھوڑ دے کہ یہ ایسی حماقت ہے جیسے کوئی عورت دن بھر سوت کاتے پھر کتا کتایا سوت شام کے وقت توڑ کر پارہ پارہ کر دے اس طرح نہ وہ روئی کی رہی نہ سوت کی۔ (۱)

....

(ف ۱) :۔ مطلب یہ کہ معاہدات کو محض کچے دھاگے کی طرح سمجھ لینا کہ جب چاہا انگلیوں کی ادنیٰ حرکت سے بے تکلف توڑ ڈالا سخت ناعاقبت اندیشی اور دیوانگی ہے' بات کا اعتبار نہ رہے تو دنیا کا نظام مختل ہو جائے۔ قول و قرار کی پابندی ہی سے عدل کی ترازو سیدھی رہ سکتی ہے' جو قومیں عدل و انصاف سے ہٹ کر محض اغراض و خواہشات کی پوجا کرنے لگتی ہیں ان کے ہاں معاہدات صرف توڑنے کے لئے رہ جاتے

ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بظاہر امام صاحبؒ اس آیت شریفہ سے اس امر کی جانب اشارہ فرما رہے ہیں کہ معاشی سرگرمیوں کی ابتداء اکثر معاملات سے ہوا کرتی ہے جو دو آدمیوں کے درمیان معاہدہ کی شکل میں ہوتا ہے مثلاً آجر اور مزدور کا معاملہ ہے کہ مزدور آجر کے جس کام کی ذمہ داری اٹھاتا ہے اسلامی نقطہ نظر سے وہ ایک ایسا معاہدہ کرتا ہے جس کی پابندی اسے نہ صرف اپنا پیٹ بھرنے کے لئے کرنی ہے بلکہ اسکی اصل منزل مقصود یعنی آخرت کی بہتری بھی اسی پر موقوف ہے۔

فقہائے امت کی تصریحات کے مطابق تطفیف یا ناپ تول میں کمی کرنے والے کے مفہوم میں وہ مزدور بھی داخل ہے جو طے شدہ اجرت پوری وصول کرنے کے باوجود کام چوری کا مرتکب ہو۔ اور اپنے جو اوقات اس نے آجر کی مرضی کے خلاف کسی اور کام میں صرف کرے اس لئے ان احکام نے کام چوری کو گناہ عظیم قرار دے کر اجیر (مزدور) کو بھی یہ جتلا دیا کہ جس آجر کا کام کرنا اس نے قبول کیا ہے اس کی ذمہ داری اٹھا لینے کے بعد اب وہ خود اس کا اپنا کام بن گیا ہے اور اس کے ذمہ ضروری ہے کہ وہ پوری دیانت داری' مستعدی اور لگن کے ساتھ اسے انجام دے ورنہ وہ آخرت کی اس بہتری کو حاصل نہ کر سکے گا جو اس کا اصل انتہائے مقصود ہے۔

(ماخوذ از اسلام کا نظام تقسیم دولت "جواہر الفقہ ص ۹۹")

....

(ت) انسان کا اپنی بنیادی ضروریات فراہم نہ کرنا بھی خودکشی کے مترادف ہے :۔ اور جو شخص اپنے کھانے پینے اور رہنے سہنے کا بندوبست نہ کرے اور اس کی وجہ سے اس کی موت واقع ہو جائے تو ایسے شخص کے لئے جہنم میں داخل ہونا لازم ہو گیا کیونکہ اس نے قصداً اپنے آپ کو ہلاک کیا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے اس نے کسی ہتھیار یا اوزار سے خودکشی کرلی ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے :

من قتل نفسه بحديدة فحديدته في يده

يجا بها نفسه فی نار جهنم

(الحديث متفق عليه (المشكوة

كتاب القصاص فصل))

ترجمہ : "کسی نے لوہے (کے کسی اوزار) سے خودکشی کی ہوگی تو اس کا لوہا اس کے ہاتھ میں ہوگا جس سے دوزخ میں بھی وہ اپنے آپ کو مار رہا ہوگا"۔ (اور ہمیشہ خودکشی کرتا رہے گا)

خودکشی سے جہنم واجب ہونے کے دو معنی ہیں۔ اول یہ کہ اس سے دھمکانا مقصود ہے اور اس کا حقیقی معنی جو پوشیدہ ہے وہ یہ ہے کہ اس دخول نار سے وہ دخول مراد ہے جو حق تعالیٰ شانہ کی قسم پوری کرنے کے لئے ہوگا جس کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وان منکم الا واردها کان علی ربک حتما

مقضیا۔ (سورہ مریم نمبر ۷۱)

ترجمہ : "اور تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو نہ پہنچے گا اس

پر ہو چکا یہ وعدہ تیرے رب پر لازم مقرر (ف ۱)

اور اہل سنت والجماعت کے نزدیک "واردھا" کا مطلب "داخلھا" ہے

....

(ف ۱) :۔ یعنی ہر نیک وبد، مجرم وبری اور مومن وکافر کیلئے حق تعالیٰ قسم کھا چکا اور فیصلہ دے چکا ہے کہ ضرور بالضرور دوزخ پر اس کا گزر ہوگا کیونکہ جنت کا راستہ ہی دوزخ پر کو گیا ہے جسے عام محاورے میں "پل صراط" کہتے ہیں اس پر لامحالہ سب کا گزر ہوگا۔ خدا سے ڈرنے والے مومنین اپنے اپنے درجہ کے موافق وہاں سے صحیح سلامت گزر جائیں گے اور گنہگار الجھ کر دوزخ میں گر پڑیں گے پھر کچھ مدت بعد اپنے اپنے عمل کے موافق نیز انبیاء، ملائکہ، اور صالحین کی شفاعت سے اور آخر میں براہ راست ارحم الراحمین کی مہربانی سے وہ سب گنہگار جنہوں نے سچے اعتقاد کے ساتھ کلمہ پڑھا تھا دوزخ سے نکالے جائیں گے۔ صرف کافر رہ جائیں گے اور دوزخ کا منہ بند کر دیا جائے گا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ کی آگ میں ہر شخص کو داخل کیا جائے گا مگر صالحین پر وہ آگ برد وسلام بن جائے گی وہ بے کھٹکے اس میں سے گزر جائیں گے۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی سورہ مریم)

....

(ت) :۔ اور دوسرا مطلب (خودکشی کرنے والے کیلئے جہنم واجب ہونے کا) یہ ہے کہ اس سے اس فعل شنیع کی سزا کا بیان مقصود ہے یعنی

سزا اس جرم کی یہی ہے کہ ایسا مجرم ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا مگر اس سزا کا نافذ العمل ہونا مشیت ایزدی پر موقوف ہے اگر وہ چاہے تو اپنے فضل سے اسے معاف فرمادے اور چاہے تو اپنے عدل سے دوزخ میں ڈال دے۔ اور یہ تشریح وہی ہے جو آیت شریفہ "فجزاءہ جہنم خالدا فیہا" (النساء ص نمبر ۹۳۔۹۲) کے متعلق مفسرین سے منقول ہے (ف ۲) کہ اگر حق تعالیٰ نے جرم کی سزا دی تو اس کی سزا یہی ہے مگر رب ذوالجلال سراسر عفو و کرم ہیں اپنی شان کریمی سے معاف فرمائیں گے اور کسی مومن کو دائمی عذاب میں مبتلا نہ فرمائیں گے۔

....

(ف ۲) :۔ جمہور علماء کے نزدیک "خلود" (دائمی عذاب) اس کے لئے ہے جو مسلمان کے قتل کو حلال سمجھے کیونکہ اس کے کفر میں شک نہیں یا خلود سے مراد یہ ہے کہ مدت دراز تک جہنم میں رہے گا' یا وہ شخص مستحق تو اسی سزا کا ہے آگے اللہ مالک ہے جو چاہے کرے۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی سورہ نساء)

....

(ت) انسان کو اپنے مال میں بھی ہر قسم کے آزادانہ اختیارات نہیں :۔ امام صاحب کا ارشاد ہے :

"اشیائے خورد و نوش کا ضائع اور فاسد کردینا ہر شخص کو منع ہے کیونکہ یہ اسراف ہے اور حضور اکرم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے چنانچہ روایت

میں وارد ہے کہ :

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن القيل والقال وعن كثرة السؤال وعن اضاعة المال (۱)

ترجمہ : "آپ ﷺ نے قیل و قال (بسیار گوئی (ف ۱)) اور کثرت سوال (ف ۲) اور اضاعت مال سے منع فرمایا ہے۔"

....

(ف ۱) زیادہ بولنے کے نقصانات :۔

"زیادہ بولنا" بزرگوں نے اس میں یہ نقصان دیکھا ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے گناہوں سے بچنا مشکل ہے چنانچہ مشاہدہ ہے کہ جو لوگ زیادہ بک بک کرتے ہیں وہ جھوٹ اور غیبت میں ضرور مبتلا ہوجاتے ہیں اور کثرت کلام کے ساتھ ہر بات سوچ کر کرنا (جو تدبیر ہے گناہوں سے بچنے کی) دشوار ہے اور اگر بالفرض کوئی شخص گناہوں سے بچا بھی رہا تو ایک نقصان سے تو کسی طرح بچ ہی نہیں سکتا ہے وہ نقصان (یہ ہے کہ) کثرت کلام سے دل مرجاتا ہے ظلمت پیدا ہوتی ہے قساوت قلب پیدا ہوجاتی ہے اور یہ وہ بلا ہے کہ جس کے بعد کسی گناہ میں مبتلا ہوجانا بھی بعید نہیں۔ ساری طاعات کا مدار حیات قلب پر ہے نیک کاموں کی توفیق نور قلب سے ہوتی ہے اور تمام معاصی کا منشا قساوت و ظلمت قلب ہی ہے۔ جب قلب میں حیات و نور ہی نہ رہا بلکہ اس کے بجائے قساوت و ظلمت پیدا ہوگئی تو اب یہ شخص سب گناہوں کے لئے قابل ہوجاتا ہے۔

....

(۱) قال رسول الله ان الله حرم عليك عقوق الامهات وواد البنات ومنع وهات وكره لكم قيل وقال وكثرة السوال واضاعة المال۔ متفق عليه (المشكوة، الاداب، البر والصلة)

پس کثرت کلام کے ساتھ گناہوں سے بچنا چند دن کا ہوتا ہے پھر معاصی کی طرف میلان ہونے لگتا ہے۔

(العلم والعلماء ص ۱۵۳ بحوالہ ا تبلیغ ۲۲،۲۳)

....

(ف ۲) بے ضرورت معلومات :۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب" ارشاد فرماتے ہیں :

"بے ضرورت چیزوں کے متعلق سوالات کرنا (نزول قرآن یعنی زمانہ نبوت میں تو منع تھا ہی) بعد انقطاع نبوت کے بھی مذموم اور ممنوع ہی رہے گا کیونکہ اس میں اپنا اور دوسروں کا وقت ضائع کرنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ

ترجمہ : "یعنی مسلمان ہونے کی ایک خوبی یہ ہے کہ آدمی فضول باتوں کو چھوڑ دیتا ہے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ بہت سے مسلمان جو بالکل فضول چیزوں کی تحقیق میں لگے رہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام کیا تھا اور نوح علیہ السلام کی کشتی کا طول وعرض کیا تھا جن کا کوئی اثر انسان کے عمل پر نہیں۔ ایسے سوالات کرنا مذموم ہیں خصوصا جب کہ یہ بھی معلوم ہے کہ ایسے سوالات کرنے والے حضرات اکثر ضروری اور اہم مسائل

دین سے بے خبر ہوتے ہیں۔ فضول کاموں میں پڑنے کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ آدمی ضروری کاموں سے محروم ہوجاتا ہے رہا یہ معاملہ کہ حضرات فقہاء کرام نے خود ہی بہت سی مفروضہ صورتیں مسائل کی نکال کر اور سوالات قائم کرکے احکام بیان کردیئے سو یہ بے ضرورت چیز نہ تھی اسلام کی تعلیمات میں یہ بھی ایک تعلیم ہے کہ علم ہو یا عمل کوئی کام یا کلام جب تک اس میں کوئی دینی یا دنیوی فائدہ پیش نظر نہ ہو اس میں لگ کر وقت ضائع نہ کریں۔

(معارف القرآن سورہ مائدہ)

....

(ت) :۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ انسان کے لئے اپنے کمائے ہوئے حلال میں (بھی ہر قسم کے تصرفات جائز نہیں بلکہ بعض تصرفات مثلاً) افساد' اسراف' مخیلہ اور تفاخر وتکاثر حرام ہے۔ چنانچہ افساد کی حرمت سے متعلق ارشاد ربانی ہے :

وابتغ فیما آتاک اللہ الدار الآخرۃ ولا تنس نصیبک من الدنیا واحسن کما احسن اللہ الیک ولا تبغ الفساد فی الارض۔ ان اللہ لا یحب المفسدین۔

(القصص - ۷۷)

ترجمہ : "اور تجھ کو خدا نے جتنا دے رکھا ہے اس میں سے عالم آخرت کی بھی جستجو کیا کر اور دنیا سے اپنا حصہ (آخرت میں لیجانا) فراموش مت کر اور (مطلب ابتغ ولا تنس کا یہ ہے کہ) جس طرح خدا نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی (بندوں کے ساتھ) احسان کیا کر اور (نافرمانی اور حقوق واجبہ ضائع کرکے) دنیا میں فساد مت پھیلا بیشک اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے"۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے :

واذا تولی سعی فی الارض لیفسد فیھا ویھلک الحرث والنسل۔ واللہ لایحب المفسدین۔

(بقرہ نمبر ۲۰۵)

ترجمہ : "اور جب آپ کی مجلس سے پیٹھ پھیرتا ہے تو اس دوڑ دھوپ میں پھرتا رہتا ہے کہ شہر میں (کوئی) فساد کرے اور (کسی کے) کھیت اور مواشی کو تلف کردے، اور اللہ تعالیٰ فساد کی باتوں کو پسند نہیں فرماتے"۔

(ف) :۔

اسلام اور سرمایہ داری واشتراکیت کے درمیان فلسفہ ملکیت کا فرق

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب" تحریر فرماتے ہیں :

"اسلام کی نظر میں چونکہ "دولت" پر اصل ملکیت اللہ تعالیٰ کی ہے اور اسی نے انسان کو اس میں تصرف کرنے کا حق عطا کیا ہے۔ اس لئے اس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس دولت پر انسان کے تصرفات کو اپنی مرضی اور اپنے مصالح کا پابند بنائے۔ چنانچہ انسان کو اپنی زیر تصرف اشیاء پر "ملکیت" حاصل تو ہے مگر یہ ملکیت آزاد، خود مختار اور بے لگام نہیں۔ اس پر "دولت" کے اصل مالک کی طرف سے کچھ حدود وقیود اور کچھ پابندیاں عائد ہیں جس جگہ وہ اس دولت کو خرچ کرنے کا حکم دیدے وہاں اس کے لئے خرچ کرنا ضروری ہے اور جہاں خرچ کرنے کی ممانعت کردے وہاں رک جانا لازم ہے اس بات کو سورہ قصص میں زیادہ وضاحت کے ساتھ کھول دیا گیا ہے :

وابتغ فیما آتاک اللہ الدار الآخرۃ ولا تنس نصیبک من الدنیا واحسن کما احسن اللہ الیک ولا تبغ الفساد فی الارض۔

ترجمہ : "جو تجھ کو اللہ نے دیا ہے اس سے پچھلا گھر (آخرت کا توشہ) کمالے اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھول اور بھلائی کر جیسے اللہ تعالیٰ نے تجھ سے بھلائی کی اور ملک میں خرابی ڈالنی مت چاہ"۔

اس آیت نے اسلام کے فلسفہ ملکیت کو خوب کھول کر بیان فرمادیا

ہے۔ اس سے مندرجہ ذیل ہدایات واضح طور پر سامنے آتی ہیں :

۱) انسان کے پاس جو کچھ دولت ہے وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے۔ (اتاک اللہ)

۲) انسان کو اس کا استعمال اس طرح کرنا ہے کہ اس کی حزل مقصود آخرت ہو۔ (وابتغ..... الدار الاخرۃ)

۳) چونکہ دولت اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے لہذا اس پر انسان کا تصرف حکم خداوندی کے تابع ہوگا۔

اب حکم خداوندی کی دو شکلیں ہیں ایک یہ کہ وہ انسان کو اس بات کا حکم دے کہ مال کا کوئی حصہ کسی دوسرے کو دیدو اس کی تعمیل اس لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا ہے تو وہ تمہیں دوسروں پر احسان کا حکم دے سکتا ہے۔ (واحسن کما احسن اللہ الیک)

۴) دوسری شکل یہ ہے کہ وہ تم کو اس دولت کے تصرف سے منع کرے اس کا بھی اس کو اختیار ہے، کیونکہ وہ تمہیں دولت کے کسی ایسے استعمال کی اجازت نہیں دے سکتا جس سے اجتماعی خرابیاں پیدا ہوں اور زمین میں شر و فساد پھیلے۔ (ولا تبغ الفساد فی الارض)

یہی وہ چیز ہے جو اسلام کو سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں کے نظریہ ملکیت سے ممتاز کرتی ہے، سرمایہ داری کا ذہنی پس منظر چونکہ نظری یا عملی طور پر مادیت ہے اس لئے اس کے نزدیک انسان کو اپنی دولت پر آزاد اور خود مختار ملکیت حاصل ہے۔ وہ اس کو جس طرح چاہے صرف کرسکتا ہے لیکن قرآن کریم نے قوم شعیب علیہ السلام کا ایک مقولہ نقل فرماتے ہوئے اس نظریئے کو مذمت کے پیرائے میں ذکر کیا ہے وہ لوگ کہا

کرتے تھے :

اصلوتک تامرک ان نترک ما یعبد آباؤنا
او ان نفعل فی اموالنا ما نشاء

(ھود ۸۷)

ترجمہ : "کیا تمہاری نماز تمہیں اس بات کا حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادوں کے معبودوں کو چھوڑ دیں یا اپنے اموال میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنا ترک کردیں"۔

وہ لوگ چونکہ "اموال" کو حقیقۃً اپنے اموال سمجھتے تھے اس لئے "نفعل ما نشاء" (جو چاہیں کریں) کا دعویٰ اس کا لازمی نتیجہ تھا۔ یہی فکر سرمایہ داری کی روح ہے اور قرآن کریم نے سورہ نور میں (اپنے اموال) "اموالنا" کے لفظ کو "مال اللہ" (اللہ کا مال) سے بدل کر سرمایہ دارانہ فکر کی اسی بنیاد پر ضرب لگائی ہے، مگر اس کے ساتھ ہی "الذی اتاکم" (جو تمہیں دیا ہے) کی قید لگا کر اشتراکیت کی بھی جڑ کاٹ دی ہے جو سرے سے انسان کی انفرادی ملکیت ہی کا انکار کرتی ہے۔

اب اسلام، سرمایہ داری اور اشتراکیت کے درمیان واضح خط امتیاز اس طرح کھینچا جاسکتا ہے :

سرمایہ داری۔ آزاد اور انفرادی ملکیت کی قائل ہے۔

اشتراکیت ۔ انفرادی ملکیت کا سرے سے انکار
کرتی ہے۔

اور حق ان دونوں انتہاؤں کے درمیان ہے یعنی

اسلام ۔۔ انفرادی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے مگر یہ
ملکیت آزاد اور خود مختار نہیں جس سے "فساد فی
الارض" پھیل سکے۔

(اسلام کا نظام تقسیم دولت ص ۲۷)

اور اسراف وفضول خرچی کے متعلق حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا ہے
"ولا تسرفوا" "اور بیجا خرچ نہ کرو" نیز ارشاد ہے:

والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا
وکان بین ذلک قواما۔

(الفرقان نمبر ۶۷)

ترجمہ: "اور وہ (اللہ کے بچے بندے) جب خرچ کرنے لگتے
ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان
کا خرچ اس (افراط وتفریط) کے درمیان اعتدال پر ہوتا
ہے"۔

پس یہ آیات واضح دلیل ہیں کہ (خرچ میں) اسراف اور تقتیر
(تنگی کرنا) دونوں حرام ہیں اور مستحب ومستحسن آدمی دونوں کے درمیان
رہے۔ (یعنی اخراجات میں میانہ روی اختیار کرے اور افراط وتفریط
سے بچے) اور اسراف میں تبذیر بھی ہے اور حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے

ولا تبذر تبذیرا۔

(الاسراء نمبر ۲۶)

ترجمہ: "اور مال کو بے موقع مت اڑاؤ"۔

....

(ف) اسراف وتبذیر کی تعریف :۔ حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن
صاحب سیوہارویؒ اس سلسلہ میں رقم طراز ہیں:

کلوا واشربوا ولا تسرفوا۔

(الانعام)

ترجمہ: "کھاؤ اور پیؤ اور اعتدال سے تجاوز نہ کرو"۔

ولا تبذر تبذیرا ان المبذرین کانوا اخوان
الشیاطین۔

(بنی اسرائیل نمبر ۲۶)

ترجمہ: "اور فضول خرچی ہرگز نہ کرو بے شبہ (اخراجات
میں) حد سے تجاوز کرنے والے شیطانوں کے بھائی (ہم پلہ)
ہیں"۔

ان ہر دو آیات میں اپنی جائز اور حلال کمائی کے صرف کرنے کو
دو شرطوں کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے ایک یہ کہ "اسراف" نہ ہو
دوسرے یہ کہ "تبذیر" نہ ہو۔ علامہ ماوردیؒ اسراف اور تبذیر کے باہمی
فرق پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"کمیت یعنی مقدار خرچ میں حد سے تجاوز کرنا

"اسراف" ہے اور یہ ثبوت ہے ان عائد شدہ حقوق کی مقدار سے جہالت کا جو اس کے ذمہ ہیں اور کیفیت یعنی مواقع صرف و خرچ میں حد سے تجاوز کا نام "تبذیر" ہے اور یہ شہادت ہے ان مواقع صرف سے نادان بننے کی جو صحیح اور حق مواقع ہیں۔" (بحوالہ روح المعانی)

اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تبذیر کی تفسیر میں فرماتے ہیں :

"اور خدا کا دیا ہوا مال فضول بے موقع مت اڑاؤ فضول خرچی یہ ہے کہ معاصی اور لغویات میں خرچ کیا جائے اور یا مباحات میں بے سوچے سمجھے اتنا خرچ کردے جو آگے چل کر تفویت حقوق (عائد شدہ) اور ارتکاب حرام کا سبب بنے"۔ (بحوالہ تفسیر عثمانی سورہ بنی اسرائیل)

اور صاحب روح المعانی آیت "کلوا من طیبات مارزقناکم ولاتطغوافیہ" کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں لا تطغوا فیہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو جو رزق عطا فرمایا ہے اس میں سرکشی نہ کرو یعنی ناشکری نہ کرو اور مال کو اسراف، غرور اور خدا کے احکام کی خلاف ورزی اور حقوق واجبہ کے تلف کا ذریعہ نہ بناؤ۔ (بحوالہ روح المعانی ۱۶/۲۱۶)

اور حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں :

"اللہ تعالیٰ نے جب انفاق (خرچ کرنے) کا حکم دیا تو "اسراف" سے منع فرمادیا اور میانہ روی کی تلقین فرمائی جیسا کہ دوسری آیت میں بہت صراحت کے ساتھ اس کا حکم

فرمایا ہے۔ ارشاد ہے :

والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا۔

ترجمہ : "اور ایمان والے وہ لوگ ہیں کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل اختیار کرتے ہیں"۔

پھر تبذیر سے نفرت دلاتے ہوئے مبذر کو شیطان کا ہمسر بنایا اور اس قسم کی اور بھی آیات ممانعت تبذیر میں نازل ہوئی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں "حق کے خلاف ہر قسم کے صرف و خرچ کا نام تبذیر ہے" اور مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے حق کی خاطر سب کچھ خرچ کرڈالا تو یہ اسراف نہیں ہے اور اگر اپنا تھوڑا سا مال بھی ناحق صرف کردیا تو یہ "تبذیر" ہے"۔ اور قتادہ "کہتے ہیں کہ تبذیر نام ہے مال کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، ناحق اور فساد کے مواقع میں صرف کرنے کا"۔ اور امام احمدؒ بروایت ہاشمؒ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں بنی تمیم کا ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں بہت مالدار ہوں اور میرے اہل و عیال بھی ہیں اور مہمانداری بھی خاصی ہوتی رہتی ہے تو آپ مجھے بتائیے کہ میں کس طرح خرچ کروں اور اس معاملہ میں کیا کروں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے مال سے پہلے زکوۃ نکال اگر وہ زکوۃ کی مقدار کو پہنچتا ہے، اس لئے کہ زکوۃ مال کو خباثت سے پاک کردیتی ہے اور پھر اقرباء کے ساتھ مالی صلہ رحمی کر اور سائل، پردیسی اور مسکین کے حقوق کی نگہداشت

کہ اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس تمام تفصیل کو جامع اور مختصر الفاظ میں فرما دیجئے (کہ میں اس کو دستور زندگی بنالوں) تب آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر سنادی۔

وآت ذا القربی حقہ والمسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیرا"۔

ترجمہ : "اور ادا کرو قرابت والوں کو ان کا حق اور مساکین کا اور مسافر کا اور ناحق ہرگز خرچ نہ کرو"۔

سائل نے یہ سن کر عرض کیا کہ بس یہ میرے لئے کافی ہے۔ (اسلام کا اقتصادی نظام صہ ۷)۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب" فرماتے ہیں :

"بعض حضرات نے فرمایا کہ دونوں لفظ ہم معنی ہیں۔ کسی معصیت یا بے موقع بے محل خرچ کرنے کو تبذیر واسراف کہا جاتا ہے اور بعض حضرات نے یہ تفصیل کی ہے کہ کسی گناہ میں یا بالکل بے موقع بے محل خرچ کرنے کو تبذیر کہتے ہیں اور جہاں خرچ کرنے کا جائز موقع تو ہو مگر ضرورت سے زائد خرچ کیا جائے اس کو اسراف کہتے ہیں اس لئے تبذیر بہ نسبت اسراف کے اشد ہے' مبذرین کو شیطان کا بھائی قرار دیا گیا ہے۔"

امام قرطبی" نے فرمایا کہ :

"حرام وناجائز کام میں تو ایک درہم خرچ کرنا بھی تبذیر ہے اور جائز ومباح خواہشات میں حد سے زیادہ خرچ

کرنا جس سے آئندہ محتاج فقیر ہو جانے کا خطرہ ہو جائے یہ بھی تبذیر میں داخل ہے ہاں اگر کوئی شخص اصل راس المال کو محفوظ رکھتے ہوئے اس کے منافع کو اپنی جائز خواہشات میں وسعت کے ساتھ خرچ کرتا ہے تو وہ تبذیر میں داخل نہیں"۔ (بحوالہ قرطبی ۱۰/ ۲۴۸)

مصارف کے چند بنیادی اصول

حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب صرف وخرچ سے متعلق بنیادی باتوں پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

۱) "صرف مال میں نہ اسراف درست ہے نہ تبذیر اور نہ تقتیر اور تینوں الفاظ کا مفہوم اسلامی اصطلاح کے مطابق مراد ہے نہ کہ صرف لغوی معنی کے مطابق (اسراف وتبذیر کے متعلق تفصیل گزر چکی) "تقتیر" اور اقتار کے معنی خرچ میں تنگی اور بخل کرنے کے ہیں' اصطلاح شرع میں اس کے معنی یہ ہیں کہ جن کاموں میں اللہ ورسول نے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے ان میں خرچ کرنے میں تنگی برتنا (اور بالکل خرچ نہ کرنا بدرجہ اولی اس میں داخل ہے) یہ تفسیر بھی ابن عباس" قتادہ وغیرہ سے منقول ہے۔" (ماخوذ از معارف القرآن)

۲) میانہ روی (اقتصاد) ہی معیشت کی عادلانہ راہ ہے اور صالح اجتماعی نظام معیشت کے لئے ایک ذریعہ۔

۳) فرد چونکہ جسم جماعت کا ایک عضو ہے اس لئے اسکی انفرادی آمدنی پر اجتماعی معیشت کے حقوق بھی عائد ہیں اور جس قدر وہ کماتا ہے اسی نسبت سے یہ حقوق اس پر زیادہ ہوتے جاتے ہیں اور اسلامی اصطلاح میں اس کا نام "انفاق فی سبیل اللہ" ہے۔

۴) انفرادی معیشت میں اپنی اور اپنے اہل وعیال کی قوت لایموت اور ساتر عورت لباس اور ضرورت رہائش کے مطابق مکان تمام حقوق سے مقدم اور فرض اولین ہے۔ اور اس کے بعد (الف) اگر وہ صاحب نصاب ہے تو سب سے پہلے صدقات واجبہ (زکوۃ وغیرہ) کا ادا کرنا اس کے ذمہ فرض ہے۔ گویا اس صورت میں اجتماعی حق انفرادی حق پر مقدم ہے۔

(ب) صدقات واجبہ کی ادا کے باوجود انفرادی مال پر کچھ اور بھی اجتماعی حقوق عائد ہیں اسی لئے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کا ارشاد ہے وفی المال حق سوی الزکوۃ" مثلاً اگر بیت المال کا خزانہ ہر شخص کی انفرادی معیشت کے لئے پورا نہ ہوسکے تو خلیفہ بہ جبر اہل دولت سے مال حاصل کرکے اس کمی کو پورا کرسکتا ہے اگرچہ وہ ارباب دولت، صدقات واجبہ کی ادا سے سبکدوش ہوچکے ہوں۔

(ج) عام انسانی حالات میں صدقات نافلہ یعنی "حقوق

ثانوی" ایسی حالت میں ادا کیے جائیں کہ اپنے اور اہل وعیال کے لئے مال کا ایک حصہ محفوظ رہے تاکہ وہ مفلس اور قلاش ہوکر نہ رہ جائیں، اس کی تعبیریوں بھی کی جاسکتی ہے کہ اس کو مستقبل کے لئے اپنے اور اہل وعیال کے لئے کچھ پس انداز رکھنا مناسب ہے چنانچہ حدیث "خیر الصدقۃ عن ظھر غنی"۔ اسی جانب مشیر ہے۔

(د) خاص حالات انسانی میں "ایثار علی النفس" اولی اور افضل ہے یعنی اگر انسانی نفوس ضبط نفس اور صبر کے درجہ کمال پر فائز ہیں تو انفاق فی سبیل اللہ میں تمام مال کو صرف کردینا محبوب ہے چنانچہ آیت ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ۔ (اگر ان کو ذاتی حاجت بھی ہوتی ہے تب بھی وہ (صحابہ رضی اللہ عنہم) دوسروں کو خود پر ترجیح دیتے ہیں) اور حدیث ابو ذر غفاری ؓ افضل الصدقۃ جھد من مقل" سب سے بہترین صدقہ اس شخص کا ہے جو قلیل المال ہوکر مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرڈالتا ہے۔ اور صدیق اکبر ؓ کا ایک موقعہ پر تمام مال کو خدا کی راہ میں پیش کردینا اسی مسئلہ کی جانب رہنمائی کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ انفرادی معیشت میں اقتصاد (میانہ روی) مطلوب ہے اور اکتناز (اجتماعی حقوق کو نظر

انداز کرکے دولت کو خزانہ کرنا) اور احتکار (ناجائز وسائل معیشت سے مال اکٹھا کرنا) حرام اور مردود ہے اور انفرادی دولت اجتماعی دولت کیلئے ایک ذریعہ ہے نہ کہ اس کے لئے سنگ راہ۔"

(اسلام کا اقتصادی نظام ص ۷۳-۷۵)

(ت) فضول خرچی کی چند شکلیں :۔ کھانے پینے میں اسراف کی کئی صورتیں ہیں منجملہ ان کے یہ ہے کہ انسان پیٹ بھر جانے کے بعد بھی مزید کھاتا جائے کیونکہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے

ما ملاء ابن آدم وعاء شرا من البطن فان کان لابد فثلث للطعام وثلث للشراب وثلث للنفس۔ (۱)

ترجمہ : "کسی آدم زاد نے پیٹ سے زیادہ برا کوئی برتن نہیں پر کیا۔ پس اگر کھانا اتنا ہی ضروری ہے تو ایک تہائی کھانے کے لئے ہے اور ایک تہائی پانی پینے کے لئے اور ایک تہائی سانس لینے کے لئے"۔

نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے :

یکفی ابن آدم لقیمات یقمن بها صلبه

ترجمہ : "آدمی کے لئے چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر کھڑی کردیں"۔ (۲)

---

(۱) ماملاآدمی وعاءشرمن بطن' بحسب ابن آدم اکلات یقمن صلبه فان کان لامحالة فثلث طعام وثلث شراب وثلث نفس (رواه الترمذی وابن ماجه' المشکوٰة' الرقاق فصل ۲)۔ (۲) فی الحدیث یا ابن آدم ان تبذل الفضل خیر لک وان تمسک' شرلک ولاتلام علی کفاف وابدا بمن تعول۔ (رواه مسلم المشکوٰة' الانفاق وکراهیة الامساک)۔

ولایلام علی کفاف ضرورت کے بقدر پر کوئی مضائقہ نہیں۔ اور یہ اس لئے کہ آدمی اپنی جسمانی منفعت کی وجہ سے کھانا کھاتا ہے اور ضرورت سے زیادہ کھانا نفع بخش ہونے کے بجائے سخت مضرت رساں ہے پھر اس طرح بے تحاشہ کھانا ایسا ہی ہے جیسے کھانے کو کوڑا خانہ یا اس سے بدتر جگہ ڈال آنا۔ اور یہ اس لئے بھی منع ہے کہ اپنی ضرورت سے فاضل سے دوسروں کا حق وابستہ ہے کہ اگر وہ اسے کسی دوسرے کو بعوض یا بغیر عوض دیدے تو وہ دوسرا شخص اس سے اپنی بھوک مٹا سکتا ہے لہٰذا ضرورت سے زیادہ کھانے والا دوسروں کا حق تلف کرنے والا ہے اور ایسا کرنا حرام ہے۔

اور ضرورت سے زیادہ کھانا کبھی بیماری کا سبب ہوجاتا ہے' پھر تو یہ ایسا ہے جیسے آدمی کا اپنے آپ کو زخمی کرلینا اور اس کی دلیل یہ روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ کی مجلس پاک میں ڈکار لی تو آنحضرت ﷺ نے ناراضگی کے ساتھ اس سے فرمایا :

نح عنا جشاک اما علمت ان اطول الناس جوعا یوم القیمة اکثرهم شبعا فی الدنیا۔

ترجمہ : "یعنی اپنی ڈکار کو ہم سے دور رکھو کیا تمہیں معلوم نہیں کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ دیر تک وہی شخص بھوکا رہے گا جو دنیا میں جتنا زیادہ پیٹ بھرا کرتا تھا"۔

اور جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے ان کے مرض کے متعلق دریافت فرمایا آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ انہیں تخمہ (بدہضمی) کا عارضہ ہوگیا

ہے‘ آپ نے فرمایا اس کا سبب کیا ہے؟ عرض کیا گیا زیادہ کھانا‘ تو آپ نے فرمایا اگر وہ چل بسا تو نہ اس کا جنازہ دیکھوں گا نہ اس پر نماز پڑھوں گا۔(۱)

....

(ف) :۔ محشی لکھتے ہیں کہ یہ روایت ذخیرہ احادیث میں نہ مل سکی البتہ مکی بن ابی طالب کی کتاب قوت القلوب میں یہ واقعہ عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ کا نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہؓ کے دسترخوان پر خوب کھایا شام کو ابو بکرہ اکیلے حضرت معاویہؓ کے پاس تشریف لے گئے تو حضرت معاویہ نے ابو بکرہ سے دریافت فرمایا کہ کہاں ہے بڑے بڑے لقمے نگلنے والا تمہارا بیٹا؟ انہوں نے عرض کیا کہ وہ بیمار ہو گیا ہے۔ حضرت معاویہؓ نے فرمای ایسا آدمی بیماری نہیں کھوتا (یعنی ایسے کا بیمار ہو جانا کوئی انہونی بات نہیں) اور ابو بکرہؓ سے عرض کیا گیا کہ آپ کے بیٹے نے اس قدر کھالیا ہے کہ اسے سخت بدہضمی لاحق ہو گئی ہے۔ ابو بکرہؓ نے فرمایا کہ اگر وہ مرگیا تو میں اس پر نماز نہیں پڑھوں گا۔

....

(ت) :۔

اور جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ ہم آپ کے لئے جوارش تیار کرلائیں تو آپ نے دریافت فرمایا کہ جوارش کیا چیز ہے؟ عرض کیا گیا کھانا ہضم کرنے کے لئے ایک معجون ہے‘

....

(۱) رولغی شرح السنفورری الترمذی نحوه المشکوۃ، الرقاق فصل ۲).

آپ نے فرمایا سبحان اللہ کیا مسلمان بھی آسودگی سے زیادہ کھاتا ہے؟(۱)

مگر بعض متاخرین نے ایسے شخص کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے جس کے پاس کوئی معقول عذر ہو تو اس شخص کو ضرورت سے زیادہ کھالینے میں کوئی مضائقہ نہیں مثلاً کھانے سے فراغت کے بعد کوئی مہمان آگیا اب اس کے اس خیال سے بیٹھ جانا تاکہ مہمان اکیلے کھانے میں جھجک محسوس نہ کرے(۲) اس طرح اگر دوسرے دن روزہ رکھنے کا ارادہ ہو تو سحری میں ضرورت سے زیادہ کھالینا تاکہ دن کے وقت کسی قسم کی پریشانی نہ ہو جائز ہے۔

اسی طرح اسراف کے ضمن میں یہ بھی ہے کہ انواع واقسام کے کھانوں کا خوب اہتمام کرے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی قیامت کی نشانیوں میں شمار فرمایا ہے آپ کا ارشاد ہے :

تدار القصاع علی موائدهم واللعنة تنزل علیهم

ترجمہ : ”یعنی ان کے دسترخوانوں پر پیالے گردش کرتے ہوں گے اور ان کے اوپر لعنت برستی ہوگی“۔

....

(۱) عن ابن سیرین ان رجلا قال لابن عمرؓ اجعل لک جوارشا قال وای شیء الجوارش قال شیء اذا کظک الطعام فاصبت منه سهل علیک قال فقال ابن عمرؓ ما شبعت من الطعام منذ اربعة اشهر وما ذالک ان لا اکون له واجدا ولکنی عهدت قوما یشبعون مرة ویجوعون مرة. (اخرجه ابو نعیم فی الحلیه وابو سعد فی الطبقات (حیاة الصحابه)

(۲) وقد ورد مثله فی الحدیث الشریف بلفظ "اذا وضعت المائدة فلا یقوم رجل حتی ترفع المائدة ولا یرفع یده وان شبع حتی یفرغ القوم فان ذلک یخجل جلیسه فیقبض یده وعسی ان یکون له فی الطعام حاجة" رواه ابن ماجه والبیهقی فی الشعب (المشکوۃ، الاطعمة).

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ایک جگہ ضیافت میں تشریف لے گئیں اور وہاں آپ کے سامنے پیالے پر پیالے آنے لگے تو آپ (وہاں سے ناراض ہو کر) اٹھ کھڑی ہوئیں اور فرمایا کہ کیا پہلا کھانے کیلئے نہیں تھا پھر اس دوسرے کی کیا ضرورت تھی جب کہ پہلا ہی ہمارے لئے کافی ووافی تھا۔ حضور اکرم ﷺ اس قسم کی حرکتوں سے منع فرمایا کرتے تھے۔

ہاں ضرورت کے وقت ایسا کرنا منع نہیں مثلاً ایک ہی قسم کا کھانا کھاتے ہوئے کسی کا جی اکتا گیا تو وہ انواع واقسام کے مختلف کھانوں میں سے تھوڑا تھوڑا لے لے تاکہ خوراک بھر اتنا ہو جائے کہ جس سے عبادت کے لئے قوت میسر آئے۔ چنانچہ منقول ہے کہ حجاج بن یوسف نے خلیفہ عبدالملک بن مروان کو اپنے متعلق تین باتوں کی شکایت لکھ بھیجی یعنی کھانے اور جماع سے عاجز ہونے اور تقریر وخطابت میں زبان بند ہو جانے کا گلہ کیا تو خلیفہ عبدالملک نے لکھا کہ خوب طرح طرح کے کھانے کھایا کرو اور ہمیشہ نئی باندیوں سے دل بہلایا کرو اور تقریر وخطابت میں اپنی نگاہیں پچھلی نشست پر رکھا کرو۔

اور منجملہ اسراف کے یہ بھی ہے کہ دستر خوان پر اتنے کھانے لائے جائیں جو کھانے سے زیادہ ہوں اور جیسا کہ ہم نے ماقبل میں بیان کیا کہ ضرورت سے زیادہ دوسروں کا حق ہے ہاں اگر مقصد یہ ہو کہ مہمان یکے بعد دیگرے آئیں گے اور کھائیں گے تو ایسے مواقع میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ایسی حالت میں یہی مناسب اور مفید ہے۔

نیز یہ بھی اسراف میں سے ہے کہ آدمی روٹی بیچ میں سے کھائے

اور اس کے کنارے چھوڑ دے یا جیسا کہ بعض بیوقوف لوگ صرف وہی روٹیاں کھاتے ہیں جو پھول جاتی ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ زیادہ لذیذ ہوتی ہیں۔ اور یہ جب ہے جب کہ بقیہ کا کھانے والا کوئی نہ ہو اگر کوئی اس کا کھانے والا ہے تو پھر اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ آدمی ایک روٹی چھوڑ کر دوسری کھائے۔

نیز اسراف میں یہ بھی داخل ہے کہ کھانے سے فراغت پر روٹی میں ہاتھ پونچھ کر اٹھ جائے اور روٹی ویسی ہی چھوڑ دے کیونکہ دوسرا شخص اس سے کراہت کرے گا اور اس روٹی کو نہیں کھائے گا۔ ہاں اگر ہاتھ پونچھنے والا اس روٹی کو خود ہی ختم کرلے تو پھر کوئی حرج نہیں۔

نیز یہ بھی اسراف ہے کہ کھاتے ہوئے ہاتھ سے لقمہ چھوٹ کر دستر خوان پر گر جائے تو اسے یونہی چھوڑ دے بلکہ اس کو چاہئے کہ اس گرے لقمہ کو ہی پہلے کھائے (عہ) کیونکہ اسے گرا چھوڑ دینا کھانے جیسی نعمت کی ناقدری ہے اور کھالینا روٹی کی قدر دانی ہے اور ہمیں نعمت کی قدر دانی کا حکم ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے:

"روٹی کی قدر کیا کرو کیونکہ یہ آسمان وزمین کی برکتوں میں سے ہے۔ (عہ)

(عہ) وله شاهد من حديث عن جابرؓ قال سمعت النبی صلی الله عليه وسلم يقول ان الشيطان يحضر احدكم عند كل شیء من شانه حتی يحضره عند طعامه فاذا سقطت من احدكم اللقمه فليمط ما كان بها من اذی ثم لياكلها ولا يدعها للشيطن فاذا فرغ فليلعق اصابعه فانه لا يدری فی ای طعام يكون البركة

(رواہ مسلم (مشکوۃ شریف الاطعمۃ فصل ا).

(عہ) قال السخاوی ذکرہ الحاکم فی المستدرک وقال الملا علی القاری اخرجہ البغوی فی معجم الصحابۃ بزیادۃ فان للہ نزلہ من برکات السماء (الموضوعات الکبریٰ للملا علی قاری).

روٹی کی قدردانی یہ بھی ہے کہ جب وہ آجائے تو سالن کا انتظار نہ کیا جائے کھانا شروع کردیا جائے۔ کیونکہ شکران نعمت کی ترغیب وتاکید آئی ہے اور ناشکری پر وعید ہے اور گرے ہوئے لقمہ کو چھوڑ دینا ناشکری میں داخل ہے جب کہ سالن آنے سے پہلے روٹی کھانے لگنا نعمت کی قدردانی اور اظہار تشکر ہے۔ اگر بھوک سخت لگی ہو تو سالن کے انتظار میں رہنا اور بھی بے جا و نازیبا ہے اس قسم کی ٹالم ٹول سے احتراز کرنا چاہئے۔

ایک حکایت

ایک بار حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کی ملاقات بہلول مجنون سے ہوگئی جو کہیں راستہ میں کھانا کھارہے تھے۔ امام صاحبؒ نے فرمایا بھئی حد ہوگئی تم نے راستہ ہی میں کھانا شروع کردیا۔ یہ تمہیں اچھا کیسے لگ رہا ہے؟ بہلول نے جواب دیا حضرت آپ مجھے یہ فرمارہے ہیں حالانکہ میرا نفس تقاضہ اور مطالبہ کررہا ہے (یعنی بھوک بے چین کئے دے رہی ہے) اور روٹی میری گود میں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "غنی کا (خواہ مخواہ) ٹال مٹول کرنا ظلم وزیادتی ہے۔ (عہ) لہٰذا میں

گھر پہونچنے تک نفس کو اس کے حق سے کیسے روکے رکھوں؟

(ف) قدردانی مال حلال کی :-

مال حلال کی قدر کرنا چاہئے اس کو برباد نہ کرے مال پاس رہنے سے نفس کو اطمینان ہوتا ہے ورنہ پراگندہ روزی پراگندہ دل۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے "لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اس میں کوئی چیز کام نہ آئے گی بجز دینار و درہم کے"۔ روایت کیا اس کو احمد نے۔

یعنی جس کے پاس روپیہ ہوگا وہ حرام کسب سے حرص سے' دین فروشی سے' امراء کے دروازوں پر جانے اور ان کی خوشامد کرنے سے' ظالموں کے ظلم وستم سے اپنے دین وعلم کو برباد وخوار کرنے سے بدولت مال کے بچا رہے گا۔ اس لئے ہاتھ تھام کر خرچ کرنا چاہئے' فضولیات میں خرچ نہ کرے گو مباح ہی کیوں نہ ہو۔ اور غیر مشروع میں خرچ کرنا تو صریح حرام ہے اس کا ذکر ہی کیا خصوصا جو لوگ اہل تعلق ومجوس اسباب ہیں ان کو تو یہ امر بہت ضروری ہیں بلکہ جس قدر آمدنی ہو اس میں سے جتنا ممکن ہو پس انداز کرتا رہے تاکہ محتاجی' پیری' قحط وتنگی کے زمانہ میں کام آوے اس میں کوئی گناہ نہیں اگر نیت اچھی ہو تو ثواب ہے جیسا کہ وارد ہے :

نعم المال الصالح للرجل الصالح۔

(فروع الایمان مولفہ حکیم الامتؒ صفحہ)

(ت)

مخیلہ (غرور و خود پسندی) :۔ عجب اور خود پسندی بھی حرام ہے (چنانچہ قرآن وحدیث میں بار بار اس پر تنبیہ ہے) نبی کریم ﷺ نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا "غرور سے بچتے رہنا اور ضرورت کے بقدر (نعمتوں کا استعمال) قابل ملامت نہیں۔

....

(ت)

تفاخر وتکاثر کی ممانعت :۔ یہ دونوں باتیں بھی حرام وناجائز ہیں چنانچہ حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں :

انما الحیوۃ الدنیا لعب ولھو وزینۃ وتفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال والاولاد۔

(الحدید۔)

ترجمہ : "جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی محض کھیل تماشا اور زیبائش اور ایک دوسرے پر آپس میں فخر کرنا اور ایک دوسرے پر مال اور اولاد کی زیادتی چاہتا ہے۔"

....

(ف) :۔ آدمی کو اول عمر میں کھیل چاہئے' پھر تماشا' پھر بناؤ سنگھار (اور فیشن) پھر ساکھ بڑھانا اور نام ونمود حاصل کرنا پھر موت کے دن قریب آئیں تو مال واولاد کی فکر کہ پیچھے میرا گھر بار بنا رہے' اور اولاد آسودگی سے بسر کرے مگر یہ سب ٹھاٹھ باٹھ سامان فانی اور زائل ہیں

جیسے کھیتی کی رونق وبہار چند روزہ ہوتی ہے پھر زرد پڑ جاتی ہے اور آدمی جانور اس کو روند کر چورا کر دیتے ہیں اس شادابی وخوبصورتی کا نام ونشان نہیں رہتا یہ ہی حال دنیا کی زندگانی اور اس کے ساز وسامان کا ہے سمجھو کہ وہ فی الحقیقت ایک دغا کی پونجی اور دھوکے کی ٹٹی ہے۔ آدمی اس کی عارضی بہار سے فریب کھا کر اپنا انجام تباہ کر لیتا ہے۔ حالانکہ موت کے بعد یہ چیزیں کام آنے والی نہیں وہاں کچھ اور ہی کام آئے گا یعنی ایمان اور عمل صالح جو شخص دنیا سے یہ چیز کما کر لے گیا' سمجھو بیڑا پار ہے' آخرت میں اس کے لئے مالک کی خوشنودی ورضامندی۔ اور جو دولت ایمان سے تہی دست رہا اور کفر وعصیان کا بوجھ لے کر پہنچا اس کے لئے سخت عذاب اور جس نے ایمان کے باوجود اعمال میں کوتاہی کی اس کے لئے جلد یا بدیر دھکے کھا کر معافی ہے دنیا کا خلاصہ وہ تھا آخرت کا یہ ہوا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

....

(ت) :۔ اس آیت میں تفاخر وتکاثر کو مذمت کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے :

ولا تمنن تستکثر۔

(المدثر۔ نمبر۶)

ترجمہ : "اور کسی کو اس غرض سے مت دو کہ (دوسرے وقت) زیادہ معاوضہ چاہو"۔

نیز ارشاد ہے :

عتل بعد ذالک زنیم ان کان ذا مال وبنین۔

(القلم ۱۴)

ترجمہ : "یعنی بڑا اجڈا اس کے بعد بداصل بھی ہے اس لئے کہ وہ مال اور اولاد والا ہے"۔

نیز ارشاد ہے :

الھٰکم التکاثر۔

(التکاثر - ۱)

ترجمہ : "(دنیوی سامان پر) فخر کرنا تم کو (آخرت سے) غافل کئے رکھتا ہے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ تفاخر و تکاثر حرام ہے۔

....

(ف) :۔ یعنی مال و اولاد کی کثرت اور دنیا کے ساز و سامان کی حرص آدمی کو غفلت میں پھنسائے رکھتی ہے نہ مالک کا دھیان آنے دیتی ہے نہ آخرت کی فکر' بس شب و روز یہی دھن لگی رہتی ہے کہ جس طرح بن پڑے مال و دولت کی بہتات ہو اور میرا کنبہ اور جتھا سب کنبوں اور جتھوں سے غالب رہے یہ پردہ غفلت کا نہیں اٹھتا یہاں تک کہ موت آجاتی ہے تب قبر میں پہنچ کر پتہ چلتا ہے کہ سخت غفلت اور بھول میں پڑے ہوئے تھے محض چند روز کی چہل پہل تھی موت کے بعد وہ سب سامان ہیچ بلکہ وبال جان ہیں۔ (تفسیر عثمانیؒ)

طعام ولباس میں سادگی ومیانہ روی

حضرت امام صاحبؒ فرماتے ہیں :

"لباس کا معاملہ بھی سادگی ومیانہ روی میں طعام وشراب سے مختلف نہیں۔ یعنی جو باتیں وہاں ممنوع ہیں یہاں بھی اس کی ممانعت ہے"۔

ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہر دو قسم کی شہرت سے منع فرمایا ہے یعنی لباس نہ اتنا عمدہ اور نفیس ہو کہ لوگوں کی نظریں اٹھیں اور لوگوں کو اس پر انگشت نمائی کا موقع ملے اور نہ اس قدر گھٹیا اور پھٹا پرانا ہو کہ نگاہ خلق میں رسوائی اور بدنامی کا سبب ہو کیونکہ پہلی صورت میں اسراف ہے اور دوسری صورت کنجوسی کی علامت ہے۔ اور "خیر الامور اوساطھا"(عہ) "ہر معاملہ میں اعتدال ومیانہ روی بہتر اور پسندیدہ ہے"۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ آدمی عام طور سے دھلے ہوئے کپڑے استعمال کرے اور ہمیشہ نئے نئے اور عمدہ ونفیس پوشاک زیب تن کرنے کے تکلفات میں نہ پڑے۔ تاکہ فرمان نبویؐ "البذاذۃ من الایمان"(عہ) یعنی سادگی (اور بے تکلفی) ایمان (کی خوبیوں) میں سے ہے۔" پر عمل ہو جائے۔

(عہ) قال العراقی اخرجہ البیھقی فی الشعب مرسلا۔ (المغنی)۔

(عہ) قال رسول اللہ الا تسمعون' الا تسمعون ان البذاذۃ من الایمان ان البذاذۃ من الایمان۔ (رواہ ابو داؤد' المشکوۃ کتاب اللباس فصل ۲)۔

خوراک و پوشاک اور سنت رسول اللہ ﷺ

خوراک اور پوشاک کے بارے میں خلاصہ سنت رسول اللہ ﷺ اور صحابہ و تابعین کا یہ ہے کہ ان چیزوں میں تکلف نہ کرے جیسی پوشاک و خوراک باسانی میسر ہو اس کو شکر کے ساتھ استعمال کرے موٹا کپڑا خشک غذاء ملے تو یہ تکلف نہ کرے کہ کسی نہ کسی طرح اچھا ہی حاصل کرے خواہ قرض لینا پڑے یا اس کی فکر میں اپنے آپ کو کسی دوسری مشکل میں مبتلا کرنے کی نوبت آجائے۔

اسی طرح عمدہ نفیس لباس یا لذیذ کھانا میسر آئے تو یہ تکلف نہ کرے کہ اس کو جان بوجھ کر خراب کرلے یا اس کے استعمال سے پرہیز کرے۔ جس طرح بڑھیا لباس اور غذا کی جستجو تکلف ہے اسی طرح بڑھیا کو خراب کرنا یا اس کو چھوڑ کر گھٹیا استعمال کرنا بھی تکلف اور مذموم ہے۔ (معارف القرآن)

خوش پوشاکی کے مسنون مواقع

ہاں عیدین یا دیگر تقریبات اور جمعہ وغیرہ میں عمدہ اور نفیس جوڑے استعمال کرنا منع نہیں بلکہ مسنون ہے چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس فنک (ایک جانور جس کی پشم نزاکت و عمدگی میں اپنی مثال آپ ہے) کی پوستین تھی جو شاہ مقوقس کی طرف سے ھدیۃً آئی تھی اور آپؐ اسے جمعہ و عیدین میں نیز مہمان و وفود کی آمد پر زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ نیز روایت میں آتا ہے کہ آپ کے پاس ایک قباء تھی جس میں ریشمی دھاری تھی اسے بھی آپ ﷺ عیدین

و جمعہ میں استعمال فرمایا کرتے تھے۔ (عہ)

کیونکہ ایسے عمدہ و نفیس لباس کا کبھی کبھی استعمال کرنا تحدیث بالنعمۃ اور اظہار تشکر میں سے ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "جب حق تعالیٰ کسی بندے کو نعمتوں سے نوازتے ہیں تو بندے پر اس کا اثر دیکھنا پسند فرماتے ہیں"۔ (عہ)

(عہ) عن اسماء بنت ابی بکر انہا اخرجت جبۃ طیالسۃ کسروانیۃ لہا لبنۃ دیباج وفرجیہا مکفوفین بالدیباج وقالت ھذہ جبۃ رسول اللہ کانت عند عائشۃ فلما قبضت قبضتہا وکان النبیؐ یلبسہا فنحن نغسلہا للمرضی ونستشفی بہا - (رواہ مسلم، مشکوۃ، کتاب اللباس فصل ۱)۔

(عہ) ان اللہ یحب ان یری اثر نعمتہ علی عبدہ (رواہ الترمذی، مشکوۃ، کتاب اللباس فصل ۲)۔

اور ہمیشہ ہی لباس فاخرہ کی دھن میں رہنا ایک قسم کی تعلی اور بڑائی ہے جو بسا اوقات غریب محتاج طبقہ کے لئے غم و غصہ کا باعث ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسے امور سے احتراز لازم ہے۔ اسی طرح انسان کو یہ نہ چاہئے کہ ہلکی سردی میں جب کہ ایک ہی گرم کپڑا کافی ہو دو دو تین تین گرم کپڑے پہن کر لوگوں کو دکھاتا پھرے کہ یہ بھی غریبوں محتاجوں کے لئے باعث اذیت ہوتا ہے۔ کیونکہ انسان کو ایسے امور سے روکا گیا ہے جو دوسروں کے لئے باعث اذیت ہوں۔ اور جب آدمی کی ضرورت ایک ہی کپڑے سے پوری ہوگئی تو مزید کی کیا ضرورت؟

اور انسان کے لئے مناسب یہ ہے کہ موٹا جھوٹا پہننے کی عادت رکھے جیسا کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے

میں منقول ہے کہ آپ ہمیشہ موٹا جھوٹا ہی پہنتے تھے۔

....

(ف) اسلاف کے معمولی اور پیوند زدہ

کپڑے استعمال کرنے کی وجہ :۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ کرام سے جو عام حالات میں معمولی قسم کا لباس یا پیوند زدہ کپڑے استعمال کرنا منقول ہے اس کی دو وجہ تھیں :

ایک تو یہ کہ اکثر جو کچھ مال آتا وہ فقراء ومساکین اور دینی کاموں میں خرچ کر ڈالتے تھے اپنے لئے باقی نہ رہتا تھا جس سے عمدہ لباس آسکے۔ دوسرے یہ کہ آپ مقتدائے خلائق تھے اس سادہ اور سستی پوشاک کے دیکھنے سے دوسرے امراء کو تلقین کرنا تھا تاکہ عام غرباء وفقراء پر ان کی مالی حیثیت کا رعب نہ پڑے۔

اسی طرح صوفیائے کرام جو مبتدیوں کو لباس زینت اور عمدہ لذیذ کھانوں سے روکتے ہیں اس کا منشا بھی یہ نہیں کہ ان چیزوں کو دائمی طور پر ترک کرنا کوئی کار ثواب ہے۔ بلکہ نفس کی خواہشات پر قابو پانے کے لئے ابتدائے سلوک میں ایسے مجاہدے بطور علاج ودواء کے کروائے جاتے ہیں اور جب وہ اس درجہ پر پہنچ جائے کہ خواہشات نفسانی پر قابو پالے کہ اس کا نفس اس کو حرام وناجائز کی طرف نہ کھینچ سکے تو اس وقت صوفیائے کرام عام سلف صالحین کی طرح عمدہ لباس اور لذیذ کھانوں کا استعمال کرتے ہیں اس وقت یہ طیبات رزق ان کے لئے معرفت خداوندی اور درجات قرب

میں رکاوٹ کے بجائے اضافہ اور تقرب کا ذریعہ بنتے ہیں۔

(معارف القرآن ۳؍۵۵۰)

....

(ت) :۔ اور اگر کوئی شخص سردی میں موٹے کپڑے اور گرمی میں نرم اور ہلکے کپڑے استعمال کرتا ہے تو کوئی حرج کی بات نہیں کیونکہ سردی سے بچاؤ کیلئے نرم کپڑے کے بجائے موٹا کپڑا زیادہ کارآمد ہوتا ہے تو یہ کپڑا سردی میں آدمی کے لئے زیادہ مناسب ہے اور ہلکے اور نرم کپڑے کی خوبی یہ ہے کہ اس میں پسینہ زیادہ خشک ہوتا ہے لہٰذا گرمی میں یہی زیادہ مناسب ہے۔

اور اگر کوئی شخص اپنی حلال کمائی سے سردی گرمی ہر زمانہ میں نرم کپڑے استعمال کرنا پسند کرتا ہے تو اس کی بھی اجازت ہے۔

....

(ف) :۔ اس لئے کہ اظہار نعمت ایک قسم کا شکر ہے اس کے بالمقابل وسعت ہوتے ہوئے پھٹے پرانے یا میلے کچیلے کپڑے استعمال کرنا ناشکری ہے، ہاں ضروری بات یہ ہے کہ دو چیزوں سے بچے ایک ریاء ونمود اور دوسرے فخر وغرور یعنی محض لوگوں کو دکھلانے اور اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لئے لباس فاخرہ استعمال نہ کرے۔ (معارف القرآن)

....

(ت) :۔ چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے :

قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ

والطیبات من الرزق۔ قل ھی للذین آمنوا فی الحیوۃ الدنیا خالصۃ یوم القیامۃ کذلک نفصل الآیات لقوم یعلمون۔

(سورۃ الاعراف نمبر ۳۲)

ترجمہ : "(جو لوگ اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزیں، ملبوسات و مطعومات و مشروبات کو بے دلیل بلکہ خلاف دلیل حرام سمجھ رہے ہیں ان سے) آپ فرما دیجئے کہ (یہ بتلاؤ) اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے کپڑوں کو جو اس نے اپنے بندوں کے (استعمال کے) واسطے بنائے ہیں اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس شخص نے حرام کیا ہے۔ (ف ۱)

(یعنی حلال و حرام قرار دینا تو خالق و مالک کائنات کا کام ہے تم اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام کہنے والے کون؟) آپ فرما دیجئے کہ دنیا کی زندگی میں یہ نعمتیں اصل میں ایمان والوں کے لئے ہیں قیامت کے دن خالص انہی کے لئے ہو جائیں گی اسی طرح ہم آیتیں مفصل بیان کرتے ہیں ان کے لئے جو سمجھتے ہیں۔ (ف ۲)

....

(ف ۱)

عمدہ لباس اور لذیذ کھانوں سے

پرہیز اسلام کی تعلیم نہیں :۔ مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو حلال یا

حرام ٹھہرانا صرف اس ذات پاک کا حق ہے جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا کسی دوسرے کی اس میں مداخلت جائز نہیں اس لئے وہ لوگ قابل عتاب و عذاب ہیں جو اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی عمدہ پوشاک یا پاکیزہ اور لذیذ خوراک کو حرام سمجھیں۔ وسعت ہوتے ہوئے پھٹے حالوں، گندہ پراگندہ رہنا نہ کوئی اسلام کی تعلیم ہے نہ کوئی اسلام میں پسندیدہ چیز ہے جیسا کہ بہت سے جاہل خیال کرتے ہیں۔

سلف صالحین اور ائمہ اسلام میں بہت سے اکابر جن کو اللہ تعالیٰ نے مالی وسعت عطا فرمائی تھی اکثر عمدہ اور بیش قیمت لباس استعمال فرماتے ہیں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے بھی جب وسعت ہوئی تو عمدہ سے عمدہ لباس بھی زیب تن فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ باہر تشریف لائے تو آپؐ کے بدن مبارک پر ایسی چادر تھی جس کی قیمت ایک ہزار درہم تھی۔

امام ابو حنیفہؒ سے منقول ہے کہ چار سو گنی کی قیمت کی چادر استعمال فرمائی۔ (معارف القرآن)

....

(ف ۲) :۔ عالم کی تمام چیزیں اسی لئے پیدا کی گئی ہیں کہ آدمی ان سے مناسب طریقے سے متمتع ہو کر خالق عز و جل کی عبادت و وفاداری اور شکر گزاری میں مشغول ہو۔ اس اعتبار سے دنیا کی تمام نعمتیں اصل میں مومنین و مطیعین ہی کیلئے پیدا ہوئی ہیں البتہ کافروں کو بھی ان چیزوں سے روکا نہیں گیا وہ بھی اپنے اعمال و تدابیر سے دنیوی مفاد حاصل کر لیتے ہیں بلکہ جب اہل ایمان قوت ایمان و تقوی میں کمزور ہوں تو یہ غاصبین اپنی

عملی تنگ ودو میں بظاہر زیادہ کامیاب معلوم ہوتے ہیں جسے کچھ تو کفار کے اعمال فانیہ کا ثمرہ سمجھنا چاہئے اور کچھ مومنین کے حق میں تنبیہ وتوبیخ۔ (تفسیر عثمانیؒ)

مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ "تشبہ بالغیر" کو لایعنی اور مہمل شی سمجھنے والوں کی اپنی دلیل میں اس آیت کو پیش کرنے پر تحریر فرماتے ہیں :

"(قرآن) وحدیث میں جہاں یہ الفاظ ہیں وہاں یہ بھی تو ہیں "یعنی کھاؤ پیو اور پہنو جب تک کہ اس میں اسراف اور مخیلہ کا دخل نہ ہووے"۔

اس شرط کا حاصل یہ نکلا کہ جب کھانا پہننا فضول خرچی اور خیلا وتکبر یا ناز وترفہ اور اتراہٹ کی حدود پر پہنچ جائے تو اس کو کھانے پہننے سے رک جائے پس تمام وہ کپڑے جن میں اسراف وخیلا ہو تمام وہ اوضاع واطوار جن میں نازش وترفہ اور اتراہٹ کا بیج ہو، تمام وہ اطوار جن میں عبدیت وتواضع کے بجائے کبر ورعونت اور توجہ الی اللہ کے بجائے توجہ الی النفس ہوتی ہو اور تمام وہ کھانے جن میں فضول خرچی اور اضاعت مال لازم آئے وہ سب ہی کفار کی اشیاء ہیں۔ اسی آیت وحدیث سے ممنوع وناجائز ٹھہر گئیں۔ جن کی خصوصی تفصیلات آیات واحادیث نے کردی ہیں جن کو ہم پہلی فصلوں میں بسط کے ساتھ لکھ چکے ہیں۔ (اسلامی تہذیب وتمدن ص۲۴۱)

....

(ت) :۔ اور جس طرح ہم نے بیان کیا کہ انسان کو اپنی خوراک

وپوشاک کے معاملہ میں اعتدال سے کام لینا مستحب ہے اس طرح اپنے اہل وعیال کے کھانے پینے کے معاملہ میں بھی میانہ روی اختیار کرنا مستحب ہے کیونکہ ان کے متعلق انفاق بالمعروف کا حکم ہے اور انفاق بالمعروف کا مطلب یہ ہے کہ نہ فضول خرچی کرے اور نہ بخل سے کام لے۔ یہاں تک کہ فقہاء فرماتے ہیں کہ آدمی کو چاہئے کہ گھروالوں کے ساتھ درمیانی چال چلے نہ یہ کہ ان کی تمام فرمائشیں پوری کردیا کرے اور نہ ہی تمام خواہشات کو ٹھکرادیا کرے۔ کیونکہ ہر معاملہ میں میانہ روی اختیار کرنا سب سے بہتر ہے۔

اسی طرح یہ بھی مناسب نہیں کہ آدمی ہمیشہ پیٹ بھر کر کھانے کی عادت ڈالے کیونکہ اولیٰ اور افضل طریقہ وہی ہے جسے حضور اکرم ﷺ نے اختیار فرمایا ہے اور جسے آپؐ نے یوں بیان فرمایا کہ "اجوع یوما واشبع یوما"(۱) کہ ایک دن بھوک سے گزرے تو دوسرا دن سیری سے۔

اور (۲) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد آپؐ کی سادگی کو یاد کرکے روپڑتی تھیں اور فرماتیں کہ اے وہ ذات کہ جس نے مسہری کے بجائے چٹائی اختیار فرمائی اے وہ کہ جسے دوزخ کے خوف سے رات کو آرام نہ ملا۔ اے وہ کہ جس نے نہ ریشمی لباس کبھی زیب تن فرمایا اور نہ کبھی جو کی روٹی سے بھی سیری حاصل فرمائی۔ نیز آپؓ فرمایا کرتی تھیں کہ اکثر ہم پر مہینوں گزر جاتے اور گھر میں چولہا نہیں جلتا تھا بس! اسودان یعنی کھجور اور پانی پر گزارہ ہوتا تھا۔ (۳)

اور ہم یہ روایت بیان کرچکے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اطول الناس جوعا یوم القیامۃ اکثرھم شبعا فی الدنیا۔ (۴)

ترجمہ: "یعنی قیامت میں وہی شخص زیادہ عرصہ تک بھوکا رہے گا جو زیادہ سے زیادہ دنیا میں پیٹ بھرا کرتا تھا۔"

لہٰذا ہمیشہ آسودہ ہوکر کھانے کی عادت سے پرہیز کرنا اولیٰ ہے۔

امام صاحبؒ نے ارشاد فرمایا "کہ کسی انسان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کھانا پینا ایسا چھوڑ دے کہ پھر وہ اپنے کام کا بھی نہ رہے"۔ مطلب یہ ہے کہ بھوک کی وجہ سے اس کی جان پر بن آئے اور اس کا معدہ بیکار ہوکر احتراق کا شکار ہوجائے اور نتیجہ یہ ہو کہ پھر غذا لینا بھی بے سود ہوجائے۔ کیونکہ ایسی ناگفتہ بہ حالت ہونے سے قبل ہی اسے خوراک اور غذا لیتے رہنا یہ نفس کا واجبی حق ہے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے ایک صحابی سے ارشاد فرمایا:

نفسک مطیتک فارفق بھا ولا تجوعھا۔

ترجمہ: "تمہارا نفس تمہاری سواری ہے اس کے ساتھ مہربانی کیا کرو اسے بھوکا مت مارو"۔

نیز ایک صحابیؓ سے ارشاد فرمایا:

ان لنفسک (۱) علیک حقا ولاھلک علیک حقا وللہ علیک حقا فاعط کل ذی حق حقہ

ترجمہ: "بے شک تمہاری جان کا تم پر حق ہے اور

تمہارے اہل وعیال کا تم پر حق ہے اور اللہ جل شانہ کا تم پر حق ہے پس ہر حقدار کو اس کا حق دیا کرو"۔

نیز حضرت مقداد بن معدیکربؓ سے ارشاد فرمایا:

کل واشرب والبس من غیر مخیلۃ۔

ترجمہ: "کھاؤ پیؤ اور پہنو مگر فخر وغرور سے بچتے ہوئے"۔

اور امر درحقیقت وجوب کے لئے آتا ہے اور کیونکہ کھانے پینے سے اس حد تک رکنا یہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے اور یہ حرام ہے نیز ایسا کرنا عبادت کے فوت ہونے کے اسباب اختیار کرنا ہے کیونکہ عبادت کرنا اپنی جان (کی سلامتی) کے بغیر ممکن نہیں اور جیسا کہ فرض عبادت کا چھوڑ دینا حرام ہے اسے طرح ایسے اسباب کا اختیار کرنا بھی حرام ہے جو عبادت کے فوت ہونے کا باعث ہوں۔

ہاں اگر نفس کو صرف اس قدر بھوکا رکھنا کہ جس سے قوت عمل متاثر نہ ہو اور نہ معدہ پر کوئی برا اثر پڑتا ہے تو ایسا (مجاہدہ) کرنا مباح ہے کیونکہ یہ یا تو کسی عبادت کی تکمیل کے لئے ہوگا جیسے روزہ وغیرہ یا پھر اس لئے تاکہ (بھوک کھل کر لگے اور) کھانے کا لطف دوبالا ہوجائے۔ کیونکہ بھوک جتنی تیز ہوتی ہے کھانا اتنا ہی مزیدار لگتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اگر کسی معقول وجہ سے کوئی ایسا کرے تو یہ مباح ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ اگر معقول وجہ سے آدمی ضرورت سے زیادہ کھانے پر مجبور ہو تو وہ بھی جائز ہے ورنہ حرام ہے۔ اور چونکہ اتنا بھوکا رہنا کہ جس سے آدمی کی صحت برباد ہوجائے اور معدہ جواب دیدے! اس کی کوئی معقول وجہ نہیں بلکہ اس میں اتلاف نفس ہے لہٰذا یہ

جائز نہیں ہو سکتا۔ اور انسان کے لئے اس کی جان دوسرے کی جان سے زیادہ (قیمتی اور) باحرمت ہے۔ پس جس طرح کسی دوسرے کی جان بچانا ہر ممکن کوشش سے ضروری ہے اور ایسے تمام اسباب اختیار کرنا جس سے کسی کی جان کا نقصان ہو حرام ہے تو اپنی جان بچانا اور ہر ایسے اسباب اختیار کرنے سے بچنا جس سے اسے نقصان ہو بدرجہ اولی فرض ہے۔

بعض درویش صفت لوگوں کی غلط فہمی اور اس کی اصلاح

بعض نفس کشی کرنے والے کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کھانا پینا چھوڑ دے یہاں تک کہ اس کی موت واقع ہو جائے تو بھی وہ گنہگار نہ ہوگا۔ کیونکہ نفس ہی تو انسان کو برائی کا حکم دیتا ہے چنانچہ حق تعالیٰ شانہ نے بھی اس کا وصف "امارۃ بالسوء"(۱) ارشاد فرمایا ہے۔

"نفس انسان کا دشمن ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

اعدی عدو المرء بین جنبیہ (۲)

ترجمہ: "انسان کا سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو اس کے دونوں پہلو کے درمیان ہے یعنی اس کا نفس"۔

اور ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دشمن کو خود پالنے سے بچے لہٰذا نفس کی پرورش سے دست کشی کرنے والا گنہگار کیونکر ہو سکتا ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

افضل الجہاد جہاد النفس ۔(۳)

ترجمہ: "سب سے اچھا جہاد وہ ہے جو نفس کے ساتھ ہو"۔

اور نفس کو بھوکا رکھنا اس کے ساتھ جہاد کرنا ہے پس ایسا کرنے پر کسی کو گنہگار ٹھہرانا جائز نہیں ہے۔

مگر ہم کہتے ہیں نفس کا مجاہدہ تو اسے عبادت میں مشغول کرنا ہے اور اس حد تک بھوکا رکھنا تو عبادت کے فوت کر دینے کا سبب ہے نہ کہ اسے عبادت میں مشغول کرنے کا۔ اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ نفس کو امانت خداوندی کا حامل بنایا گیا ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے اسے معصوم (سادہ لوح) پیدا فرمایا ہے تاکہ وہ اپنی ذمہ داری جو امانت اسے ملی ہے اسے بحسن وخوبی انجام دے اور یہ جب ہی ممکن ہے جب کہ آدمی ضرورت کے موافق کھانا کھائے اور جس شے پر کسی فرض کی ادائیگی موقوف ہو وہ خود فرض ہے۔

....

(ف)

امانت سے کیا مراد ہے؟:۔ امانت کے متعلق حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں:

انا عرضنا الامانة علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنها واشفقن منها وحملها الانسان انه کان ظلوما جهولا۔

(الاحزاب ۷۲)

ترجمہ: "ہم نے یہ امانت آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں کے

سامنے پیش کی تھی سو انہوں نے اس کی ذمہ داری سے انکار
کردیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اپنے ذمہ
لے لیا وہ ظالم ہے اور جاہل ہے۔"

اس جگہ امانت کی تفسیر میں ائمہ تفسیر صحابہ و تابعین وغیرھم سے بہت سے اقوال منقول ہیں :

۱۔ فرائض شرعیہ' ۲۔ حفظان عفت' ۳۔ امانات اموال' ۴۔ غسل جنابت' ۵۔ نماز' روزہ' زکوۃ' حج وغیرہ۔ اسلئے جمہور مفسرین نے فرمایا ہے کہ دین کے تمام وظائف و اعمال اس میں داخل ہیں (قرطبی)

تفسیر مظہری میں فرمایا کہ شریعت کی تمام تکلیفات امر و نہی کا مجموعہ امانت ہے۔ ابو حیان کی تفسیر بحر محیط میں فرمایا "ہر وہ چیز جس میں انسان پر اعتماد کیا جاتا ہے یعنی امر و نہی اور ہر حال جس کا دین یا دنیا سے تعلق ہو اور شریعت پوری کی پوری امانت ہے یہی جمہور کا قول ہے"۔

خلاصہ یہ ہے کہ امانت سے مراد احکام شرعیہ کا مکلف و مامور ہونا ہے جن میں پورا اترنے پر جنت کی دائمی نعمتیں اور خلاف ورزی یا کوتاہی پر جہنم کا عذاب موجود ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ امانت سے مراد احکام الٰہیہ کا بار اٹھانے کی صلاحیت و استعداد ہے جو عقل و شعور کے خاص درجہ پر موقوف ہے۔ اور ترقی اور استحقاق خلافت الٰہیہ اسی خاص استعداد پر موقوف ہے' جن اجناس مخلوقات میں یہ استعداد نہیں وہ اپنی جگہ کتنا ہی اونچا اور اعلیٰ مقام رکھتے ہوں مگر وہ اس مقام سے ترقی نہیں کرسکتے اسی وجہ سے آسمان و زمین وغیرہ میں یہاں تک کہ فرشتوں میں بھی ترقی نہیں جس کا جو مقام قرب ہے بس وہی ہے ان کا

حال یہ ہے "ما منا الا لہ مقام معلوم" یعنی ہم میں سے کوئی نہیں جس کا ایک معین مقام نہ ہو"۔ امانت کے اس مفہوم میں تمام روایات حدیث جو امانت کے متعلق آئی ہیں مربوط و مطابق ہوجاتی ہیں' جمہور مفسرین کے اقوال بھی اس میں تقریباً متفق ہوجاتے ہیں۔ (معارف القرآن جلد ۷ ص ۲۴۴)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ :

"اصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی ایک خاص امانت مخلوق کی کسی نوع میں رکھنے کا ارادہ کیا جو اس امانت کو اگر چاہے تو اپنی سعی و کسب اور قوت بازو سے محفوظ رکھ سکے اور ترقی دے سکے تاکہ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی ہر قسم کی شیون و صفات کا ظہور ہو مثلاً اس نوع کے جو افراد امانت کو پوری طرح محفوظ رکھیں اور ترقی دیں ان پر انعام و اکرام کیا جائے جو غفلت یا شرارت سے ضائع کردیں ان کو سزا دی جائے اور جو لوگ اس بارے میں قدرے کوتاہی کریں ان سے عفو و درگذر کا معاملہ ہو۔ میرے خیال میں یہ امانت ایمان و ہدایت کا ایک تخم ہے جو قلوب بنی آدم میں بکھیرا گیا جس کو "مابہ التکلیف" بھی کہہ سکتے ہیں۔ "لا ایمان لمن لا امانۃ لہ"۔ اسی کی نگہداشت اور تردد کرنے سے ایمان کا درخت اگتا ہے گویا بنی آدم کے قلوب اللہ کی زمینیں ہیں' بیج بھی اسی نے ڈال دیا ہے۔ بارش برسانے کے لئے رحمت کے بادل بھی اس نے بھیجے جن کے سینوں سے

وحی الٰہی کی بارش ہوئی۔ آدمی کا فرض یہ ہے کہ ایمان کے اس بیج کو جو امانت الٰہیہ ہے ضائع نہ ہونے دے بلکہ پوری سعی وجہد اور تردد وتفقد سے اس کی پرورش کرے مبادا غلطی یا غفلت سے بجائے درخت اگنے کے بیج بھی سوخت ہوجائے اس طرف اشارہ ہے حذیفہؓ کی اس حدیث میں "ان الامانۃ نزلت من السماء فی جذر قلوب الرجال ثم علموا من القرآن"۔ (الحدیث) یہ امانت وہی تخم ہدایت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قلوب رجال میں تہہ نشیں کیا گیا۔ پھر علوم قرآن وسنت کی بارش ہوئی جس سے اگر ٹھیک طور پر انتفاع کیا جائے تو ایمان کا پودا اگے بڑھے، پھولے، پھلے اور آدمی کو اسکے ثمرہ شیریں سے لذت اندوز ہونے کا موقع ملے اور اگر انتفاع میں کوتاہی کی جائے تو اسی قدر درخت کے ابھرنے اور پھلنے پھولنے میں نقصان رہے یا بالکل غفلت برتی جائے تو سرے سے تخم بھی برباد جائے۔ یہ امانت تھی جو اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان اور پہاڑوں کو دکھلائی مگر کس میں استعداد تھی جو اس امانت عظیمہ کو اٹھانے کا حوصلہ کرتا ہر ایک نے بلسان حال یا بزبان قال ناقابل برداشت ذمہ داریوں سے ڈر کر انکار کردیا کہ ہم سے یہ بار نہ اٹھ سکے گا۔ خود سوچ لو کہ بجز انسان کے کون سی مخلوق ہے جو اپنے کسب

ومحنت سے اس تخم ایمان کی حفاظت وپرورش کرکے ایمان کا شجر بارآور حاصل کرسکے۔ فی الحقیقت اس عظیم الشان امانت کا حق ادا کرسکنا اور ایک افتادہ زمین کو جس میں مالک نے تخم ریزی کردی تھی خون پسینہ ایک کرکے باغ وبہار بنالینا اسی ظلوم وجہول انسان کا حصہ ہوسکتا ہے جس کے پاس زمین قابل موجود ہے۔ اور محنت وتردد کرکے کسی چیز کو بڑھانے کی قدرت اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا فرمائی ہے۔ "ظلوم" و"جہول" "ظالم" و"جاہل" کا مبالغہ ہے۔ ظالم وجاہل وہ کہلاتا ہے جو بالفعل عدل اور علم سے خالی ہو مگر استعداد وصلاحیت ان صفات کے حصول کی رکھتا ہو۔ پس جو مخلوق بدء فطرت سے علم وعدل کے ساتھ متصف ہے اور ایک لمحہ کے لئے بھی یہ اوصاف اس سے جدا نہیں ہوئے مثلاً "ملائکۃ اللہ" یا جو مخلوق ان چیزوں کے حاصل کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی (مثلاً زمین آسمان پہاڑ وغیرہ) ظاہر ہے کہ دونوں اس امانت الٰہیہ کے حامل نہیں بن سکتے۔ بیشک انسان کے سوا "جن" ایک نوع ہے جس میں فی الجملہ استعداد اس کے تحمل کی پائی جاتی ہے اور اسی لئے "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" میں دونوں کو جمع کیا گیا لیکن انصاف یہ ہے کہ ادائے حق امانت کی

استعداد ان میں اتنی ضعیف تھی کہ حمل امانت کے مقام میں چنداں قابل ذکر اور درخور اعتناء نہیں سمجھے گئے گویا وہ اس معاملہ میں انسان کے تابع قرار دئے گئے جن کا نام مستقل طور پر لینے کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (تفسیر عثمانی ص ۵۶۳)

....

(ت) :۔

ہاں وہ جوان آدمی جسے غلبہ شہوت کی بنا پر بدکاری وغیرہ میں پڑجانے کا اندیشہ ہو اس کے لئے بے شک جائز ہے کہ وہ اپنی شہوت کا زور توڑنے کے لئے کھانا پینا روک دے۔ اور یہ بھی بس اس حد تک کہ (جس سے قوت عمل پر کوئی برا اثر نہ پڑے اور) وہ عبادت کے انجام دینے سے عاجز نہ ہو بیٹھے۔ کیونکہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا :

یا معشر الشباب علیکم بالنکاح فمن لم یستطع فعلیہ بالصوم فان لہ وجاء۔

ترجمہ : "اے گروہ نوجوانان تم نکاح کو لازم پکڑو پس جسے اس کی استطاعت نہ ہو وہ روزے کو لازم پکڑے کیونکہ روزہ شہوت کا توڑ ہے"۔

اور یہ اس لئے مرغوب ہے کہ ایسے موقع سے کھانا روک دینا گناہوں سے بچنے کا ذریعہ ہے چنانچہ ابو بکر وراق رحمہ اللہ کا قول منقول ہے کہ "نفس کا بھوکا رکھنا اسے آسودہ کرنا ہے اور اسے آسودہ رکھنا

اسے بھوکا مارنا ہے"۔ پھر آپؒ اس کا مطلب بیان فرماتے کہ "جب نفس کو بھوک لگتی ہے تو وہ گناہوں کی طرف سے آسودہ ہو جاتا ہے (یعنی اس کی طرف التفات ہی نہیں کرتا) اور جب وہ کھانا کھا کر آسودہ ہوتا ہے تو پھر وہ گناہوں کا بھوکا ہو جاتا ہے اور طرح طرح کے گناہوں کی امنگ کرنے لگتا ہے"۔

....

(ف) :۔ حدیث متفق علیہ ہے :

یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء۔

ترجمہ : "اے نوجوانو! جو تم میں شادی کی صلاحیت رکھتا ہے اسے چاہئے کہ شادی کرلے کیونکہ یہ نگاہیں نیچی رکھنے اور شرم گاہ کی حفاظت میں بڑی مددگار ہے اور جس میں اس کی استعداد نہیں وہ روزہ رکھا کرے کیونکہ روزہ کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ اس سے شہوت کا زور ٹوٹ جاتا ہے"۔

....

(ت) :۔ اور جب گناہوں کے ارتکاب سے اپنے آپ کو بچانا فرض ہے اور اس طور پر بھوکا رہنا اس کا ایک ممکن ذریعہ ہے تو اس کو عمل میں لانا مباح ٹھہرے گا۔

غرباء و مساکین کے حقوق اور ان کے مراتب

حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں :

"لوگوں کے ذمہ محتاج کا کھلانا فرض ہے جب کہ وہ (کمانے کیلئے) نکلنے سے اور مانگنے سے عاجز ہو"۔

اور اس کے کئی درجے ہیں۔ (اول) یہ کہ جب محتاج نکلنے سے عاجز ہو تو ہر اس شخص پر جس کو اس کا حال معلوم ہو اس کا کھلانا فرض ہے اور اتنی مقدار کھلانا ضروری ہے جس سے وہ نکلنے پر اور فرض ادا کرنے پر قادر ہو جائے بشرطیکہ جس کو اس کا حال معلوم ہو وہ کھلانے پر قادر ہو۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے :

ما آمن من بات شبعانا وجاره الى جنبه خاوی۔ (عه)

ترجمہ : "وہ شخص ایمان نہیں لایا جو خود تو پیٹ بھر کر رات گزارے اور پاس ہی اس کا پڑوسی بھوکا پڑا ہو"۔ (ف ا)

....

(ف ا) :۔ یقیناً جس شخص کے پاس اتنا ہے کہ وہ پیٹ بھر کر کھا سکتا ہے اور پاس ہی بھوکا پڑوسی پڑا ہو تو اس کیلئے یہ ہرگز زیبا نہیں کہ خود پیٹ بھر کر کھائے اور وہ غریب بھوک میں تلملاتا رہے۔ ضروری ہے کہ اپنے پیٹ کو کچھ کم پہنچائے اور پڑوسی کی بھی مدد کرے۔ حضورؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ "وہ شخص مجھ پر ایمان نہیں لایا جو خود پیٹ بھر کر رات گزارے اور اس کو یہ بات معلوم ہو کہ اس کا پڑوسی اس کے برابر میں

بھوکا ہے"۔

ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ :

"قیامت میں کتنے آدمی ایسے ہوں گے جو اپنے پڑوسی کا دامن پکڑے ہوئے اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے یا اللہ اس سے پوچھیں کہ اس نے اپنا دروازہ بند کرلیا تھا اور مجھے اپنی ضرورت سے زائد جو چیزیں ہوتی تھیں وہ بھی نہ دیتا تھا"۔

ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد وارد ہوا ہے :

"لوگو صدقہ کرو میں قیامت کے دن اس کی گواہی دوں گا شائد تم میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے جن کے پاس رات کو سیر ہونے کے بعد بچ رہے اور اس کا چچا زاد بھائی بھوک کی حالت میں رات گزارے۔ تم میں شائد کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو خود تو اپنے مال کو بڑھاتے رہیں اور اس کا مسکین پڑوسی کچھ نہ کما سکے"۔

ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد وارد ہوا ہے :

"آدمی کے بخل کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ یوں کہے کہ میں اپنا حق پورا کا پورا لوں گا اس میں سے ذرا سا بھی نہیں چھوڑوں گا"۔

یعنی تقسیم وغیرہ میں رشتہ داروں سے ہو یا پڑوسیوں سے اپنا پورا حق وصول کرنے کی فکر میں لگا رہے ذرا ذرا سی چیز پر کج وکاؤ (یعنی کچھ کچھ) کرے یہ بھی بخل کی علامت ہے اگر تھوڑا بہت دوسرے کے پاس

چلا ہی جائے گا تو اس میں کیا مرجائے گا؟۔ (فضائل صدقات)

....

(ت) :۔

حتی کہ اگر کوئی ایسے مجبور شخص کی مدد نہ کرے اور وہ بیچارہ بھوکا مرجائے تو جس جس کو اس کا علم تھا سب کے سب گنہگار ہوں گے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے :

ایما رجل مات ضیاعا بین قوم اغنیاء
فقد برئت منهم ذمة الله وذمة رسوله (عه
(عه) لم اجد بلفظه ويقرب منه ما رواه احمد فی
۴۔ ۱۵۱ اول خصمین یوم القیامۃ جاران۔ ۔

ترجمہ : "کوئی (بھی غریب) شخص امیر و دولت مند لوگوں کے درمیان بے یار و مددگار ہوگیا تو اس قوم سے اللہ تعالی اور اس کے رسول کا ذمہ بری ہے"۔

اور اسی طرح یہ بھی فرض ہے کہ اگر اس میں خود کھلانے کی قدرت نہ ہو مگر دوسروں کو اس کے حال کی اطلاع کر سکتا ہے تو دوسروں کو اطلاع کردے تا کہ لوگ اس کی حاجت روائی کریں۔ کیونکہ اپنی بساط بھر اس کی جان بچانے کی کوشش کرنا اس پر ضروری ہے اور یہی اس کی ذمہ داری ہے اور طاعت کا مطالبہ وہیں تک ہے جو انسان کی مقدور بھر ہو۔

پھر بھی اگر لوگ ایسے مجبور کی حاجت روائی نہ کریں اور وہ شخص چل بسے تو تمام (امیر و دولتمند) لوگوں پر اس کا گناہ ہوگا۔ اور اگر کچھ

لوگ اس کی امداد کردیں تو بقیہ کے سر سے یہ ذمہ داری ساقط ہو جائے گی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی مسلمان قیدی کے غیروں کے ہاتھ سے چھڑانے اور آزاد کرانے کا معاملہ ہے کہ اگر (خدانخواستہ) کوئی مسلمان کفار کے قبضہ میں چلا گیا اور وہ اسے قتل کرنے لگیں تو جس مسلمان کو اس کا حال معلوم ہو اس پر فرض ہے کہ وہ اپنے مال سے فدیہ دے کر اس کی گلو خلاصی کا انتظام کرے ورنہ اس کی اطلاع کسی ایسے شخص کو دیدے جو اس کام کو انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور جب کوئی اس فریضہ کو انجام دیدے تو مقصد کے حصول کی وجہ سے باقی لوگوں کے ذمہ سے یہ فرض ساقط ہوگیا۔ اور یہ دونوں مسئلے ہم مثل ہیں کیونکہ بھوک جب زور پکڑلے تو وہ بھی کسی مشرک جانی دشمن سے کم نہیں کیونکہ اس سے بھی انسان کی ہلاکت کا اندیشہ ہے۔

دوسرا درجہ فقر کا یہ ہے کہ وہ محتاج گھر سے تو نکل سکتا ہے مگر کمانے سے مجبور ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ گھر سے نکلے اور جس شخص کو اس کا حال معلوم ہوجائے اور اس کے پاس زکوۃ وغیرہ کا مال موجود ہے جسے اس نے ابھی ادا نہیں کیا ہے تو ایسے شخص پر ضروری ہوجاتا ہے کہ وہ اپنی زکوۃ اسی محتاج کے حوالہ کرے۔ کیونکہ اسے ایسا شخص مل گیا جو اس کی زکوۃ کا ہر طرح سے مستحق ہے۔ تو اسے چاہئے کہ اسی شخص کو زکوۃ دیکر اپنے ذمہ سے فرض ساقط کرلے۔ کیونکہ یہ محتاج شخص دوسرے غریبوں سے زیادہ اس کی زکوۃ کا فی الوقت مستحق ہے۔ اور اگر یہ مالدار شخص اپنی زکوۃ ادا کرچکا ہے تو ایسے شخص کی امداد کرنا اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا مستحب ہے کہ صاحب ثروت کو انفاق فی

سبیل اللہ کی بڑی ترغیب آئی ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین۔

(بقرہ ۔ نمبر ۱۹۵)

ترجمہ : "اور نیکی کرو بے شک اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے نیکی کرنے والوں کو"۔

نیز ارشاد ہے :

من ذا الذی یقرض اللہ قرضا حسنا (ف ۱)

(الحدید ۔ نمبر ۱۱)

ترجمہ : "کون ہے ایسا شخص جو اللہ جل شانہ کو قرض دے اچھی طرح قرض دینا"۔

اور جب حضور اکرم ﷺ سے بہترین عمل کے متعلق سوال کیا گیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا :

افشاء (عہ) السلام واطعام الطعام والصلوۃ باللیل والناس نیام۔

ترجمہ : "سلام کو رواج دینا اور کھانا کھلانا اور ایسے وقت رات کو نماز پڑھنا جب کہ لوگ سو رہے ہوں"۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ وہ محتاج کمانے پر قادر ہے تو ایسے شخص پر کمانا فرض ہے اور اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ دست سوال (ف ۲) دراز کرے (اور لوگوں سے مانگتا پھرے) کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا :

من سال (عہ) الناس وھو غنی عما یسال

جاءت مسالتہ یوم القیمۃ خدوشا او خموشا او کدوحا فی وجھہ

(عہ) روی الترمذی وابن ماجہ بلفظ یا ایھا الناس افشوا السلام واطعموا الطعام وصلوا الارحام وصلوا اللیل والناس نیام تدخلوا الجنۃ بالسلام (المشکوۃ، الزکوۃ، فصل الصدقۃ)

(عہ) روی مثلہ ابو داود والترمذی والنسائی والمشکوۃ، الزکوۃ، من لا تحل لہ المسالۃ

ترجمہ : "جو شخص لوگوں سے مانگے حالانکہ وہ سوال سے مستغنی ہے تو قیامت کے دن اس کا یہ سوال کرنا اس کے چہرہ پر خراش' دھبا اور بدنما داغ ہو کر ظاہر ہوگا"۔

نیز ایک حدیث شریف میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ صدقات تقسیم فرما رہے تھے کہ دو آدمیوں نے آکر آپ سے اس کا سوال کیا آپ نے انہیں دیکھا تو دونوں تندرست وتوانا نظر آئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا :

اما انہ لا حق لکما فیہ وان شئتما اعطیتکما۔ (عہ)

ترجمہ : "یہ سمجھ لو کہ اس (صدقہ) میں تمہارا کوئی حق نہیں اگر پھر بھی چاہو تو دیدوں؟"۔

مطلب یہ ہے کہ انہیں (کمانے پر قدرت رکھنے کے باوجود) سوال

کرنے کا کوئی حق نہ تھا۔ نیز آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے:

لا تحل الصدقة لغنی ولا لذی مرة سوی۔

(عہ)

ترجمہ: "صدقہ نہ مالدار کے لئے حلال ہے نہ کسی بھلے چنگے کے لئے"۔

یعنی دست سوال دراز کرنا قوی اور کمانے پر قدرت رکھنے والے کے لئے کسی طرح جائز نہیں۔ نیز آپؐ کا ارشاد گرامی ہے:

السوال آخر کسب العبد۔

ترجمہ: "مانگنا بندے کے لئے انتہائی (آخری درجہ کی) کمائی ہے"۔

(عہ) رواہ ابو داود والنسائی' المشکوة باب من لا تحل له المسئلة

(عہ) روی الترمذی ابوداود والدارمی ایضا.

....

(ف-۱):-

قرض حسنہ اسے کہتے ہیں جو قرض دے کر تقاضہ نہ کرے اور اپنے احسان نہ رکھے اور بدلہ نہ چاہے اور اسے حقیر نہ سمجھے اور خدا کو دینے سے جہاد میں خرچ کرنا مراد ہے یا محتاجوں کو دینا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

....

(ف-۲) پیشہ وارانہ گداگری کا انسداد:- شریعت اسلام نے معاشرہ کے کمزور افراد کو بھی خاص قانون کا پابند بنایا ہے:

۱) تندرست وتوانا آدمی کو بجز مخصوص حالات کے سوالات کا حق نہیں دیا۔ قرآن کریم میں "فقراء" کی قابل تعریف صفت یہ بیان فرمائی کہ لا یسالون الناس الحافا"۔ یعنی وہ لوگوں سے لگ لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔

۲) جس شخص کے پاس ایک دن کے گزارہ کا سامان موجود ہو اس کے لئے سوال حرام کردیا۔

۳) سوال کرنے کو حدیث میں ذلت قرار دیا گیا۔

۴) جس شخص کے پاس بقدر نصاب مال موجود ہو اس کے لئے بغیر سوال کے بھی صدقہ لینا حرام کردیا۔

۵) غرباء ومساکین کو اس کی ترغیب دی کہ محنت مزدوری کی کمائی کو عزت سمجھیں اور صدقات سے گریز کریں۔

۶) ارباب اموال کو اس کی ہدایت کی کہ اموال صدقات صرف اپنی جیب سے نکالنا کافی نہیں بلکہ اس کے مستحقین حاجت مند لوگوں کو تلاش کرکے ان کو پہنچانا بھی انکی ذمہ داری ہے۔ (ماخوذ از اسلام کا نظام تقسیم دولت)

....

(ت):-

اور لیکن اس نے (کمانے پر قدرت کے باوجود) سوال کیا اور اسے (صدقہ وغیرہ) مل گیا تو اس کا لے لینا اس کے لئے حلال ہے جیسا کہ حدیث شریف کے جملہ "ان شئتما اعطیتکما" سے واضح ہے۔

کیونکہ اگر ان کے لئے اس کا لے لینا جائز نہ ہوتا تو حضور ﷺ ان سے ایسا نہ فرماتے۔ اور حق تعالیٰ شانہ کا بھی ارشاد ہے:

انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها والمؤلفة قلوبهم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل الله وابن السبیل' فریضة من الله والله علیم حکیم۔

(التوبہ - ٦٠)

ترجمہ: "(فرض) صدقات تو صرف حق ہے غریبوں اور محتاجوں کا اور جو کارکن ان صدقات (کی تحصیل وصول کرنے) پر متعین ہیں اور جن کی دلجوئی کرنا (منظور) ہے اور غلاموں کی گردن چھڑانے میں (صرف کیا جائے) اور قرضداروں کے قرض (ادا کرنے) میں اور جہاد (والوں کے سامان) میں اور مسافروں (کی امداد) میں یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں"۔

....

اور کمانے پر قدرت رکھنے والا (اگر اس کے پاس کچھ نہ ہو تو وہ) بھی فقیر ہے۔

(ف)

مصارف زکوۃ کی تفصیل:۔ اس آیت شریفہ میں باجماع صحابہ وتابعین اسی صدقہ واجبہ کے مصارف کا بیان ہے جو نماز کی طرح

مسلمانوں پر فرض ہے....

ان میں پہلا مصرف فقراء ہیں' دوسرا مساکین' فقیر اور مسکین کے اصل معنی میں اگرچہ اختلاف ہے' ایک کے معنی ہیں جس کے پاس کچھ نہ ہو دوسرے کے معنی جن کے پاس نصاب سے کم ہو لیکن حکم زکوۃ میں دونوں یکساں ہیں کوئی اختلاف نہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ جس شخص کے پاس اس کی ضروریات اصلیہ سے زائد بقدر نصاب مال نہ ہو اس کو زکوۃ دی جاسکتی ہے اور اس کے لئے زکوۃ لینا بھی جائز ہے۔ ضروریات میں رہنے کا مکان' استعمالی برتن اور کپڑے فرنیچر وغیرہ سب داخل ہیں۔

نصاب یعنی ساڑھے سات تولہ (عہ) سونا یا چاندی ساڑھے باون تولہ یا اس کی قیمت جس کے پاس ہو اور وہ قرضدار بھی نہ ہو نہ اس کو زکوۃ لینا جائز ہے نہ (کسی اور کا اس کو) دینا۔ اسی طرح وہ شخص جس کے پاس کچھ چاندی یا کچھ پیسے نقد ہیں اور تھوڑا سا سونا ہے تو سب کی قیمت لگا کر اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے تو وہ بھی صاحب نصاب ہے اس کو زکوۃ دینا اور لینا جائز نہیں۔ اور جو شخص صاحب نصاب نہیں مگر تندرست قوی اور کمانے کے قابل ہے اور ایک دن کا گزارہ اس کے پاس موجود ہو اس کو اگرچہ زکوۃ دینا جائز ہے مگر یہ جائز نہیں کہ وہ لوگوں سے سوال کرتا پھرے اس میں بہت سے لوگ غفلت برتتے ہیں' سوال کرنا ایسے لوگوں کے لئے حرام ہے۔ ایسا شخص جو کہ کچھ سوال کر کے حاصل کرتا ہے اس کو رسول کریم ﷺ نے جہنم کا انگارہ فرمایا ہے۔ (ابوداؤد)

(ف درف)

چاندی اور سونے کا نصاب موجودہ اوزان سے :۔ ۱۲ ماشہ کا ایک تولہ موجودہ گراموں کے حساب سے ۱۱ گرام ۶۶۴ ملی گرام کا ہوتا ہے اور ۱۲ ماشہ کی ساڑھے باون تولہ (½ ۵۲ تولہ) کا وزن موجودہ گراموں کے حساب سے ۶۱۲ گرام، ۳۶۰ ملی گرام کا ہوتا ہے لہٰذا موجودہ دس گرام کے تولہ کے حساب سے ۶۱ تولہ ۲ گرام ۳۶۰ ملی گرام چاندی کا نصاب بنے گا۔ (ایضاح المسائل ص ۱۰۲)

(یعنی واجب الاداء زکوۃ ۱۵ گرام ۳۰۹ ملی گرام چاندی کے ہوئے احتیاطاً ۱۵ گرام ۵ ملی گرام چاندی۔ از مترجم)

اور سونے کا نصاب :۔ ۱۲، ماشہ کے ساڑھے سات تولہ سے سونے کا نصاب بنتا ہے اور ۱۲، ماشہ کے ساڑھے سات تولہ کا وزن موجودہ گراموں کے حساب سے ۸۷ گرام ۴۸۰ ملی گرام کا ہوتا ہے لہٰذا موجودہ دس (۱۰) گرام کے تولہ کے حساب سے ۸ تولہ ۷ گرام ۴۸۰ ملی گرام سونے کا نصاب بنے گا۔ (ایضاح المسائل صہ ۱۰۳) (واجب الاداء ۲ گرام ۱۸۷ ملی گرام احتیاطاً ۲ گرام ۲ ملی گرام سونے کے ہوئے)

اور صدقہ فطر :۔ نصف صاع کا وزن ۱۳۵ تولہ ہوتا ہے اور موجودہ اوزان کے اعتبار سے ڈیڑھ کلو ۴۷ گرام ۶۴۰ ملی گرام ہوتا ہے۔ (ماخوذ

از ایضاح المسائل مولفہ مفتی شبیر احمد صاحب مفتی جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد)

(ف) :۔

تیسرا مصرف "العاملین علیہا"۔ یہاں عاملین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلامی حکومت کی طرف سے صدقات زکوۃ و عشر وغیرہ۔ لوگوں سے وصول کرکے بیت المال میں جمع کرنے کی خدمت پر مامور ہوتے ہیں، یہ لوگ چونکہ اپنے تمام اوقات اس خدمت میں خرچ کرتے ہیں اس لئے ان کی ضروریات کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر عائد ہے۔

عاملین صدقہ کو جو رقم مد زکوۃ سے دی جاتی ہے وہ بحیثیت صدقہ نہیں بلکہ ان کی خدمت کا معاوضہ ہے اس لئے باوجود غنی اور مالدار ہونے کے بھی وہ اس رقم کے مستحق ہیں اور زکوۃ سے ان کو دینا جائز ہے۔ اور مصارف زکوۃ کی آٹھ مدات میں سے صرف ایک یہی مد ایسی ہے جس میں رقم زکوۃ بطور معاوضہ خدمت دی جاتی ہے۔ ورنہ زکوۃ نام ہی اس عطیہ کا ہے جو غریبوں کو بغیر کسی معاوضہ خدمت کے دیا جائے، اور اگر کسی غریب فقیر کو کوئی خدمت لے کر مال زکوۃ دیا گیا تو زکوۃ ادا نہیں ہوئی۔ آج کل جو اسلامی مدارس اور انجمنوں کے مہتمم یا ان کی طرف سے بھیجے ہوئے سفیر صدقات زکوۃ وغیرہ مدارس اور انجمنوں کے لئے وصول کرتے ہیں ان کا وہ حکم نہیں جو عاملین صدقہ کا اس آیت میں مذکور ہے کہ زکوۃ کی رقم میں سے ان کی تنخواہ دی جا سکے۔ بلکہ ان کو مدارس اور انجمن کی طرف سے جداگانہ تنخواہ دینا ضروری ہے۔

چوتھا مصرف مولفة القلوب ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کی دلجوئی کیلئے ان کو صدقات دیے جاتے تھے جس علت کی بنا پر ان کو صدقہ دیا جاتا تھا وہ علت اور مصلحت اب ختم ہوگئی اس لئے ان کا حصہ بھی ختم ہوگیا جس کو بعض فقہاء نے منسوخ ہوجانے سے تعبیر کیا ہے۔ فاروق اعظمؓ، حسن بصریؒ، شعبیؒ، ابوحنیفہؒ اور مالک بن انسؒ کی طرف یہی قول منسوب ہے۔

پانچواں فی الرقاب عرف میں اس شخص کو رقبہ کہہ دیا جاتا ہے جس کی گردن کسی دوسرے کی غلامی میں مقید ہو۔ جمہور فقہاء ومحدثین کی رائے کے مطابق اس سے مکاتب مراد ہے یعنی وہ غلام جنکے آقاؤں نے کوئی مقدار مال کی متعین کرکے کہہ دیا ہے کہ اتنا مال کماکر ہمیں دے دو تو تم آزاد ہو۔

چھٹا مصرف الغارمین غارم کی جمع بمعنی قرضدار۔ قرضدار کو ادائے قرض کے لئے دینا عام فقراء ومساکین کو دینے سے زیادہ افضل ہے۔ بشرطیکہ اس قرضدار کے پاس اتنا مال نہ جس سے وہ قرض ادا کرسکے کیونکہ غارم لغت میں ایسے ہی قرضدار کو کہتے ہیں۔

ساتواں مصرف فی سبیل اللہ ہے اس سے مراد وہ غازی اور مجاہد ہے جس کے پاس اسلحہ اور جنگ کا ضروری سامان خریدنے کے لئے مال نہ ہو یا وہ شخص جس کے ذمہ حج فرض ہوچکا ہو مگر اس کے پاس اب مال نہیں رہا جس سے وہ حج فرض ادا کرسکے۔ یہ دونوں کام خالص دینی خدمت اور عبادت ہیں اس لئے مال زکوۃ کو ان پر خرچ کرنے میں ایک مفلس کی امداد بھی ہے اور ایک عبادت کی ادائیگی میں تعاون بھی۔ اسی

طرح فقہاء نے طالب علموں کو بھی اس میں شامل کیا ہے کہ وہ بھی ایک عبادت کی ادائیگی کے لئے لیتے ہیں۔ جو لوگ رسول کریم ﷺ کی تفسیر وبیان اور ائمہ تفسیر کے ارشادات سے قطع نظر محض لفظی ترجمہ کے ذریعہ قرآن سمجھنا چاہتے ہیں یہاں ان کو ایک مغالطہ لگا ہے کہ لفظ فی سبیل اللہ" دیکھ کر زکوۃ کے مصارف میں ان تمام کاموں کو داخل کردیا جو کسی حیثیت سے نیکی یا عبادت ہیں۔ مساجد، مدارس، شفاخانوں، مسافرخانوں، وغیرہ کی تعمیر، کنویں اور پل اور سڑکیں بنانا۔ اور ان رفاہی اداروں کے ملازمین کی تنخواہیں اور تمام دفتری ضروریات ان سب کو انہوں نے "فی سبیل اللہ" میں داخل کرکے مصرف زکوۃ قرار دیدیا۔ جو سراسر غلط ہے اور اجماع امت کے خلاف ہے۔ صحابہ کرامؓ جنہوں نے قرآن کو براہ راست رسول کریم ﷺ سے پڑھا اور سمجھا ہے ان کی اور ائمہ تابعین کی جتنی تفسیریں اس لفظ کے متعلق منقول ہیں ان میں سے اس لفظ کو حجاج اور مجاہدین کے لئے مخصوص قرار دیا گیا ہے۔

آٹھواں مصرف وابن السبیل ہے یہ راہ گیر ومسافر کو کہا جاتا ہے۔ مصارف زکوۃ میں اس سے مراد وہ مسافر ہے جس کے پاس سفر میں بقدر ضرورت مال نہ ہو جس سے وہ اپنی ضروریات سفر پوری کرے اور وطن واپس جاسکے۔ (مختصراً از معارف القرآن جلد ۴ سورہ توبہ)

....

(ت)

لاچاری میں مانگنا بھی فرض ہے :۔ اگر کوئی اس قدر لاچار ہے کہ کمانے کے قابل نہیں مگر گھر گھر گھوم پھر کر مانگ سکتا ہے تو

اس کے ذمہ ایسا کرنا فرض ہے اگر وہ ایسا نہیں کرتا اور یونہی بھوک سے مرجائے تو فقہاء کے نزدیک وہ مجرم و گنہگار رہے۔

بعض درویش صفت لوگوں کا خیال ہے کہ ایسی سخت مجبوری میں بھی دست سوال دراز کرنا محض رخصت ہے اگر وہ سوال کرکے روزی روٹی کا بندوبست نہ کرے اور اس میں اس کی موت آجائے تو وہ گنہگار نہ ہوگا کیونکہ اس نے عزیمت پر عمل کیا اور یہ قریب قریب ایسا ہی ہے جیسا کہ حسن بن زیاد سے منقول ہے کہ اگر کسی مسافر کے ساتھی کے پاس پانی موجود ہے اور اس بیچارہ کو اتنی وسعت نہیں کہ وہ اس سے پانی خرید سکے تو اس کے ذمہ یہ ضروری نہیں کہ وہ اپنے ساتھی سے پانی کا سوال کرے۔ اگر بغیر مانگے یونہی تیمم کرکے نماز پڑھ لے تو نماز ہوجائے گی حالانکہ (ہمارے فقہاء کے) نزدیک ایسا کرنا جائز نہیں۔

ان لوگوں کے قول کی وجہ یہ ہے کہ سوال کرنا ذلت کا باعث ہے اور مومن کو ذلت کے مواقع سے بچنا چاہئے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

لنقل الصخر من قلل الجبال

احب الی من منن الرجال

ترجمہ: "ایک چوٹی سے دوسری چوٹی میرے لئے چٹانوں کا لیجانا آسان ہے اس بات سے کہ میں لوگوں کا بار احسان اٹھائے پھروں"۔

یقول الناس لی فی الکسب عار

فقلت: العار فی ذل السوال

ترجمہ: "لوگ کہتے ہیں کمانا عیب ہے مگر میں تو یہی کہتا ہوں کہ (کمانا عیب نہیں بلکہ) عیب اور عار تو سوال کی ذلت میں ہے"۔

نیز یہ کہ سوال میں ذلت کا لاحق ہونا یقینی اور لازمی ہے جب کہ سوال سے فائدہ کا حصول غیر یقینی ہوتا ہے کیونکہ سوال پر کبھی تو مقصود حاصل ہوتا ہے (کوئی کچھ دیدیتا ہے) کبھی نہیں۔ اس سے واضح ہوا کہ ایسی مجبوری میں بھی سوال کرنا رخصت کے طور پر جائز ہے نہ کہ واجب اور فرض۔ کیونکہ امر موہوم یقینی شی کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

اور ہماری دلیل (اس پر کہ ایسی حالت میں مانگنا فرض ہے) یہ ہے کہ سوال سے اس محتاج کو کم از کم اتنا تو حاصل ہو ہی جائے گا کہ جس سے وہ اپنی جان بچاسکے اور قوت عمل بحال کرسکے۔ تو اس وقت یہ اسی کا مکلف ہے جس طرح کہ بوقت ضرورت کمانے کی قدرت رکھنے والے پر کمانا فرض ہے۔ اور ایسی حالت میں سوال کرنا ذلت نہیں۔ چنانچہ دیکھئے حق تعالیٰ شانہ نے حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے واقعہ میں بیان فرمایا ہے کہ انہوں نے حاجت کے وقت گاؤں والوں سے کھانا مانگا۔ قرآن پاک میں استطعما اهلها (سورہ کہف ۷۷) ہے۔ استطعام کے معنی ہیں "کھانا مانگنا"۔ اور یہ کھانا طلب کرنا بلا معاوضہ کسی اجرت پر نہ تھا جیسا کہ اگلے جملے سے واضح ہے۔ لوشئت لاتخذت علیہ اجرا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اگر کچھ معاوضہ لے کر دیوار سیدھی کرتے تو ہمارا کھانے پینے کا کام چلتا) جس سے معلوم ہوا کہ ان کا کھانا طلب کرنا (کسی اجرت کے طور پر نہ تھا بلکہ) احسان مندی کے طور پر علی اختلاف الاقوال ہدیہ یا صدقہ کا سوال تھا۔ اور یہ مسئلہ علماء کے

درمیان مختلف فیہ ہے کہ آیا صدقہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے علاوہ تمام انبیاء کرام کے لئے حلال تھا یا نہیں جیسا کہ ہم آئندہ بیان کریں گے۔

نیز آقائے دوجہاں سرکار دوعالم ﷺ نے بھی بوقت ضرورت صحابہ سے کچھ طلب فرمایا ہے چنانچہ روایت میں آپ کا یہ ارشاد مروی ہے ھل عندک شیء ناکل (عہ) کہ ایک صحابی سے آپ نے ارشاد فرمایا کیا تمہارے پاس ہماری ضیافت کے لئے کچھ ہے؟۔ اسی طرح سے منقول ہے کہ کسی سفر میں حضور ﷺ نے لوگوں سے فرمایا

....

(عہ) :۔ ھل عندک من طعام ناکلہ روی فی حدیث طویل اولہ دخل رسول اللہ ﷺ علی ام ھانی یوم الفتح۔ (مجمع الزوائد ۱۷۶٫۲)

ھل عندکم ماء بات فی الشن والا کرعنا من الوادی کرعا۔ (عہ)

....

(عہ) :۔ رواہ البخاری۔ المشکوۃ الاشربہ)۔

ترجمہ : "کیا تمہارے پاس مشک میں رات کا بچا کھچا پانی ہے یا ہم وادی سے براہ راست پانی پی لیں"۔

نیز ایک طویل حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک

شخص سے فرمایا "ناولنی (عہ) الذراع" مجھے اگلی دست بڑھاؤ۔ (حضور اقدس ﷺ اگلی دست پسند فرمایا کرتے تھے)

....

(عہ) :۔ رواہ احمد عن ابی رافع والدارمی عن ابی عبید (المشکوۃ الطھارۃ باب ما یوجب الوضوء)۔

لہٰذا اگر بوقت ضرورت کسی سے کچھ مانگ لینا ذلت کا باعث ہوتا تو انبیاء کرامؑ سے ایسے واقعات منقول نہ ہوتے کیونکہ انبیاء کرامؑ تمام انسانوں سے زیادہ محتاط اور ذلت کی باتوں سے دور رہنے والے تھے۔

اور جو شخص محتاج محض ہو کہ کھانے کے لئے چند لقمے بھی اسے میسر نہ ہوں ایسے شخص کا اپنی جان بچانے کے لئے کسی سے کچھ مانگ لینا اس کا واجبی حق ہے جو لوگوں کے مال سے لینا ضروری ہے اور واجبی حق کے مطالبہ میں ذلت کے کیا معنی لہٰذا ایسے شخص پر ضروری ہے کہ لوگوں سے اپنا حق وصول کرے۔

....

(ف)

حق معیشت میں مساوات :۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی تحریر فرماتے ہیں :

"رزق اور معاش کا حقیقی تعلق صرف ذات الٰہی سے وابستہ ہے اور وہی ہر فرد کا کفیل ہے اور اگرچہ

اس کی مصلحت عام اور حکمت تامہ کا تقاضا یہ ہے کہ دنیا کے اس متنوع ماحول میں رزق کے اندر تفاوت درجات پایا جائے لیکن امارت وغربت کے فطری تنوع کے باوجود یہاں ایک فرد بھی محروم المعیشت نہ رہنے پائے کیونکہ اس نے حق معیشت کو سب کے لئے مساوی اور برابر رکھا ہے اور کسی کو بھی اس حق مساوات میں دخل انداز ہونے کا حق عطا نہیں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہر فرد کی معاشی زندگی کا کفیل ہے اور اس کا وعدہ ہے کہ زمین پر چلنے والے ہر ایک جاندار کی معیشت اس کے ذمہ ہے اس کے لئے حسب ذیل نصوص قابل مطالعہ ہیں:

وما من دابة فی الارض الا علی اللہ رزقها۔

(سورہ ہود)

ترجمہ: "اور زمین پر چلنے والے ہر جاندار کے رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ میں لے لی ہے"۔

وفی السماء رزقکم وما توعدون۔

(الذاریات)

ترجمہ: "اور تمہارا رزق اور جس شی کا تم وعدہ کئے گئے ہو آسمان میں (اللہ تعالیٰ کے ذمہ میں) ہے"۔

لا تقتلوا اولادکم من املاق نحن نرزقکم وایاهم

(الانعام)

ترجمہ: "اور افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو نہ مار ڈالو۔ ہم ہی تمہیں بھی روزی دیتے ہیں اور انہیں بھی"۔

ومن یرزقکم من السماء والارض ءاله مع اللہ

(النمل)

ترجمہ: "اور آسمان وزمین سے تم کو روزی کون پہنچاتا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟"۔

ان اللہ هو الرزاق ذو القوة المتین۔

(الذاریات)

ترجمہ: "بے شک اللہ تعالیٰ ہی روزی دینے والا ہے بڑی مضبوط قوت والا"۔

وجعلنا لکم فیها معایش ومن لستم له برازقین۔

(الحجر۔)

ترجمہ: "اور ہم نے تمہارے لئے زمین میں معیشت کے سامان بنادئے اور ان کے لئے بھی جن کو تم روزی نہیں دیتے"۔

هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا۔

(البقرہ)

ترجمہ: "وہ (خدا تعالیٰ) وہ ذات پاک ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے"۔

ان آیات میں بغیر کسی تخصیص کے ہر فرد بشر کو خطاب ہے اور ان کی روح یہ ہے کہ معیشت و اسباب معیشت خدائے تعالیٰ کے خزانہ عامرہ کی ایسی عطاء و بخشش ہے کہ جس سے فائدہ اٹھانے کا ہر جاندار کو برابر کا حق ہے اور ان آیات کی اس روح کی زیادہ وضاحت و صراحت حسب ذیل آیات کرتی ہیں :

وجعل فیها رواسی من فوقها وبٰرک فیها
وقدر فیها اقواتها فی اربعة ایام سواء للسائلین

(حم السجدہ)

ترجمہ : "اور رکھے اس زمین میں بوجھل پہاڑ اور برکت رکھی اس کے اندر اور چار دن میں اندازہ سے رکھیں اس میں ان کی خوراکیں، جو برابر ہیں حاجت مندوں کے لئے۔
(بحوالہ روح المعانی ج ۲۴، ابن کثیر، ابن جریر ج ۲۴)

والله فضل بعضکم علی بعض فی الرزق
فما الذین فضلوا برادی رزقهم علی ما ملکت
ایمانهم فهم فیه سواء افبنعمة الله یجحدون۔

(النحل)

ترجمہ : "اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں برتری دی ہے پھر ایسا نہیں ہوتا کہ جن کو زیادہ روزی دی گئی ہے وہ اپنی روزی کو اپنے زیر دستوں پر لوٹا دیں حالانکہ اس روزی میں سب برابر کے حق دار ہیں

پھر کیا یہ (اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے) صریح منکر نہیں ہو رہے ہیں؟۔"

ان آیات میں حق معیشت کی مساوات کا جس قدر صاف اور صریح اعلان ہے وہ اپنی مثال آپ ہے، اور اس کا انکار بداہت و صراحت کا انکار ہے۔

اے کریمے کہ از خزانہ غیب
گبر و ترسا وظیفہ خور داری
دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

لیکن اب سوال یہ ہے کہ منشاء الٰہی کے اس مقصد عظیم کو پورا کون کرے؟ اور اس عالم اسباب میں اس کی تکمیل کس کے ذمہ واجب ہے؟ تو اسلام کے نظام کا مکمل نقشہ جن نگاہوں کے سامنے ہے وہ باسانی یہ جواب دے سکتے ہیں کہ اس عالم "تشریع" میں یہ فریضہ نائب الٰہی "خلیفہ" پر عائد ہوتا ہے کہ قلمرو اسلامی میں ایک فرد بھی ایسا نہیں ہونا چاہئے جو حق معیشت سے محروم ہو، اور نہ کسی کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ حق معیشت میں دراندازبن سکے، اور جو حکومت اس منشاء الٰہی کو پورا نہ کرتی ہو وہ "فاسد نظام" کی حامل اور نظام عدل سے منحرف ہے۔

حق معیشت سے متعلق حضرت شیخ الہندؒ کی رائے

چنانچہ سورہ بقرہ کی آیت "هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا" کی تفسیر کرتے ہوئے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ صاحب

ارشاد فرماتے ہیں :

"جملہ اشیائے عالم بدلیل فرمان واجب الاذعان "خلق لکم مافی الارض جمیعا" تمام بنی آدم کی مملوک معلوم ہوتی ہے یعنی غرض خداوندی تمام اشیاء کی پیدائش سے رفع حوائج جملہ ناس (انسان) ہے اور کوئی شی فی حد ذاتہ کسی کی مملوک خاص نہیں بلکہ ہر شی اصل خلقت میں جملہ ناس میں مشترک ہے اور "من وجہ" سب کی مملوک ہے ہاں بوجہ رفع نزاع وحصول انتفاع قبضہ کو علت ملک مقرر کیا گیا اور جب تک کسی شی پر ایک شخص کا قبضہ تامہ مستقلہ باقی رہے اس وقت تک کوئی اور اس میں دست درازی نہیں کر سکتا۔ ہاں خود مالک وقابض کو چاہئے کہ یہ اپنی حاجت سے زائد پر قبضہ نہ رکھے بلکہ اس کو اوروں کے حوالہ کردے کیونکہ باعتبار اصل دونوں کے حقوق اس کے ساتھ متعلق ہو رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مال کثیر حاجت سے بالکل زائد جمع رکھنا بہتر نہ ہو گو زکوۃ بھی ادا کردی جائے۔ اور انبیاء وصلحاء اس سے بغایت مجتنب رہے چنانچہ احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بعض صحابہ وتابعین وغیرہ نے تو حاجت سے زائد رکھنے کو حرام ہی فرمادیا۔ بہرکیف غیر مناسب خلاف اولی ہونے میں تو کسی کو کلام ہی نہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ زائد علی الحاجہ

سے تو اس کی کوئی غرض متعلق نہیں اور اوروں کی ملک "من وجہ" اس میں موجود ہے تو گویا شخص مذکور من وجہ مال غیر پر قابض ومتصرف ہے۔" (بحوالہ ایضاح الادلہ)

(اسلام کا اقتصادی نظام صہ ۴۲)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس میں غرباء ومساکین اور مسلمانوں کے اجتماعی مقاصد میں خرچ کرنے سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں :

یسئلونک ما ذا ینفقون قل العفو۔

(البقرہ)

ترجمہ : "لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ آپ فرمادیجئے جو بچ رہے"۔

اس ارشاد نے واضح فرمادیا کہ اللہ تعالی کے نزدیک پسندیدہ بات یہ ہے کہ انسان صرف مقدار واجب خرچ کرنے پر اکتفاء نہ کرے بلکہ جس قدر دولت اس کی ضرورت سے زائد ہو وہ سب معاشرے کے ان افراد تک پہنچانے کو اپنی سعادت سمجھے جو دولت سے محروم ہیں۔ قرآن کریم اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم "انفاق فی سبیل اللہ" کے احکام وفرائض سے بھرے ہوئے ہیں"۔ (جواہر الفقہ جلد ۲ صفحہ ۱۱۱)

نیز ایک جگہ آپ نے اس کی مزید تشریح فرمائی ہے آپ تحریر فرماتے ہیں :

تقسیم دولت کے اسلامی مقاصد :۔ اسلام نے تقسیم دولت کا جو نظام مقرر کیا ہے قرآن کریم پر غور کرنے سے اس کے تین مقاصد معلوم ہوتے ہیں :

(الف) ایک قابل عمل نظم معیشت کا قیام

:۔ تقسیم دولت کا سب سے پہلا مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعہ دنیا میں معیشت کا ایک ایسا نظام نافذ کیا جائے جو فطری اور قابل عمل ہو اور جس میں ہر انسان جبر وتشدد کے بجائے قدرتی طور پر اپنی لیاقت اپنی استعداد اپنے اختیار اور اپنی پسند کے مطابق خدمات انجام دے تا کہ اس کی خدمات زیادہ موثر، مفید اور صحت مند ہوں اور یہ بات "مستاجر" (جسے مروجہ معاشی اصطلاح میں آجر کہا جاتا ہے) اور اجیر (مزدور) کے صحت مند رشتے اور "رسد وطلب" کی فطری قوتوں کے صحیح استعمال کے بغیر ممکن نہیں ہے اس لئے اسلام نے انہیں تسلیم کیا ہے۔ اسی بات کی طرف مندرجہ ذیل آیت میں جامع اشارہ فرمایا گیا ہے :

نحن قسمنا بینهم معیشتهم فی الحیوة

الدنیا ورفعنا بعضهم فوق بعض درجات لیتخذ بعضهم بعضا سخریا۔

(الزخرف۔ نمبر۳۲)

ترجمہ : "ہم نے ان کے درمیان ان کی معیشت کو دنیوی زندگی میں تقسیم کیا ہے اور ان میں سے بعض کو بعض پر درجات کے اعتبار سے فوقیت دی ہے تا کہ ان میں سے ایک دوسرے سے کام لے سکے"۔

(ب) حق کا حق دار کو پہنچانا :۔ اسلام کے نظام تقسیم دولت کا دوسرا مقصد حق کا حق دار کو پہنچانا ہے، لیکن اسلام میں استحقاق کا معیار دوسرے نظامہائے معیشت سے قدرے مختلف ہے۔ مادی معاشیات میں دولت کے استحقاق کا صرف ایک راستہ ہوتا ہے اور وہ ہے عمل پیدائش میں شرکت، جتنے عوامل دولت کی پیداوار میں شریک ہوتے ہیں انہی کو دولت کا مستحق سمجھا جاتا ہے اور بس! اس کے برخلاف اسلام کا بنیادی اصول چونکہ یہ ہے کہ دولت اصلا اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور وہی اس کے استعمال کے قوانین مقرر فرماتا ہے، اس لئے اسلام میں دولت کے حق دار صرف عاملین پیدائش ہی نہیں ہوتے بلکہ ہر وہ شخص بھی دولت کا مستحق ہے جس تک کا پہنچانا اللہ تعالیٰ نے ضروری قرار دیا ہے، لهذا فقراء ومساکین اور

معاشرے کے نادار اور بیکس افراد بھی دولت کے حقدار ہیں۔ اس لئے کہ جن عوامل پیدائش پر اولاً دولت تقسیم ہوتی ہے ان کے ذمہ اللہ تعالیٰ نے لازم کیا ہے کہ وہ ان تک اپنی دولت کا کچھ حصہ پہنچائیں اور قرآنی تصریحات کے مطابق یہ مفلسوں اور ناداروں پر ان کا کوئی احسان نہیں ہے بلکہ وہ فی الواقعہ دولت کے مستحق ہیں۔ ارشاد ہے :

وفی اموالهم حق معلوم للسائل والمحروم۔

(الذاریات۔ نمبر ۲۳)

ترجمہ : "اور ان کے اموال میں سائل اور محروم کا ایک معین حق ہے"۔

اس حق کو بعض مقامات پر اللہ تعالیٰ کا حق قرار دیا گیا ہے۔ کھیتوں کے بارے میں فرمایا جاتا ہے :

وآتوا حقه یوم حصاده۔

(الانعام۔ نمبر ۱۴۱)

ترجمہ : "اور اس (کھیتی) کے کٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو"۔

ان دونوں آیتوں میں "حق" کا لفظ ظاہر کر رہا ہے کہ استحقاق دولت کا ماخذ صرف عمل پیدائش ہی نہیں ہے بلکہ مفلس و نادار افراد بھی دولت کے ٹھیک

اسی طرح مستحق ہیں جس طرح اس کے اولین مالک۔

لہٰذا اسلام دولت کو اس طرح تقسیم کرنا چاہتا ہے کہ اس سے تمام عوامل پیدائش کو ان کے عمل کا حصہ بھی پہنچ جائے اور اس کے بعد ان لوگوں کو بھی ان کا حصہ مل جائے جنہیں اللہ تعالیٰ نے مستحق دولت قرار دیا ہے۔

(ج) ارتکاز دولت کی بیخ کنی :۔ تقسیم دولت کا تیسرا مقصد جس کو اسلام نے بہت اہمیت دی ہے یہ ہے کہ دولت کا ذخیرہ چند ہاتھوں میں سمٹنے کے بجائے معاشرے میں زیادہ سے زیادہ وسیع پیمانے پر گردش کرے اور اس طرح امیر و غریب کا تفاوت جس حد تک فطری اور قابل عمل ہو کم کیا جائے۔ اس سلسلہ میں اسلام کا طرز عمل یہ ہے کہ دولت کے جو اولین ماخذ اور دہانے ہیں ان پر اس نے کسی فرد یا جماعت کا پہرہ نہیں بیٹھنے دیا بلکہ معاشرہ کے ہر فرد کو ان سے استفادے کا مساوی حق دیا ہے۔ کانیں، جنگل، غیر مملوک بنجر زمینیں، جنگل اور پانی کے شکار، خودرو گھاس، دریا و سمندر، مال غنیمت وغیرہ یہ تمام پیدائش دولت کے اولین ماخذ ہیں اور ان میں ہر فرد کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ان سے اپنے کسب و عمل کے مطابق فائدہ اٹھائے اور اس پر کسی کی اجارہ داری

قائم نہ ہو۔

کیلا یکون دولة بین الاغنیاء منکم۔

(الحشر)

ترجمہ : "تاکہ یہ (دولت) تم میں سے (صرف) مالداروں کے درمیان دائر ہو کر نہ رہ جائے"۔

اور اس کے بعد جہاں انسانی عمل کی ضرورت پیش آتی ہے اور کوئی شخص اپنے کسب و عمل سے کوئی دولت حاصل کرتا ہے تو وہاں اس کے کسب و عمل کا احترام کر کے اس کی ملکیت کو تسلیم کیا گیا ہے اور اس میں ہر ایک کو اس کے کسب و عمل کے مطابق حصہ دیا گیا ہے۔ اور اس معاملہ میں ارشاد ہے :

نحن قسمنا بینهم معیشتهم فی الحیوة الدنیا ورفعنا بعضهم فوق بعض درجات لیتخذ بعضهم بعضا سخریا۔

(الزخرف۔ نمبر ۳۲)

ترجمہ : "ہم نے ان کے درمیان ان کی معیشت کو تقسیم کیا ہے اور ان میں سے بعض کو بعض پر درجات کی فوقیت دی ہے تاکہ ایک دوسرے سے کام لے سکے"۔

لیکن درجات کے اس فرق کے باوجود کچھ ایسے احکام دیدئے گئے ہیں کہ یہ فرق اسی قدر رہے جتنا ایک قابل عمل نظم معیشت کے قیام کے لئے ضروری

ہے ایسا نہ ہو کہ دولت کا ذخیرہ صرف چند ہاتھوں میں سمٹا رہے"۔

تقسیم دولت کے ان تین مقاصد میں سے پہلا مقصد اسلامی معیشت کو اشتراکیت سے ممتاز کرتا ہے' تیسرا مقصد سرمایہ دارانہ نظام سے' اور دوسرا دونوں سے۔"

(اسلام کا نظام تقسیم دولت۔ جواہر الفقہ ۲ر ۷۴)

....

(ت) :۔

ہاں اگر وہ کمانے پر قدرت رکھتا ہے تو پھر اس کے لئے لوگوں کے مال میں کوئی حق نہیں اور اس کے لئے اس کی کمائی ہی سب کچھ ہے۔ اس پر ضروری ہے کہ وہ خود کمائے اور لوگوں سے سوال نہ کرے بلکہ اپنے پروردگار سے سوال کرے (اور اپنی ناداری اور پریشانی سے خلاصی کے لئے حق تعالیٰ شانہ کی طرف رجوع کرے) جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام (جب مصر سے ہجرت کر کے مدین پہنچے جو آٹھ دس دن کی راہ ہے' وہاں پہنچے بھوکے پیاسے' دیکھا کنوئیں پر لوگ اپنے مواشی کو پانی پلا رہے ہیں اور دو عورتیں بکریاں لے کر حیاء سے کنارے پر کھڑی ہیں ان سے سبب پوچھا تو دونوں نے بتلایا کہ جب لوگ ہٹتے ہیں تو وہ اپنی بکریوں کو پانی پلاتی ہیں کہ ان کے والد پیرانہ سالی کی وجہ سے معذور ہیں ورنہ وہ خود ان مردوں سے نبٹ لیتے" پیغمبروں کے فطری جذبات وملکات ایسے ہوتے ہیں تھکے ماندے' بھوکے پیاسے تھے مگر غیرت آئی کہ میری

موجودگی میں یہ صنف ضعیف ہمدردی سے محروم رہے اٹھے اور مجمع کو ہٹا کر یا ان کے بعد کنویں سے تازہ پانی نکال کر لڑکیوں کے جانور کو سیراب کیا پھر ہٹ کر چھاؤں میں آبیٹھے اور آپ نے دعا فرمائی :

رب انی لما انزلت الی من خیر فقیر۔

(القصص)

ترجمہ : "اے میرے پروردگار (کسی عمل کی اجرت مخلوق سے نہیں چاہتا (البتہ) جو نعمت بھی (قلیل یا کثیر) آپ مجھ کو بھیج دیں میں اس کا (سخت) حاجت مند ہوں"۔

اور ہمیں دعا کرنے کا حکم بھی ہے چنانچہ حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا ہے :

واسئلوا اللہ من فضلہ۔

(النساء۔ نمبر ۳۲)

ترجمہ : "(یعنی) اور اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل (خاص) کی درخواست (یعنی دعاء) کیا کرو"۔

نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا (کا اہتمام کرنے) سے متعلق ارشاد فرمایا ہے :

سلوا اللہ حوائجکم حتی الملح لقدورکم والشسع لنعالکم۔(۱)

ترجمہ : "تم اپنی ضروریات حق تعالیٰ شانہ سے مانگا کرو حتی کہ اپنی ہانڈی کے لئے نمک اور جوتے کیلئے تسمہ بھی"۔

صدقات لینے اور دینے والے کے مراتب

امام صاحب نے فرمایا :

"اور (صدقات) دینے والا لینے والے سے افضل ہے اگرچہ لینے والا (ایسی حالت میں لے رہا ہو کہ لینا اس کے لئے فرض ہو اور اس طرح وہ ایک) فرض ادا کر رہا ہو"۔

اس کی تین صورتیں ہیں :

ایک تو یہ کہ دینے والا واجب (یعنی زکوۃ وغیرہ) ادا کر رہا ہو اور لینے والا کمانے پر قادر تو ہے مگر تنگدست اور محتاج ہے۔ اس صورت میں بالاتفاق دینے والا لینے والے سے افضل ہے کیونکہ دینے والا فرض ادا کرنے والا ہے اور لینے والا لیکر ایک نیک کام انجام دے رہا ہے کیونکہ اسے چاہئے کہ وہ صدقات قبول نہ کرے بلکہ خود کما کر اپنی روزی روٹی کا بندوبست کرے۔ اور فرض کا درجہ یہاں بھی دیگر عبادات کی طرح نفل سے زیادہ بڑھا ہوا ہے۔ چنانچہ فرض نمازوں کے ادا کرنے کا ثواب نوافل سے زیادہ ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ فرض کا انجام دینے والا اپنے لئے عمل کرنے والا ہے اور (صدقہ لیکر) نیکی کرنے والا دوسرے کے حق میں خیر خواہی کرنے والا ہے اور انسان کا اپنے آپ کو فائدہ پہنچانے کے لئے عمل کرنا زیادہ فضیلت والا ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ابدا بنفسک (۱) یعنی "اپنے آپ سے پہل کر"۔ مطلب یہ ہے کہ (صدقہ واجبہ کا) دینے والا تو دینے کے ساتھ ساتھ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاتا ہے اس طرح وہ اپنے لئے خیر خواہی کرنے والا ہوا جبکہ لینے والے کو محض صدقہ لے لینے سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا جب تک وہ اسے

اپنے کسی مصرف میں کام نہ لائے اور اسے یہ معلوم نہیں کہ وہ لینے کے بعد اس کو کام میں لانے تک زندہ بھی رہے گا یا نہیں (یعنی فائدہ اٹھانا موہوم ہے یقینی نہیں ہے)۔ اسی بنا پر فقیر کے صدقہ لے لینے پر مالدار کا کوئی احسان نہیں کیونکہ فقیر کے قبول کرنے سے مالدار کو جو نفع ہوتا ہے (یعنی ادائے فرض سے سبکدوش ہو جانا) فقیر کو اتنا بڑا نفع ہاتھ نہیں آتا۔ وہ اس طور پر کہ فقیر مالدار کی خیر خواہی کے لئے یہ بار اٹھاتا ہے حالانکہ فی الوقت اس کے لئے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ وہ اپنی محتاجگی رفع کرنے کے لئے اس شخص سے زکوٰہ لے (بلکہ یہ تو اپنی ضرورت کسی اور طریقہ اور کسی دوسری جگہ سے بھی پوری کر سکتا ہے) ہاں مگر مالدار کو اپنا مقصود حاصل کرنے اور اپنا فرض ادا کرنے کے لئے لامحالہ ان فقیروں ہی کے پاس جانا پڑے گا تاکہ جلد سے جلد وہ اپنی زکوٰہ اسے حوالہ کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو سکے۔

اور اگر (بفرض محال) تمام فقراء و مساکین زکوٰہ نہ لینے پر متفق ہو جائیں تو اس میں انہیں کوئی گناہ نہ ہوگا بلکہ ان کا یہ عمل اچھا اور قابل تحسین ہوگا اس کے برخلاف اگر مالدار لوگ زکوٰہ نہ دینے پر اتفاق کرلیں تو وہ قابل نفریں اور گنہگار ہوں گے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اس امر میں صاحب ثروت لوگ فقراء و مساکین کے محتاج اور مرہون منت ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ معطی اور آخذ دونوں ہی متبرع ہیں یعنی دینے والا نفلی صدقہ دے اور لینے والا کمانے پر قدرت کے باوجود قبول کرے۔ اس صورت میں بھی معطی ہی افضل ہے کیونکہ معطی کا دینے سے غنی سے فقر کی طرف بڑھنا لازم آیا اور آخذ کا اس کو قبول کرنے سے فقر

سے غنی کی طرف بڑھنا لازم آیا اور ہم بیان کر چکے کہ فقیر کا درجہ غنی سے بلند و بالا ہے لہٰذا جس عمل سے اس درجہ کا حصول ہو وہی افضل و برتر ہے۔

نیز اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عبادات سے اصل میں انسان کی آزمائش مقصود ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لیبلوکم ایکم احسن عملا۔(ھود) (تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے)

....

(ف) :۔

یعنی اس سارے نظام کی تخلیق و ترتیب سے مقصود تمہارا یہاں بسانا اور امتحان کرنا ہے کہ کہاں تک اس عجیب و غریب نظام اور سلسلہ مصنوعات میں غور کر کے خالق و مالک کی صحیح معرفت حاصل کرتے، اور مخلوقات ارضی و سماوی سے متمتع ہو کر محسن شناسی اور سپاس گزاری کا فطری فرض بجا لاتے ہو۔ یہ مقام تمہاری سخت آزمائش کا ہے۔ مالک حقیقی دیکھتا ہے کہ تم میں سے کون سا غلام صدق و اخلاص اور سلیقہ مندی سے اچھا کام کرتا اور فرائض بندگی بجا لاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی سورہ ہود)

....

(ت) :۔

اور ظاہر سی بات ہے کہ لینے کے بجائے دینے میں ابتلاء کا معنی زیادہ پایا جاتا ہے کیونکہ آزمائش کا موقع وہی ہے جہاں نفس مائل نہ

ہو۔ اور نفس کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ آئے سب کچھ جائے کچھ نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اسی بنا پر یہ ارشاد فرمایا کہ: "مسلمان کو ایک درہم صدقہ کرنے کے لئے ستر شیاطین کے زور کو توڑنا پڑتا ہے"۔ اور چونکہ دینے میں نفس پر بڑا زور پڑتا ہے جو اس کے لئے آزمائش ہے لہذا یہ افضل ہوا چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ سے جب افضل عمل کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا "احمزھا" (عہ) یعنی جو زیادہ بامشقت ہو۔

....

(عہ) :۔ قال الملا علی القاری فی الموضوعات افضل العبادات احمزھا ای اتعبھا واصعبھا قال الزرکشی لایعرف وسکت علیہ السیوطی وقال ابن القیم فی شرح المنازل لا اصل لہ قلت ومعناہ صحیح لما فی الصحیحین عن عائشۃ الاجر علی قدر التعبد (الاسرار المرفوعہ ص۶)

نیز افضل صدقہ کے متعلق حضور نے ارشاد فرمایا: "جھد المقل" (عہ) یعنی نادار کی کوشش۔ (یعنی جو شخص خود ضرورت مند ہو فقیر ہو نادار ہو وہ اپنی کوشش سے اپنے آپ کو مشقت میں ڈال کر جو صدقہ کرے وہ) افضل ہے۔

....

(عہ) :۔ رواہ ابو داود (مشکوۃ، باب افضل الصدقۃ فصل ۲۔

نیز وجہ ترجیح ایک یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ لینے والے کو

خواہشات نفس کی تکمیل کے مواقع فراہم ہوتے ہیں جب کہ معطی اپنے فاضل مال سے دستبردار ہو کر اپنے نفس پر خواہشات کے دروازہ کو مسدود کر رہا ہوتا ہے اور مرتبہ کمال یہی ہے کہ انسان اپنے نفس کو اس کی تمام خواہشات پوری کرنے سے روکے۔

....

(ف) نادار کی کوشش :۔

نادار کی کوشش یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس صرف دو درہم ہیں (یعنی سات آنے کہ ایک درہم تقریبا ساڑھے تین آنے کا ہوتا ہے) ان میں سے ایک صدقہ کر دے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے جس کو امام بخاریؒ نے روایت کیا:

"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ جب ہم لوگوں کو صدقہ کا حکم فرمایا کرتے تھے تو ہم میں سے بعض آدمی بازار جاتے اور اپنے اوپر بوجھ لاد کر مزدوری میں ایک مد (جو حنفیہ کے نزدیک ایک سیر وزن ہے اور دوسرے حضرات کے نزدیک تین پاؤ سے بھی کچھ کم ہے) کماتے اور اس کو صدقہ کر دیتے۔"

بعض روایات میں ہے کہ

"ہم میں سے بعض آدمی جن کے پاس ایک درہم بھی نہ ہوتا تھا بازار جاتے اور لوگوں سے اس کی خواہش کرتے کہ کوئی مزدوری پر کام کرالے اور اپنی کمر پر بوجھ لاد کر ایک مد مزدوری حاصل کرتے۔"

راوی یہ کہتے ہیں کہ ہمیں جہاں تک خیال ہے خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ اپنا ہی حال بتایا ہے۔ حضرت امام بخاریؒ نے اس پر یہ باب ذکر کیا ہے "بیان اس شخص کا جو اس لئے مزدوری کرے کہ اپنی کمر پر بوجھ لاد کر اور پھر اس مزدوری کو صدقہ کرے"۔

آج ہم میں سے بھی کوئی اس امنگ کا آدمی ہے کہ اسٹیشن پر جا کر صرف اس لئے بوجھ اٹھائے کہ دو چار آنے جو مل جائیں گے وہ ان کو صدقہ کردے گا؟ ان حضرات کو آخرت کے کھانے کا ہر وقت اتنا ہی فکر رہتا تھا جتنا ہمیں دنیا کے کھانے کا، ہم اس لئے مزدوری کرسکتے ہیں کہ آج کھانے کو کچھ نہیں، لیکن یہ اس لئے مزدوری کرتے تھے کہ آج آخرت میں جمع کرنے کو کچھ نہیں۔ (فضائل صدقات ص ۱۱۸)

بہت سے واقعات اسلاف واکابر کے ایسے گزرے ہیں کہ ناداری کی حالت میں بھی جو کچھ تھا سب دیدیا لیکن ان سب راویات اور واقعات کے خلاف احادیث میں ایک مضمون اور بھی آیا ہے اور وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک اور مشہور ارشاد "خیر الصدقة ماکان عن ظھر غنی"۔ ہے یعنی (بہترین صدقہ وہ ہی ہے جو غنی سے ہو"۔ یہ مضمون بھی متعدد روایات میں وارد ہوا ہے۔

ابو داؤد شریف میں ایک قصہ وارد ہوا ہے حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے ایک شخص حاضر ہوئے اور ایک بیضہ کی بقدر سونا پیش کرکے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ مجھے ایک معدن سے مل گیا ہے اس کے علاوہ میرے پاس کچھ نہیں۔ حضور نے اس جانب سے اعراض فرمالیا۔ وہ صاحب دوسری

جانب سے حاضر ہوئے اور یہی درخواست مکرر پیش کی۔ حضورؐ نے اس طرف سے بھی منہ پھیرلیا اسی طرح متعدد مرتبہ ہوا۔ حضورؐ نے اس ڈلی کو لے کر ایسے زور سے پھینکا کہ اگر وہ ان کے لگ جاتی تو زخمی کردیتی اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا "بعض لوگ اپنا سارا مال صدقہ میں پیش کردیتے ہیں پھر وہ لوگوں کے سامنے سوال کا ہاتھ پھیلاتے ہیں بہترین صدقہ وہ ہے جو غنی سے ہو"۔

یہ روایات بظاہر پہلی راویات (جہد المقل) کے خلاف ہیں گو حقیقت میں کچھ خلاف نہیں اس لئے کہ ان روایات میں ممانعت کی وجہ کی طرف حضورؐ نے خود ہی اشارہ فرمادیا کہ سارا مال صدقہ کرکے پھر لوگوں کے ہاتھوں کو تکتے ہیں ایسے آدمیوں کے لئے یقیناً تمام مال صدقہ کرنا مناسب نہیں بلکہ نہایت بیجا ہے لیکن جو حضرات ایسے ہیں کہ ان کو اپنے پاس جو مال موجود ہو اس سے زیادہ اعتماد اس مال پر ہو جو اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے جیسا کہ حضرت علیؓ کے قصہ میں ابھی گزرا۔ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے احوال تو اس سے بھی بالا تر ہیں ایسے حضرات کو سارا مال صدقہ کردینے میں مضائقہ نہیں۔ البتہ اس کی کوشش ضرور کرتے رہنا چاہئے کہ اپنا حال بھی ان حضرات جیسا بن جائے، اور دنیا سے ایسی بے رغبتی اور حق تعالیٰ پر ایسا ہی اعتماد پیدا ہو جائے جیسا ان حضرات کو تھا اور جب آدمی کسی کام کی کوشش کرتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ وہ چیز عطا فرمادیتے ہیں۔ من جد وجد۔ ضرب المثل ہے کہ "جو کوشش کرتا ہے وہ پالیتا ہے"۔

(فضائل صدقات ص ۱۲)

(ت) :-

تیسری صورت یہ ہے کہ دینے والا متبرع ہے (یعنی نفلی کام کرنے والا ہے) اور لینے والا مفترض (فرض ادا کرنے والا) ہے بایں طور کہ لینے والا اس قدر محتاج ہے کہ اس کی جان بچانے کے لئے کچھ نہیں۔ تو اس صورت میں بھی فقہاء کے نزدیک معطی ہی افضل ہے۔ بعض علمائے حدیث مثلاً امام احمد بن حنبلؒ و اسحٰق بن راہویہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں معطی کے بجائے آخذ افضل ہے کیونکہ یہاں آخذ ایک فرض کام کررہا ہے اور معطی نفلی لہٰذا قاعدہ کے مطابق فرض ادا کرنے والا نفل ادا کرنے والے سے افضل ہوا۔ کیونکہ اس صورت میں لینے والا اگر نہ لے تو گناہ گار ہوگا اور دینے والا نہ دے تو گنہگار نہیں کیونکہ دوسرے لوگ جن پر زکوہ فرض ہے وہ اپنی اپنی زکوہ سے اس کی حاجت روائی کا فریضہ انجام دے سکتے ہیں (لہٰذا یہ متبرع ایک نفل و مستحب کام کرنے والا ہوا)

اور ثواب کا مقابل عقاب وعذاب ہے چنانچہ دیکھئے حق تعالیٰ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو عمل غیر صالح پر جس طرح عام مومنین کے مقابلہ میں دوہرے عذاب سے ڈرایا ہے اور فرمایا ہے :

یا نساء النبی من یات منکن بفاحشة مبینة
یضاعف لها العذاب ضعفین۔

(الاحزاب۔ نمبر ۳۰)

ترجمہ : "اے نبی کی بیبیو! جو تم میں کھلی ہوئی بیہودگی کریگی

اس کو دوہری سزا دی جائیگی۔"

اسی طرح انہیں نیک اعمال پر عام مومنین کے مقابلہ میں دوہرے اجر وثواب کا مژدہ سنایا ہے چنانچہ ارشاد ہے :

ومن یقنت منکن لله ورسوله وتعمل صالحا
نؤتها اجرها مرتین۔

(الاحزاب۔ نمبر ۳۱)

ترجمہ : "اور جو کوئی تم میں اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کریگی اور نیک کام کریگی تو ہم اس کو اس کا ثواب بھی دوہرا دینگے"۔

لہٰذا جب مذکور بالا صورت میں معطی کو (صدقہ نہ دینے پر) گناہ ہونے کے بجائے آخذ کو (صدقہ نہ لینے پر) ہوگا' تو (صدقہ لینے کی صورت میں) ثواب کا مستحق بھی آخذ ہی ہوگا۔

مگر ان حضرات کی یہ دلیل مسئلہ "رد سلام" کی رو سے بے حقیقت ہوجاتی ہے کیونکہ سلام کرنے میں پہل کرنا تو سنت ہے مگر سلام کا جواب دینا فرض ہے مگر اس کے باوجود افضل یہی ہے کہ آدمی سلام کرنے میں پہل کرے اور سلام کا جواب دینا اس درجہ کا نہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ارشاد نبوی وارد ہوا ہے :

بالسلام للبادی عشرون حسنة وللراد عشر
حسنات۔ (عه)

ترجمہ : "سلام میں پہل کرنے والے کے لئے بیس نیکیاں ہیں اور جواب دینے والے کے لئے دس"۔

اور بسا اوقات یہ حضرات ایک دلیل یہ بھی دیتے ہیں کہ اس صورت میں آخذ احیائے نفس کا فریضہ انجام دے رہا ہے اور معطی فقط تحصین نفس (حفاظت واستواری) یا زیادہ سے زیادہ اس طرح وہ اپنے مال کی نشو ونما کا بندوبست کرتا ہے۔ (کیونکہ روایت سے ثابت ہے کہ صدقہ خیرات سے مال میں برکت ہوتی ہے۔-۱۲)

اور احیائے نفس (مرتے ہوئے کی جان بچانا) انمائے مال (نشو ونما) سے بدرجہا بہتر ہے!

اور ہماری دلیل اس بارے میں یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے :

الیدالعلیا خیر من الید السفلیٰ۔ (عه)

ترجمہ : "یعنی اونچا ہاتھ بہتر ہے اس سے جو نیچے ہو"

....

(عه) الحدیث متفق علیه (مشکوة رباب من لا تحل له المسالة ومن تحل له

....

(ف)

اسلامی معاشرہ میں سلام کی اہمیت :۔ دنیا کی ہر مہذب قوم میں اس کا رواج ہے کہ جب آپس میں ملاقات کریں تو کوئی کلمہ آپس کی موانست اور اظہار محبت کے لئے کہیں۔ لیکن موازنہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلامی سلام جتنا جامع ہے کوئی دوسرا ایسا جامع نہیں

کیونکہ اس میں صرف اظہار محبت ہی نہیں بلکہ ساتھ ساتھ ادائے حق محبت بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ آپ کو تمام آفات اور آلام سے سلامت رکھیں۔ پھر دعاء بھی عرب کے طرز پر صرف زندہ رہنے کی نہیں بلکہ حیات طیبہ کی دعاء ہے یعنی تمام آفات و آلام سے محفوظ رہنے کی دعاء۔ اسی کے ساتھ اس کا بھی اظہار ہے کہ ہم اور تم سب اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ ایک دوسرے کو کوئی نفع بغیر اس کے اذن کے نہیں پہنچا سکتا۔ اس معنی کے اعتبار سے یہ کلمہ ایک عبادت بھی ہے اور اپنے بھائی مسلمان کو خدا تعالیٰ کی یاد دلانے کا ذریعہ بھی' اسی کے ساتھ اگر دیکھا جائے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگ رہا ہے کہ ہمارے ساتھی کو تمام آفات اور تکالیف سے محفوظ فرمادے تو اس کے ضمن میں وہ گویا یہ وعدہ بھی کر رہا ہے کہ تم میرے ہاتھ اور زبان سے مامون ہو' تمہاری جان ومال اور آبرو کا میں محافظ ہوں۔

ابن عربیؒ نے احکام القرآن میں امام ابن عیینہؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "کیا تم جانتے ہو سلام کیا چیز ہے؟ سلام کرنے والا کہتا ہے کہ تم مجھ سے مامون رہو"۔ کاش مسلمان اس کلمہ کو عام لوگوں کی رسم کی طرح ادا نہ کرے بلکہ اس کی حقیقت کو سمجھ کر اختیار کرے تو شائد پوری قوم کی اصلاح کے لئے یہی کافی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کے باہم سلام کو رواج دینے کی بڑی تاکید فرمائی اور اس کو افضل الاعمال قرار دیا اور اس کے فضائل وبرکات اور اجر وثواب بیان فرمائے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تم جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتے

جب تک مومن نہ ہو اور تمہارا ایمان مکمل نہیں ہو سکتا جب تک آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو، میں تم کو ایسی چیز بتاتا ہوں کہ اگر تم اس پر عمل کرلو گے تو تمہارے آپس میں محبت قائم ہو جائے گی، وہ یہ کہ آپس میں سلام کو عام کرو، یعنی ہر مسلمان کے لئے خواہ اس سے جان پہچان ہو یا نہ ہو"۔

سلام سے متعلق چند مسائل :۔

۱) سلام کا جواب دینا واجب ہے بغیر کسی شرعی عذر کے جواب نہ دیا تو گنہگار ہوگا۔

۲) جن الفاظ سے سلام کیا گیا ان سے بہتر الفاظ میں جواب دینا چاہئے ورنہ کم از کم انہی الفاظ میں جواب دیدے۔

۳) سوار کو چاہئے کہ پیادہ کو سلام کرے۔

۴) جو چل رہا ہو وہ بیٹھے ہوئے کو سلام کرے۔

۵) جو لوگ تعداد میں قلیل ہوں وہ بڑی جماعت پر گزریں تو ان کو چاہئے کہ سلام کی ابتداء کریں۔ ترمذی کی ایک حدیث میں ہے کہ آدمی جب اپنے گھر میں جائے تو گھر والوں کو سلام کرنا چاہئے۔ اس سے اس کے لئے بھی برکت ہوگی اور اس کے گھر والوں کے لئے بھی۔ ابو داؤد کی ایک حدیث میں ہے کہ ایک مسلمان سے بار بار ملاقات ہو تو ہر بار سلام کرنا چاہئے۔ جس طرح اول ملاقات کے وقت سلام مسنون ہے اسی طرح رخصت کے وقت بھی سلام کرنا مسنون اور ثواب ہے۔

اور یہ جو حکم بیان کیا گیا کہ سلام کا جواب دینا واجب ہے اس سے چند حالات مستثنٰی ہیں :

۱) جو شخص نماز پڑھ رہا ہو۔ (۲) جو شخص خطبہ دے رہا ہو۔ (۳) جو شخص تلاوت قرآن میں مشغول ہو۔ (۴) اذان یا اقامت کہہ رہا ہو۔ (۵) دینی کتابوں کا درس دے رہا ہو۔ (۶) انسانی ضروریات استنجاء وغیرہ میں مشغول ہو۔ ان اشخاص پر سلام کا جواب دینا واجب نہیں اور آخر الذکر کو سلام کرنا بھی ناجائز ہے۔

(ماخوذ از معارف القرآن)

....

(ت)

اور آپ ؐ کا یہ فرمان مطلقاً ارشاد ہوا ہے اس میں کوئی تفصیل نہیں کہ اس فضیلت کا حصول نفلی طور پر کرنے یا فرض قائم کرنے سے متعلق ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ یہاں "الیدالعلیا" یعنی اونچے ہاتھ سے فقیر یعنی لینے والے کا ہاتھ مراد ہے کیونکہ وہ شریعت کی طرف سے نائب کے طور پر صدقہ وصول کرتا ہے (تو یہ قول درست نہیں) (ا) کیونکہ (اگر اسی طرح قیاس کیا جائے تو اس کا جواب یوں دیا جائے گا کہ) معطی یعنی صدقہ دینے والا اپنا مال خالص اللہ تعالٰی کیلئے کردیتا یعنی اپنی ملکیت سے خارج کردیتا ہے پھر وہ خود شریعت کے نائب کے طور پر فقیر کے حوالہ کردیتا ہے تاکہ فقیر کو وہ مال اللہ تعالٰی کی طرف سے ملے۔ جب ہی تو فقیر کو یہ موقع ملتا ہے کہ وہ شریعت کی طرف سے نائب کے طور پر اسے وصول کرے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے :

ان اللہ ھو یقبل التوبۃ عن عبادہ ویاخذ الصدقات۔

(سورہ توبہ۔ نمبر ۱۰۴)

ترجمہ: "کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہی صدقات قبول فرماتا ہے"۔

اور حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

ان الصدقة تقع فی ید الرحمٰن فیربیها کما یربی احدکم فلوه حتی تصیر مثل احد۔

ترجمہ: "بے شک صدقہ اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں پہنچتا ہے پھر حق تعالیٰ شانہ اس کی اسی طرح پرورش فرماتے ہیں جس طرح تم لوگ اپنے بچھیرے کی پرورش کرتے ہو حتی کہ وہ صدقہ بڑھتے بڑھتے احد (پہاڑ) کے برابر ہو جاتا ہے"۔

اس سے واضح ہوگیا کہ "اونچے ہاتھ" سے مراد معطی یعنی صدقہ دینے والے کا ہاتھ مراد ہے۔

نیز معطی کی فضیلت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ صدقہ کے ذریعہ گناہوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے جب کہ لینے والا اس (غسالہ) میں ملوث ہوتا ہے چنانچہ حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا ہے:

خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزکیهم بها۔

(التوبہ۔ نمبر ۱۰۳)

ترجمہ: "آپ ان کے مالوں سے صدقہ لے لیجئے جس کے ذریعہ سے آپ ان کو (گناہ کے آثار سے) پاک صاف کردیں"۔

اس سے معلوم ہوا کہ صدقہ دینا تطہیر و تزکیہ باطن کا باعث ہے اور اس کا لینا (ایک طرح کی روحانی) آلودگی ہے چنانچہ حضور ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ "صدقہ لوگوں کا میل کچیل ہے" نیز آپؐ نے اسے "غسالہ" (دھونے سے جو پانی گرے یعنی دھوون) ارشاد فرمایا ہے چنانچہ آپؐ کا ارشاد ہے: "اے ہاشم کی اولادو! حق تعالیٰ نے تمہارے واسطے لوگوں کے ہاتھ کے "غسالہ" کو ناپسند فرمایا ہے"۔ یعنی صدقہ لینا ناجائز فرمادیا ہے۔

نیز اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ صدقات لوگوں کو اپنی طرف سے مرحمت فرماتے تھے جب کہ آپ کا اپنی ذات والا صفات کے لئے صدقہ لینا حرام تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

لا تحل الصدقة لمحمد ولا لآل محمد۔

ترجمہ: "صدقہ نہ نبی کریم ﷺ کے لئے حلال ہے نہ ان (ﷺ) کی آل کے لئے"۔

علمائے کرام کی نظر میں انبیائے سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کیلئے صدقات کا حکم....

انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متعلق اس بارے میں اقوال مختلف ہیں کہ آیا ان کے لئے صدقات حلال تھے یا نہیں؟ بعض حضرات تو فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے بھی ان کی ذات کی حد تک صدقات لینا حلال نہ تھا ہاں ان کے اہل خاندان کیلئے جائز تھا۔ اور یہ خصوصی اعزاز نبی کریم ﷺ کو حق

تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا کہ آپ کے اہل خاندان پر صدقات کو حرام قرار دیدیا گیا تاکہ آپ کی شان عالی کی مزید برتری ثابت ہو اور یہ معلوم ہو کہ اس حکم میں آپ کے اہل خاندان مثل انبیائے سابقین ہیں۔

اور بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ صدقات انبیائے سابقین کیلئے حلال تھے اور آپ ﷺ پر اس کی حرمت آپ کی خصوصیات میں سے ہے۔ کیونکہ جو شی پہلے سے ہی حرام تھی اسے حضور ﷺ کے لئے حرام کرنے میں نہ آپ کی کوئی خصوصیت لازم آئے گی نہ کوئی فضیلت ظاہر ہوگی۔

بہر کیف اگر کسی صورت میں بھی صدقہ لینا دینے سے افضل ہوتا تو اس کا حضور ﷺ اور آپکے اہل خاندان کیلئے حرام ہونا اور اسے خصوصیت اور فضیلت کا باعث قرار دینا بے معنی ہو جاتا ہے۔

نیز ایک وجہ یہ بھی ہے کہ شریعت نے ہر ایک کو صدقہ دینے کی ترغیب دی ہے اور سوال سے حتی الامکان احتراز کو لازم قرار دیدیا ہے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپؐ نے حضرت ثوبانؓ سے ارشاد فرمایا :

لا تسال الناس اعطوک او منعوک۔ (عہ)

ترجمہ : "یعنی لوگوں سے سوال مت کیا کرو کہ وہ تمہیں دیں یا نہ دیں"۔

نیز حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ (عہ) سے ارشاد فرمایا "خبردار خبردار کسی سے کسی شے کا سوال نہ کرنا وہ تمہیں دے یا نہ دے"۔

....

(عہ) :۔ عن ثوبان رضی اللہ عنہ مولی رسول اللہ ﷺ انہ سمع رسول اللہ یقول من یکفل لی ان لا یسال الناس فاتکفل لہ بالجنۃ فقال ثوبان انا فکان لا یسال احدا شیئا۔ رواہ ابو داود (مشکوۃ باب من لا تحل لہ المسالۃ)

....

(عہ) :۔ عن حکیم بن حزامؓ قال سالت رسول اللہ ﷺ فاعطانی ثم سالتہ فاعطانی ثم قال لی یا حکیم ان ھذا المال خضر حلو فمن اخذہ بسخاوۃ نفس بورک لہ فیہ ومن اخذہ باشراف نفس لم یبارک لہ فیہ وکان کالذی یاکل ولا یشبع والید العلیا خیر من الید السفلی قال حکیم فقلت یا رسول اللہ ﷺ والذی بعثک بالحق لا ارزأ احدا بعدک شیئا حتی افارق الدنیا۔ متفق علیہ (مشکوۃ باب من لا تحل لہ المسالۃ)

....

(ت) :

روایات میں آتا ہے کہ حضور ﷺ کے اس ارشاد کے بعد حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی حالت یہ ہو گئی کہ کبھی کسی سے کچھ نہ مانگتے تھے اور نہ کسی سے کچھ قبول کرتے تھے حتی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب انہیں ان کا حصہ (مال غنیمت وغیرہ) پیش کیا تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار فرمادیا کہ حضور ﷺ کے ارشاد کے بعد اب میں کسی سے کچھ نہ لوں گا حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو گواہ بناتے

اور فرماتے "لوگو میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کا حصہ انہیں پیش کیا مگر انہوں نے لینے سے انکار کر دیا۔"

اس سے بھی ثابت ہوا کہ صدقہ دینا لینے سے افضل ہے!

....

(ف) :۔ بظاہر یہ روایت دو روایتوں کا مجموعہ ہے چنانچہ ایک روایت ہے :

عن ابی سعید الخدری ﷺ قال ان اناسا من الانصار سالوا رسول اللہ ﷺ فاعطاهم ثم سالوه فاعطاهم حتی نفد ما عنده فقال "ما یکون عندی من خیر فلن ادخره منکم ومن یستعفف یعفه الله ومن یستغن یغنه الله ومن یتصبر یصبره الله وما اعطی احد عطاء هو خیر واوسع من الصبر۔

(متفق علیہ (مشکوۃ' باب من لا تحل له المسالة)

اور مجمع الزوائد میں ہے :

"لا یفتح احدکم علی نفسه باب مسالة الا فتح الله علیه باب فقر"۔ (۹۵/۳)

اور "سبعین بابا من الفقر" مجھے ملا نہیں۔

....

(ت) :۔ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے :

یحسبهم الجاهل اغنياء من التعفف۔

(البقرہ۔ نمبر ۲۷۳)

ترجمہ : "(یعنی) ناواقف ان کو مالدار خیال کرتے ہیں ان کے سوال سے بچنے کے سبب۔"

آیت شریفہ میں "تعفف" فرمایا گیا ہے جس کا مطلب ہے سوال کرنے (اور لینے سے دامن بچانا اور باز رہنا ہے) نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص پاکدامنی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پاکدامن فرما دیتے ہیں اور جو شخص غناء چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اسے غنی کر دیتے ہیں اور جو اپنے لئے فقر کا ایک دروازہ کھولتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر فقر و تنگ دستی کے ستر (عہ) دروازے کھول دیتے ہیں۔

....

(عہ) : قال الکاندهلوی بعد سرد هذه الروایة کذا فی کنز العمال۔ ۳۲۲/۳۰ (حیاۃ الصحابہ ۲۵۱/۲)

پس اگر "تعفف" سے مراد صدقہ قبول کرنے سے بچنا ہے تو صدقات قبول کر لینا صورۃً ترکِ تعفف شمار ہوگا لہٰذا صدقہ دینے والا ہی ہر حال میں لینے والے سے افضل ہوا۔ اور خیر تو ہر دو جانب ہے۔

حکم الٰہی کے مطابق بشری ضروریات پوری کرنا بھی کارِ ثواب ہے

حضرت امام محمد رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں :

"جس موقع سے انسان پر کھانا فرض ہوجاتا ہے تو
اس وقت اسے کھانا کھانے پر اجر بھی ملتا ہے"۔

کیونکہ اس وقت اس کا کھانا حق کی فرمانبرداری ہے جس کے ذریعہ وہ نماز روزہ جیسے فرائض ادا کرنے کے قابل ہوگا۔ اور اس کا درجہ وہی ہے جو نماز جمعہ کے لئے سعی (یعنی پورے اہتمام اور مستعدی سے جانے) کا ہے اور دیگر نمازوں کیلئے طہارت کا ہے۔

چنانچہ روایات میں اس کا واضح ثبوت موجود ہے۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ : "آدمی اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ بھی رکھتا ہے تو اسے ثواب ملتا ہے"۔ (عہ ا) نیز ایک روایت میں ہے کہ "مومن کو ہربات پر ثواب حاصل ہوتا ہے حتی کہ اپنی بیوی سے ہم بستری میں بھی۔ عرض کیا گیا کہ ہم بستری کرنے والا تو اپنی خواہش پوری کررہا ہوتا ہے کیا اس پر بھی اسے ثواب ملتا ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہی بتاؤ کہ اگر وہ حرام طریقے سے اپنی خواہش پوری کرتا تو کیا اسے گناہ نہ ہوگا؟ (تو اسی طرح حلال طریقہ ایسا کرنا باعث اجر وثواب ہے)" (عہ)

....

(عہ ا) :۔ عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ عجب للمومن ان اصابه خير حمدالله وشكر وان اصابته مصيبة حمدالله وصبر فالمومن يوجر فی كل امره حتی فی اللقمة يرفعها الی فی امرائه۔ رواه البيهقی فی الشعب (مشكوٰة الجنائز باب البكاء علی الميت فصه ۲)

انک لن تنفق نفقة تبتغی بها وجه الله الا اجرت بها حتی اللقمة

ترفعها الی فی امرء تک۔ متفق علیه (مشكوٰة البيوع الوصايا فصه ۱)

(عہ) الحديث.... وفی بضع احدكم صدقة قالوا يا رسول الله اياتی احدنا شهوته ويكون له فيها اجر قال ارايتم لو وضعها فی حرام اكان عليه فيه وزر فكذلك اذا وضعها فی الحلال كان له اجر۔ (رواه مسلم مشكوٰة باب فضل الصدقة فصه ۱)

....

(ت) :

اس کی روشنی میں ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ جس وقت ایسی حالت ہو کہ آدمی کے لئے کھانا فرض ہے تو جس طرح ایسے موقع سے نہ کھانے پر انسان عقاب کا مستحق ہوگا اسی طرح کھالینے پر اجر وثواب کا بھی مستحق ضرور ہوگا۔

نیز حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے "بہترین دینار وہ ہے جو انسان اپنے گھر والوں پر خرچ (عہ) کرے"۔ تو جب آدمی دوسروں پر خرچ میں ثواب حاصل کرتا ہے تو اپنے اوپر خرچ کرنے میں بدرجہ اولی ثواب کا مستحق ہوگا۔

....

(عہ) : عن ابی هريرة دينار انفقته فی سبيل الله ودينارا انفقته فی رقبة ودينار تصدقت به علی مسكين ودينار انفقته علی اهلك اعظمها اجرا الذی انفقته علی اهلك۔ (رواه مسلم مشكوٰة باب افضل الصدقة)۔

....

(ت) :

قوت لایموت پر حساب نہیں

امام محمدؒ فرماتے ہیں :

"کھانے کی اس مقدار پر جو کہ انسان کیلئے فرض ہے
نہ حساب ہے نہ ہی کوئی عقاب وعتاب"۔

کیونکہ اس پر تو انسان کو اجر وثواب کا حصول ہوتا ہے جیسا کہ دیگر فرائض وعبادات کی ادائیگی میں ثواب ہے پھر اس میں عقاب یا حساب کا کیا سوال؟ چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض فرمایا کہ "جو کھانا میں نے آپ کے ساتھ گوشت' روٹی' جو اور تیل وغیرہ ابو الہیثم بن تیہان کے ہاں کھایا تھا کیا وہ بھی ان نعمتوں میں سے ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے کہ ہم قیامت کے دن نعمتوں کے بارے میں جواب دہ ہوں گے؟ پھر انہوں نے آیت شریفہ "ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم" کا حوالہ دیا۔ تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا نہیں اے ابو بکر یہ بات تو کافروں کے متعلق ہے۔ تمہیں معلوم نہیں کہ مسلمان سے تین چیزوں کا سوال نہ ہوگا انہوں نے عرض کیا' وہ تین چیزیں کیا ہیں؟ یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ کپڑا جس سے آدمی اپنی ستر پوشی کر سکے اور وہ کھانا جس سے اپنی کمر سیدھی رکھ سکے اور وہ مکان جس سے گرمی سردی سے بچاؤ کر سکے پھر اس کے علاوہ تمام نعمتوں کا حساب ہوگا۔(۱)

نیز ایک روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق آتا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے ہمراہ ایک شخص کے یہاں مہمانی میں تشریف لے گئے۔ میزبان کھجور کا ایک خوشہ اٹھالایا جس میں خشک اور پکی اور اگدری ہر قسم کی کھجور تھی حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت میں اس کے بارے میں بھی ضرور سوال ہوگا تو حضرت عمرؓ نے خوشہ اٹھایا اور اسے ہلانے لگے کہ کھجوریں زمین پر بکھر گئیں اور کہتے جاتے کہ کیا ہم سے اس کے متعلق بھی سوال ہوگا؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہاں خدا کی قسم تم سے ہر قسم کی نعمتوں کا سوال ہوگا حتی کہ ٹھنڈے پانی کے ایک گھونٹ کا بھی سوائے تین چیزوں کے۔ وہ روٹی کا ٹکڑا جس سے تم اپنی کمر سیدھی رکھو یا وہ کپڑے کا ٹکڑا جس سے ستر پوشی کرو یا وہ مکان جو تمہیں گرمی اور سردی سے پناہ دیدے۔

حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں :

"حضرت عمر بن الخطاب' حضرت عثمان' حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سب کی متفقہ رائے یہی ہے کہ اس مقدار پر بندہ سے کوئی حساب نہ ہوگا۔ اور ان اکابر صحابہ کا اجماع دلیل کے لئے کافی ہے۔ پس جو شخص اسی طرح زندگی گزارنا اپنا شیوہ بنالے اور قناعت کے ساتھ راضی خوشی رہے تو وہ بغیر حساب وکتاب کے جنت میں داخل ہوگا۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا

من هدى للاسلام وقنع بما اتاه الله تعالى
دخل الجنة بغير حساب (عه)

ترجمہ: "جسے اسلام کی توفیق مل گئی اور وہ اپنے مالک کے دئے پر قناعت کرنے تو وہ بلا حساب وکتاب جنت میں چلا جائے گا"۔

....

(عہ): قد افلح من اسلم ورزق كفافا وقنعه الله بما اتاه رواه مسلم (مشکوۃ، الرقاق فص ۱)

نیز آیت شریفہ "انما یوفی الصابرون اجرهم بغیر حساب" (الزمر ۱۰) یعنی بے شک صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا"۔ کے متعلق ایک تفسیر یہ منقول ہے کہ اس سے مراد وہ ہے جو قدر کفاف پر قانع وصابر رہے۔

شکم سیری ناجائز نہیں مباح ہے

پھر مقدار سد رمق کے بعد مزید اتنی خوراک جس سے شکم سیری حاصل ہو کھانا مطلقاً مباح ہے بدلیل قولہ تعالیٰ شانہ:

قل من حرم زينة الله التى اخرج لعباده
والطيبات من الرزق۔

(الاعراف ۳۲)

ترجمہ: "کہہ دو اللہ تعالیٰ کی زینت کو کس نے حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے واسطے پیدا کی ہے اور کس نے

کھانے کی ستھری چیزیں (حرام کیں)

اس سے معلوم ہوا کہ شکم سیری حرام نہیں پس جب حرام نہیں تو ظاہر ہے مطلقاً مباح ہے۔ یہی حکم حلوہ جات، پھل، میوے اور مٹھائیوں کا ہے کہ ان کا استعمال تو جائز ہے مگر اتنا ضرور ہے کہ اس کا درجہ اس سے کم ہے جو گزرا یعنی ان اشیاء کو معمول بنانے سے باز رہنا اور اس سے کم پر قناعت کرلینا افضل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان اشیاء کا استعمال رخصت ہے اور ان سے باز رہنا عزیمت چنانچہ اس کی افضلیت اگلی دو روایتوں سے ظاہر ہوتی ہے۔

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زہد وقناعت

روایت میں آتا ہے کہ حضرت صدیق (عہ) اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ایک پیالہ میں شہد کا شربت برف ڈال کر پیش کیا گیا۔ آپؓ نے نوش فرمانے کے ارادہ سے اسے دہن مبارک کے قریب کیا پھر فوراً ہی اسے ہٹالیا اور فقراء پر اسے صدقہ کردینے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہیں میں ان لوگوں میں نہ ہوجاؤں جنہیں قیامت میں کہا جائے گا:

اذهبتم طيباتكم فى حياتكم الدنيا
واستمتعتم بها۔

ترجمہ: "(یعنی) تم اپنی لذت کی چیزیں اپنی دنیوی زندگی میں حاصل کرچکے اور ان کو خوب برت چکے"۔

....

(عہ) : اخرجه البزار عن زيد بن ارقمؓ قال كنا مع ابی بكرؓ فاستسقی فاتی بماء وعسل فلما وضعه علی يده بكی وانتحب حتی ظننا ان به شيئا ولا نساله عن شی فلما فرغ قلنا يا خليفة رسول الله (ما) حملك علی هذا البكاء قال بينما انا مع رسول الله صلی الله عليه وسلم اذ رايته يدفع عن نفسه شيئا ولا اری شيئا؟ قال الدنيا تطولت لی فقلت اليك عنی فقالت اما انك لست بمدركی قال ابو بكر فشق ذلك علی وخشيت ان اكون قد خالفت امر رسول الله صلی الله عليه وسلم ولحقتنی الدنيا وقد حكی هذا معزوا الی عمر رضی الله عنه (حياة الصحابة ۲،۲۸۶)

اس واقعہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پیالہ دہن مبارک کے قریب لیجانا ہی اس کے جائز ہونے پر واضح ثبوت ہے۔ مگر چونکہ افضل اس کا ترک ہی ہے لہذا آپ نے اسے نوش فرمانے کے بجائے صدقہ فرمادیا۔

....

(ف) :۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ فرماتے ہیں :

"عمدہ کھانے اور لباس میں مشغول ہونا جائز ہے اور حلال ہے مگر چونکہ حد سے زیادہ لذتوں میں مشغول ہونے سے گناہوں کے صادر ہونے کا اندیشہ ہے اس لئے کمال تقویٰ اور اعلیٰ درجہ کی پرہیزگاری یہ ہے کہ ایسے کاموں سے بھی بچے۔ (بہشتی زیور ۵ ص ۶۷)

....

(ت)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا زہد اور ایثار :۔ روایت ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک باندی خرید فرمائی اور اسے سجانے کا حکم دیا جب وہ سج دھج کر آپ کی خدمت میں پیش ہوئی تو آپ اسے دیکھ کر رونے لگے اور فرمایا مجھے اندیشہ ہے کہیں میں ان لوگوں میں نہ ہوجاؤں جو دنیا ہی میں اپنی تمام خواہشات کی تکمیل کردیتے ہیں۔ پھر ایک انصاری نوجوان جس کی ہنوز شادی نہ ہوئی تھی اسے بلا کر یہ باندی اسے ھدیہ فرمادی اور یہ آیت تلاوت فرمائی :

ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ الخ۔

ترجمہ : "اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں (ان کو) اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو اور (واقعی) جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جاوے (جیسے یہ لوگ ہیں کہ حرص اور اس کے مقتضی پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ نے ان کو پاک رکھا ہے) ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

اور چونکہ انبیائے کرامؑ جو طریقہ اور معمول اپناتے ہیں وہی دین میں اعلیٰ و افضل ہوتا ہے اس لحاظ سے یہ افضل ہوا کیونکہ حضرات انبیائے کرامؑ عموماً گزارہ کے بقدر پر اکتفاء فرماتے تھے اور یہی دستور ہمارے آقا سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا ہاں کبھی کبھار عمدہ ولذیذ اشیاء بھی تناول فرمالیتے تھے۔ چنانچہ روایات میں وارد ہے کہ ایک بار

حضور ﷺ نے اپنے اصحاب سے ارشاد فرمایا:

لیت لنا ملبقۃ ناکلہ۔ (عہ)

ترجمہ: "کاش ہمارے کھانے کو اس وقت مالیدہ ہوتا"۔

تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسے ایک بڑے پیالے میں لیکر حاضر ہوگئے پھر روایات مختلف ہیں بعض میں ہے کہ آپ نے اسے تناول فرمایا اور بعض روایت میں ہے کہ آپ نے اسے تناول فرمانے کے بجائے صدقہ فرمادیا۔

(عہ): روی ابو داود عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ وددت ان عندی خبزۃ بیضاء سمراء ملبقۃ بسمن ولبن فقام رجل من القوم فاتخذہ فجاء بہ الحدیث (مشکوۃ الاطعمہ فصل ۲)

شکم سیری پر حساب نہیں ہوگا

پھر یہ جو بیان کیا گیا کہ شکم سیر ہونا مباح ہے تو اس پر حساب بھی نہیں سوائے عرض کے یعنی بندہ کو صرف نعمتیں شمار کرائی جائینگی جیسا کہ روایات میں آتا ہے:

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا سالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن قولہ عز وجل ((فسوف یحاسب حسابا یسیرا)) فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذاک العرض یا بنت ابی بکر اما علمت ان من نوقش للحساب عذب۔ (عہ)

ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ نے حضور اقدس ﷺ سے آیت شریفہ "فسوف یحاسب حسابا یسیرا" کا مطلب دریافت کیا، حضور ﷺ نے فرمایا اے بنت ابی بکر یہ تو صرف پیشی ہے (کہ نعمتیں یاد دلائی جائینگی) کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جس سے حساب ہوجائے گا وہ عذاب دیا جائے گا"۔

(عہ): عن عائشۃ ان النبی قال لیس احد یحاسب یوم القیمۃ الا ھلک قلت او لیس یقول اللہ (فسوف الخ) فقال انما ذلک العرض ولکن من نوقش فی الحساب یھلکہ متفق علیہ (المشکوۃ باب الحساب والقصاص)

(ف)

"حساب یسیر" کا مطلب علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ "آسان حساب یہی ہے کہ بات بات پر گرفت نہ ہوگی محض کاغذات پیش ہوں گے اور بدون بحث ومناقشہ کے سستے چھوڑ دیئے جائیں گے"۔

(ت):

"عرض" سے مراد حق تعالیٰ کے احسانات اور انعامات گنوادے

جائیں گے اور پوچھا جائے گا کہ ان نعمتوں کا شکر ادا کیا تھا یا نہیں۔ چنانچہ آیت شریفہ "فاما من اوتی کتابہ بیمینہ فسوف یحاسب حسابا یسیرا" کی تفسیر روایتوں میں اسی طرح وارد ہوئی ہے۔

نازونعمت میں گزر بسر کرنا موجب حساب تو ہے موجب عقاب نہیں

رہا حلال طریقے سے خواہشات کے مطابق عمدہ ولذیذ اشیاء کا استعمال تو اسمیں حساب بے شک ہوگا مگر سزا وعقاب نہ ہوگا اور یہی مفہوم ہے اس حدیث شریف کا جس میں دنیا کے متعلق یہ ارشاد ہے "حلالها حساب وحرامها عقاب" (عہ) یعنی اس کے حلال میں حساب ہے اور حرام میں عقاب"۔

....

(عہ) :۔ قال العراقی اخرجہ ابن ابی الدنیا والبیہقی فی الشعب من طریقة موقوفا علی علی بن ابی طالب باسناد منقطع بلفظ وحرامها النار ولم اجدہ مرفوعا۔ (المغنی ۳؍۲۳۵)

....

(ف) :۔ حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس ﷺ نے ان کو یمن (کا حاکم بنا کر) بھیجا تو یہ ارشاد فرمایا کہ اپنے کو نازونعمت میں پرورش کرنے سے بچاتے رہنا اس لئے کہ اللہ کے نیک بندے نازونعمت میں لگنے والے نہیں ہوتے۔

....

(ف ور ف) :۔ حاکم اور گورنر ہوجانے کے بعد راحت وآرام کے اسباب کثرت سے مہیا ہو ہی جاتے ہیں۔ ہر قسم کی نعمتیں بھی آسانی سے میسر ہوجاتی ہیں۔ اس لئے حضور اقدس ﷺ نے جب کہ یہ حاکم بنا کر بھیجے جارہے تھے اس چیز سے بچنے خصوصی کی تنبیہ فرمائی۔

حضور ﷺ کی وصایا میں اسی طرح خلفائے راشدینؓ کی وصایا اور احکام میں اس چیز پر خاص طور سے تنبیہیں بڑی کثرت سے کی گئی ہیں۔ (فضائل صدقات ص ۴۲۲)

قناعت کی فضیلت اور اس کی ترغیب

بہرکیف احادیث وروایات میں اس کی بڑی ترغیب آئی ہے کہ انسان کو سادگی ومیانہ روی اختیار کرنا چاہئے یہی اس کے لئے افضل ہے۔ اسکے بالمقابل عمدہ اور لذیذ غذاؤں کا اہتمام ایک ناپسندیدہ امر ہے چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ حضرت ضحاک بن سفیان کلابیؓ اپنی قوم کے نمائندہ کی حیثیت سے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور یہ اپنی قوم کے بڑے متمول اور خوش حال لوگوں میں سے تھے۔ حضور ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ اے ضحاکؓ تمہارا کھانا کیا ہوتا ہے؟ انہوں نے عرض کیا گوشت، شہد، روغن اور مغز گندم وغیرہ۔ حضور ﷺ نے فرمایا پھر اس کا انجام کیا ہوتا ہے؟ انہوں نے عرض کیا وہی ہوتا ہے، جو حضور کے علم میں ہے (یعنی فضلات بن جاتا ہے) تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی مثال اس گندگی

سے دی ہے جو انسان سے خارج ہوا کرتی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا دیکھو کھاؤ مگر خبردار پیٹ سے زیادہ مت کھانا۔ (ع)

....

(ع) : عن الضحاک بن سفیان الکلابیؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یا ضحاک ما طعامک؟ قال یا رسول اللہ اللحم واللبن قال ثم یصیر ماذا قال الی ماقد علمت قال فان اللہ تبارک وتعالٰی ضرب ما یخرج من ابن آدم مثلا للدنیا۔

(مسند احمد ۳،۴۵۲)

....

(ت) :۔

حضور اکرم ﷺ نے حضرت ضحاکؓ پر یہ حقیقت واضح فرمائی کہ کھانا تو ان کا ابتداء بڑا عمدہ اور لذیذ ہے مگر اس کا انجام گندگی اور تعفن ہے۔ اور یہی دنیا کا حال ہے (کہ ابتداء بڑی خوشگوار اور دلچسپ معلوم ہوتی ہے مگر اس کا انجام نہایت ناخوشگوار وناپائیدار ہوتا ہے) لہذا اس سے اتنا ہی تعلق رکھنا چاہئے کہ بس کام چل جائے۔ اور یہی افضل درجہ ہے۔

....

(ف) :۔ حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ قلیل روزی پر قناعت کی فضیلت

کے متعلق تحریر فرماتے ہیں :

عن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من رضی من اللہ بالیسیر من الرزق رضی اللہ منہ بالقلیل من العمل۔

(البیہقی)

ترجمہ : "حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص حق تعالٰی شانہ سے تھوڑی روزی پر راضی رہے حق تعالٰی شانہ بھی اس کی طرف سے تھوڑے عمل پر راضی ہوجاتے ہیں"۔

....

(ف ورف) :۔ اس حدیث پاک میں آمدنی کی کمی میں حق تعالٰی شانہ کے ایک خاص احسان پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اس صورت میں آدمی کی طرف سے اگر نیکیوں میں کمی ہوتی ہے تو وہ مالک الملک بھی اس کمی کو بخوشی قبول فرمالیتے ہیں اس کے بالمقابل جب اللہ تعالٰی شانہ کی طرف سے عطایا میں افراط ہو اور آدمی کسی چیز میں کمی کو بھی گوارا نہ کرے تو اس مالک کی طرف سے بھی یہی مطالبہ ہے کہ پھر اس کے حقوق کی ادائیگی میں بھی تمہاری طرف سے بھی افراط ہونا چاہئے اور ظاہر ہے جس ملازم کو تنخواہ منہ مانگی دیجائے پھر وہ اپنی منصبی خدمت میں کوتاہی کرے تو اس کی نمک حرامی میں کیا تردد ہے۔ لیکن ہمارا معاملہ اس کے برعکس ہے کہ غرباء کو تو اللہ تعالٰی کی طرف رجوع کرنے کی توفیق بھی

ہو جاتی ہے ذکر اور نوافل کے لئے وقت بھی مل جاتا ہے لیکن جہاں چار پیسے ہاتھ میں آئے یا ان کے آنے کے اسباب پیدا ہوئے پھر فرض نمازوں کے واسطے بھی وقت نہیں ملتا۔

قناعت کے حصول کا آسان طریقہ

اور قلیل روزی پر قناعت جب حاصل ہو سکتی ہے جب آدمی پانچ باتوں کا اہتمام کرے :

۱) اپنے اخراجات میں کمی کرے ضرورت کی مقدار سے زیادہ خرچ نہ کرے۔ علماء نے لکھا ہے کہ تنہا آدمی ہو تو اس کو ایک جوڑا کافی ہے۔ کئی کئی جوڑے بنانے کی ضرورت نہیں۔ ایسے ہی معمولی روٹی سالن پر گزر ہو سکتا ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جو خرچ میں میانہ روی اختیار کرے وہ فقیر نہیں ہوتا"۔

۲) اگر بقدر ضرورت میسر ہو تو آئندہ کی فکر میں نہ پڑے اور حق تعالیٰ شانہ کے وعدہ پر اعتماد کرے کہ حق تعالیٰ شانہ نے روزی کا ذمہ لے رکھا ہے۔ شیطان آدمی کو ہمیشہ آئندہ کی سوچ میں ڈالے رکھا کرتا ہے کہ کچھ ذخیرہ فنڈ کے طور پر جمع رکھنا چاہئے' آدمی کے ساتھ حرج بھی لگا ہوا ہے' بیماری بھی لگی ہوئی ہے' وقتی اخراجات بھی پیش آتے رہتے ہیں' پھر تجھے دقت اور مشقت ہوگی۔ اور ان خیالات کی وجہ سے اس کو مشقت اور آئندہ کے فکر اور سوچ میں پریشان رکھا کرتا ہے۔ اور پھر آدمی کا مذاق اڑایا کرتا ہے کہ یہ بیوقوف آئندہ کی تکلیف کے ڈر سے جو موہوم ہے اس وقت کی یقینی مشقت اور تکلیف اٹھا رہا ہے۔ حضور

اقدس ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ اپنے اوپر زیادہ غم سوار نہ کرو جو مقدر ہے وہ ہو کر رہے گا اور جتنی روزی تمہاری ہے وہ آکر رہے گی۔ حضور کا ارشاد ہے "حق تعالیٰ شانہ اپنے مومن بندہ کو روزی اس جگہ سے عطا فرماتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہ ہو اور قرآن پاک میں بھی یہ مضمون وارد ہے :

۳) اس امر کو غور کیا کرے کہ تھوڑے پر قناعت میں لوگوں سے استغناء کی کتنی بڑی عزت حاصل ہے اور حرص و طمع میں لوگوں کے سامنے کتنا ذلیل ہونا پڑتا ہے۔ اس کو بہت اہتمام سے غور کیا کرے کہ اس کو ایک تکلیف ضرور برداشت کرنی ہے۔ یا لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ذلت یا اپنے نفس کو لذیذ چیزوں سے روکنے کی۔ اور یہ دوسری تکلیف جو ہے اس پر اللہ کے یہاں ثواب کا وعدہ بھی ہے اور پہلی میں آخرت کا وبال ہے۔ اس کے علاوہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے میں آدمی ان کو حق بات کہنے سے رک جاتا ہے۔ اکثر دین کے بارے میں مداہنت کرنی پڑتی ہے۔ حضور کا ارشاد ہے : "آدمی کی عزت اس کا لوگوں سے استغناء ہے"۔ اسی وجہ سے مشہور مقولہ ہے کہ جس سے تو استغناء کرے تو اس کا ہمسر ہے (یعنی اس سے دبنے پر مجبور نہیں) اور جس کی طرف احتیاج پیش کرے اس کا قیدی ہے اور جس پر احسان کرے اس کا حاکم ہے)

۴) دنیا دار مالداروں کے انجام کو سوچا کرے' یہود و نصاریٰ اور بے دین ثروت والوں کا انجام سوچے اور انبیاء کرام اور اولیاء کا انجام سوچے ان کے حالات کو غور سے پڑھے اور تحقیق کرے پھر اپنے نفس سے

پوچھے کہ اللہ کے مقرب لوگوں کی جماعت میں شریک ہونا پسند کرتا ہے یا احمقوں اور بے دین لوگوں کی مشابہت پسند کرتا ہے۔

۵) مال کے زیادہ ہونے میں جو خطرات پہلے بیان ہو چکے ہیں ان کو غور کیا کرے کہ کتنے مصائب اس کے ساتھ ہیں۔ جب آدمی ان پانچوں چیزوں کو غور کرتا رہے گا تو تھوڑے پر قناعت آسان ہو جائے گی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضورؐ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ وہ شخص فلاح کو پہنچ گیا جو مسلمان ہو اور تھوڑی روزی دیا گیا ہو۔ اور حق تعالیٰ شانہ نے اس کو اسی پر قناعت عطا فرما رکھی ہو۔ حضرت فضالہ بن عبیدؓ حضورؐ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ "مبارک ہے وہ شخص جس کو اسلام لانے کی توفیق ہو گئی ہو اور اس کی آمدنی بقدر ضرورت ہو اور اس پر وہ قانع ہو"۔ حضرت ابو الدرداءؓ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جب بھی سورج نکلتا ہے اس کے دونوں جانب دو فرشتے روزانہ یہ اعلان کرتے ہیں "اے لوگو اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جاؤ جو مال تھوڑا ہو اور وہ کفایت کر جائے وہ بہتر ہے اس کثیر مال سے جو اللہ تعالیٰ شانہ کے علاوہ دوسری طرف مشغول کرے"۔ (فضائل صدقات)

....

(ت) حضرت فاروق اعظمؓ کا دنیاوی لذتوں سے اجتناب :۔

حضرت احنف بن قیسؓ سے روایت ہے کہ وہ ایک بار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس تھے کہ ایک پیالہ جس میں جو کی روٹی اور روغن زیتون تھا آپ کی خدمت میں لایا گیا آپ رضی اللہ عنہ اسے نوش فرمانے لگے اور احنف کو بھی شرکت کی دعوت دی مگر ایسا (سادہ) کھانا تو

ان سے کھایا ہی نہ گیا۔ انہوں نے ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے اس کا تذکرہ کیا اور یہ صلاح دی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر فاروقؓ کو جب وسعت عطا فرمائی ہے (اور ان کے لئے گنجائش رکھی ہے) تو اگر وہ اپنی خوراک اچھی رکھیں اور کشادگی اختیار کریں تو کتنا اچھا ہو۔ حضرت حفصہ نے یہ سفارش حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش فرمادی یہ سن کر حضرت عمرؓ رونے لگے اور فرمایا تمہارا کیا خیال ہے کہ تین آدمی ایک دوسرے کے ساتھی بنے پھر ایک ساتھی ایک راستہ اختیار کر کے آگے چلا گیا پھر دوسرا بھی اس راہ سے آگے چلا گیا اب اگر ان کا تیسرا ساتھی اس راہ کو چھوڑ کر کوئی دوسرا راستہ اختیار کر لے تو کیا یہ اپنے ساتھیوں کو پالے گا؟ حضرت حفصہؓ نے عرض کیا "نہیں (ہرگز نہیں پا سکتا)" تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو پھر ہمارے نبی کریم ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے اور دنیا کے لذائذ سے آپؐ نے کچھ نہ لیا پھر حضرت صدیق اکبرؓ بھی اسی راہ پر گامزن رہے یہاں تک کہ دنیا کو خیرباد کہا اب اگر عمر دنیاوی لذتوں میں مشغول ہو گیا تو ان حضرات تک کیونکر رسائی پا سکتا ہے۔ (عہ)

....

(عہ) :۔

اخرج ابو نعیم فی الحلیہ ۱/۴۹ وھناد عن حبیب بن ابی ثابت عن بعض اصحابہ عن عمر رضی اللہ عنہ انہ قدم علیہ ناس من اہل العراق فیھم جریر بن عبداللہ فاتاھم بجفنۃ قد صنعت بخبز وزیت فقال لھم خذوا فاخذوا اخذا ضعیفا فقال لھم عمر رضی اللہ عنہ قد اری ما تفعلون

فای شی تریدون حلو او حامضا؟ وحارا وباردا؟ ثم قذفا فی البطون۔ (حیاۃ الصحابۃ ۲؍ ۲۸۳)

واما حدیث الاحنف بن قیس فقد رواہ ابن عساکر عن الحسن البصری بسیاق آخر فی حدیث فیہ طول (فلیراجع الی حیاۃ الصحابۃ ۲؍ ۲۲۲)

وان الذی دعاہ عمرؓ الی الاکل معہ من الخبز والزیت انما ھو عقبۃ بن فرقد اخرجہ ابن سعد وعبد بن حمید۔ (حیاۃ الصحابۃ ۲؍ ۲۸۳)

اس سے بھی معلوم ہوا کہ ہر خواہش کی تکمیل اگرچہ جائز طریقہ سے ہو کوئی مستحسن نہیں بلکہ ضروریات پر قناعت کرنا اور دنیا سے کام چلانے بھر تعلق رکھنا ہی افضل واولیٰ ہے۔

....

(ف) :۔ حضرت شیخ تحریر فرماتے ہیں :

فتاویٰ عالمگیریہ میں لکھا ہے کہ کھانے کے چند مراتب ہیں۔ پہلا درجہ فرض ہے اور وہ اتنی مقدار ہے جس سے آدمی ہلاکت سے بچے... دوسرا درجہ اتنی مقدار کھالے جس سے کھڑے ہو کر نماز پڑھی جا سکے اور روزہ سہولت سے رکھا جا سکے تیسرا درجہ جائز کا ہے اور وہ نمبر ۲ کی مقدار پر پیٹ بھرنے تک اضافہ ہے تاکہ بدن میں قوت پیدا ہو۔ اس درجہ میں نہ تو ثواب ہے نہ گناہ ہے معمولی حساب اس میں ہے بشرطیکہ مال حلال طریقہ سے حاصل ہوا ہو۔ چوتھا درجہ حرام ہے وہ پیٹ بھرنے سے زائد مقدار ہے البتہ اس درجہ میں اگر مقصود روزہ پر قوت ہو کہ کل کو روزہ رکھنا یا یہ غرض ہو کہ مہمان بھوکا نہ رہے تو اس مقدار میں بھی مضائقہ

نہیں اور کم کھانے کا ایسا مجاہدہ جس سے فرائض میں نقصان آوے جائز نہیں البتہ اگر اس میں نقصان نہ آوے تو کم کھانے کا مجاہدہ کرنے میں مضائقہ نہیں کہ اس میں نفس کی اصلاح بھی ہے اور کھانا بھی رغبت سے کھایا جاتا ہے۔ اس طرح سے کسی جوان کو کم کھانے کا مجاہدہ تاکہ اس کی شہوت کا زور ٹوٹ جائے جائز ہے (انتہی) اس تقسیم میں نمبر ۲ پر صاحب درمختار وغیرہ نے کلام کیا ہے اور اتنی مقدار کو فرض میں داخل کیا ہے جس سے کھڑے ہو کر نماز پڑھی جا سکے۔ عالمگیری کی اخیر عبارت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ (فضائل صدقات)

(الحاصل) :۔ کھانے کے چار مراتب ہیں : اول سد رمق کے لئے کھانا جس سے جان تلف ہونے سے بچے اور قوت عمل پیدا ہو۔ اس پر ثواب ہے عقاب وعتاب نہیں۔

دوم، شکم سیر ہونا۔ یہ مباح ہے اس پر انسان سے حساب یسیر یعنی نعمتیں شمار کرائی جائیں گی۔

سوم، جائز اور حلال طریقہ سے تمام خواہشات کی تکمیل اور عمدہ ولذیذ اشیاء کا حصول یہ جائز تو ہے مگر بطریق رخصت اس پر انسان سے حساب ہوگا اور شکران نعمت نیز بھوکوں اور ناداروں کے حقوق کے متعلق بھی وہ جواب دہ ہوگا۔

چہارم، آسودگی سے فاضل کھانا یہ گناہ اور حرام ہے جیسا کہ بیان کیا جا چکا اس لئے اس پر انسان عتاب وعقاب کا مستحق ہوگا۔ امام محمدؒ نے اس کے متعلق "اکرھہ" کا لفظ فرمایا جس سے حرمت مراد ہے چنانچہ امام ابو حنیفہؒ سے دریافت کیا گیا کہ جب کسی مسئلہ میں آپ "اکرھہ"

ارشاد فرماتے ہیں تو اس سے آپ کی مراد کیا ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا : "اقرب الی الحرام" (حرام کے قریب قریب) اور اس کی دلیل یہ روایت ہے جو ہم نے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے "جب تم میں سے کسی کو ڈکار آئے تو وہ کہے "اللھم لاتفتنا" (اے اللہ ہمیں فتنہ میں نہ ڈالئے) اور ڈکار ضرورت سے زیادہ کھانے پر ہی آتی ہے۔ پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پیٹ سے زیادہ کھانا حق تعالیٰ شانہ کی ناراضگی کا سبب ہے اور کسی حرام کا ارتکاب ہی حق تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہوا کرتا ہے۔

حرام کمائی اور اس کا انجام

اور یہ تمام تفصیل اس صورت میں ہے کہ کمائی حلال ہو اور اگر کمائی حرام ہے پھر اس کا استعمال بہر طور موجب سزا و عقاب ہوگا آدمی چاہے کم کھائے یا زیادہ الا یہ کہ اضطراری حالت ہو (تو پھر بقدر سد رمق جس سے ہلاکت سے بچ جائے وقتی طور پر جائز ہے جیسے مردار کا حکم ہے) چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے :

کل لحم بنت من السحت فالنار اولی۔ (عہ)

ترجمہ : "ہر ایسا گوشت جو پلا بڑھا ہے مال حرام سے جنم ہی اس کے لائق ہے"۔

....

(عہ) :۔ رواہ احمد والبیہقی فی الشعب (مشکوۃ البیوع الکسب

وطلب الحلال)۔

نیز ارشاد نبوی ہے :

ما اکتسب المرء درھما من غیر حلۃ ینفقہ علی اھلہ ویبارک لہ فیہ او یتصدق فیقبل منہ او یخلفہ وراء ظھرہ الا کان ذلک زادہ الی النار۔

ترجمہ : "نہیں ہے یہ بات کہ کمائے بندہ کوئی حرام درھم (یعنی مال) پھر اسے خرچ کرے اپنے گھر والوں پر پس برکت دی جائے اس کے لئے اس مال میں اور نہ یہ کہ وہ صدقہ دے سو اس سے قبول کیا جائے اور نہ یہ کہ وہ اسے اپنے پیچھے چھوڑے مگر ہو وہ توشہ اس کے لئے بلکہ ہوگا وہ پہنچانے والا جنم کی طرف۔" (عہ)

....

(عہ) :۔

عن عبداللہ بن مسعودؓ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یکسب عبد مال حرام فیتصدق منہ فیقبل منہ ولا ینفق منہ فیبارک لہ فیہ ولا یترکہ خلف ظھرہ الا کان زادہ الی النار .... الحدیث رواہ احمد وکذا فی شرح السنۃ (المشکوۃ البیوع الکسب فصہ ۲)

....

(ف) :۔ یعنی مال حرام کما کر اگر صدقہ کرے قبول نہ ہوگا اور خاک

ثواب نہ ملے گا۔ بلکہ بعض علماء نے فرمایا کہ حرام مال خیرات کر کے ثواب کی امید رکھنا کفر ہے۔ اور فقیر جس کو مال حرام دیا گیا ہے اس نیت سے کہ دینے والے کو ثواب ہو اگر وہ جانتا ہے کہ یہ مال اس طرح کا مجھے دیا گیا ہے اور وہ باوجود جاننے کے خیرات دینے والے کو دعاء دے تو وہ بھی ان علماء کے قول پر کافر ہو جائے گا۔ اور اگر ایسا مال کسی اور خرچ میں لایا جاوے تو بھی کچھ برکت نہ ہوگی اور اگر اپنے بعد ایسا مال چھوڑے گا تو اس کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوگا۔ کھاویں گے وارث اور عذاب میں یہ مبتلا ہوگا۔ غرض حرام میں بجز ضرر کے کوئی نفع نہیں۔ (بہشتی زیور ۵؍۶۵)

....

(ت) :۔ نیز ارشاد ہے :

من اکتسب من حیث لا یبالی ادخلہ اللہ النار من ای باب کان ولا یبالی۔

ترجمہ : "جو شخص حلال و حرام کی پرواہ کئے بغیر کماتا ہے حق تعالیٰ شانہ بھی اس کی پرواہ کئے بغیر اسے جس دروازہ سے چاہیں گے جہنم میں ڈال دیں گے"۔ (ع)

....

(ع) :۔

فی کنز العمال ۲؍۲۱۰ "من لم یبال من این کسب المال لم یبال اللہ من این ادخلہ النار"۔

نیز حضور ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا :

طیب طعمتک (اوقال) اکلتک تستجب دعوتک۔

ترجمہ : "اپنا کھانا حلال طیب رکھو تمہاری دعائیں مقبول ہوں گی"۔ (ع)

....

(ع) :۔

روی المفسر ابن کثیر عن ابن عباسؓ قال تلیت ھذہ الایہ عند النبی ﷺ ((یا ایھا الناس کلوا مما فی الارض حلالا طیبا)) فقام سعد بن ابی وقاص فقال یا رسول اللہ ادعوا اللہ ان یجعلنی مستجاب الدعوۃ فقال یا سعد اطب مطعمک تکن مستجاب الدعوۃ۔ (اخرجہ ابن مردویہ تفسیر ابن کثیر۔ ۲۔ ۲۰۹)

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث میں ارشاد ہے

یصبح احدھم اشعث، اغبر یقول یا رب رب ومطعمہ حرام ومشربہ حرام وملبسہ حرام وغذی بالحرام فانی یستجاب لہ

(رواہ مسلم کذا فی ..... المشکوۃ ؍البیوع ؍الکسب)

ترجمہ: "ان میں سے بعض آدمی ایسے ہیں کہ سفر کرے گا کہ پراگندہ حال گرد آلود ہوگا (سفر کی مشقت کی وجہ سے) وہ کہتا ہوگا اے میرے پروردگار (یعنی اللہ پاک سے بار بار سوال کرتا ہوگا کہ رحم فرماکر مقصود عطا کردے) حالانکہ اس کا کھانا حرام ہے اور پینا حرام ہے اور اس کا لباس حرام (یعنی خورد ونوش اور لباس مال حرام سے حاصل کرتا ہے) اور پالا گیا حرام سے (یعنی مال حرام سے گزر کرتا ہے اسی سے پرورش پاتا ہے) پس کیونکر قبول کی جاوے گی (وہ دعاء) اس کے لئے۔"

....

(ف) :۔ یعنی باوجود اس قدر مشقتوں کے مال حرام کے استعمال کی وجہ سے ہرگز دعا مقبول نہ ہوگی اور اگر کبھی مقصود حاصل بھی ہوگیا تو وہ دعاء کے مقبول ہونے کے سبب نہیں بلکہ اس کا حاصل ہونا تقدیر الٰہی کی وجہ سے ہے جیسے کہ کافروں کے مقصود پورے ہوجاتے ہیں' اور دعا کے مقبول ہونے کے یہ معنی ہیں کہ حق تعالیٰ بندہ پر نظر رحمت فرمائیں اور اس رحمت کی وجہ سے اس کو اس کا مطلوب عطا فرمائیں اور اس طلب پر ثواب عنایت ہو سو یہ بات اسی کو میسر ہوتی ہے جو شریعت کا پابند ہو اور اللہ پاک سے مقصود طلب کرے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ حلال کھانے میں بڑی برکت ہے اور واقعی اس کی خاص تاثیر ہے اور ایسا مال کھانے سے نیکی کی قوت پیدا ہوتی ہے۔ اعضاء عقل کی تابعداری کرتے ہیں۔

حضرت سیدنا ومولانا ابو حامد محمد غزالی ایک بہت بڑے درویش

سے یعنی حضرت سہیلؒ سے نقل فرماتے ہیں:

"جو حرام کھاتا ہے اعضاء اس (کی عقل) کی اطاعت چھوڑ دیتے ہیں (یعنی عقل نیکی کا حکم کرتی ہے اور وہ اس کی اطاعت نہیں کرتے مگر یہ بات ان ہی حضرات کو معلوم ہوتی ہے جن کے دل کی آنکھیں روشن ہیں ورنہ جن کا دل سیاہ ہوتا ہے وہ تو شب وروز اس میں مشغول رہتے ہیں اور خوب لذت اڑاتے ہیں اور ان کو کچھ بھی اثر نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ قلب کی حس اور دل کی بینائی اور بصیرت کو قائم رکھے۔ (آمین)"

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ (جو بڑے عالم اور امام اعظم رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں) فرماتے ہیں کہ مجھے ایک درہم مشتبہ مال کا لوٹا دینا (جو مجھے ملے خواہ ہدیہ کے ذریعہ یا کسی اور طرح) زیادہ محبوب ہے چھ لاکھ درہم خیرات کرنے سے۔ اھ۔

یہاں سے اندازہ کرنا چاہئے کہ مشتبہ مال کی کیا قدر ہے افسوس کہ لوگ صریح حرام بھی نہیں چھوڑتے۔ روپیہ ملے کسی طرح ملے۔ اور بزرگان دین مشتبہ مال کو اس قدر برا سمجھتے تھے۔ حرام مال سے بچنا سب کے ذمہ ضروری ہے اس سے بہت احتیاط لازم ہے برا مال کھانے سے بے حد خرابیاں نفس میں پیدا ہوتی ہیں یہ انسان کو ہلاک کرنے والا ہے"۔

(بہشتی زیور۔ ۵ر۶۵)

....

(ف) ایک ضروری تنبیہ :۔ حکیم الامت فرماتے ہیں:

"جو شخص شبہ کی باتوں سے پرہیز نہیں کرتا وہ رفتہ رفتہ صریح حرام باتوں میں مبتلا ہوجاتا ہے جہاں نفس کو ذرا گنجائش دی گئی وہ رفتہ رفتہ اس قدر خرابی برپا کرتا ہے کہ خدا کی پناہ ہلاک ہی کردیتا ہے۔ سو جو شخص مال کے بارے میں احتیاط نہ کرے جو ملے اس کو قبول کرلے کسی شبہ کی پرواہ ہی نہ کرے وہ عنقریب حرام کھانے لگے گا۔

نفس کو ہمیشہ شریعت کا قیدی بناکر رکھنا چاہئے کبھی آزادی نہ دے اور گو ایسے شبہ کا مال کھانا جس کا یہ حال معلوم نہ ہو کہ اس میں کتنا حلال ملا ہے اور کتنا حرام جائز ہے مگر مکروہ ہے۔ اور رفتہ رفتہ شبہ سے صریح حرام میں مبتلا ہونے کا سخت اندیشہ ہے لہٰذا چاہئے کہ شبہ کی باتوں سے بھی بچے اصل مقصود اور ہمت کی بات یہی ہے خوب سمجھ لو۔"

(بہشتی زیور ۵/۶۵)

....

(ت) :۔ نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :

من اشراط الساعة الدرهم الحلال فيهم اعز من اخ فى الله والاخ فى الله اعز فيهم من درهم حلال۔ (عه)

ترجمہ : "قیامت کی علامت میں سے یہ بھی ہے کہ حلال درہم لوگوں کے نزدیک دینی بھائی سے زیادہ عزیز (اور کمیاب) ہوگا اور ایک دینی بھائی حلال درہم سے زیادہ قیمتی

اور نایاب ہوگا (یعنی دونوں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہوں گے)"۔

....

(عه) :۔

قال فى ح ك ما يروى فى هذا الباب كثير انظر منتخب كنز العمال بهامش مسند الامام احمد۔۱-۱۸۰۔ ۱۹۹ (قال المترجم اخرج الطبرانى من حديث ابن عمر انه قال اتى علينا زمان وما يرى احدنا انه احق بالدينار والدرهم من اخيه المسلم وانا فى زمان الدينار والدرهم احب الينا من اخينا المسلم قال الهيثمى ۱۰۔ ۲۸۵۔ رواه الطبرانى باسانيد بعضها حسن كذا فى حياة الصحابة ۲۔ ۵۷۸)

وفى منتخب كنز العمال ۲۔ ۲۰۸ قلما يوجد فى امتى فى آخر الزمان درهم الحلال واخ يوثق به۔

امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ جو تقسیم خورد ونوش کے سلسلہ میں مذکور ہوئی بعینہ یہی تقسیمات لباس وپوشاک میں بھی ہے کہ جو لباس انسان کی ستر پوشی اور سردی گرمی سے حفاظت نیز نماز کے لئے ستر عورت کے کام آئے اس پر تو وہ اجر وثواب کا مستحق ہے اور اس سے زیادہ رکھنا مباح ہے۔ ہاں عمدہ اور نفیس لباس کا اہتمام نہ کرنا اور کم درجہ پر قناعت

کرلینا افضل ہے جیسا کہ طعام و شراب کے متعلق بیان ہوا۔

روایت میں آتا ہے کہ ایک بار نبی کریم ﷺ نے منقش لباس زیب تن فرمایا پھر اسے اتار دیا اور فرمایا کہ جب بھی میری نظر اس پر پڑی اس کے نقش و نگار نے نماز میں مجھے اپنی طرف مشغول کرلیا۔ (عہ)

....

(عہ) :۔ صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی خمیصة لها اعلام فنظر الی اعلامها نظرة فلما انصرف قال اذهبوا بخمیصتی هذه الی ابی جهم وائتونی بانبجانیه ابی جهم فانها الهتنی آنفا عن صلاتی متفق علیه۔ (مشکوۃ الصلوۃ باب الستر)

....

(ت) :۔ نیز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے اپنے کسی خادم کو اپنا کپڑا پیوند لگانے کے واسطے دیا وہ گیا اور جا کر نیا کپڑا اسی ناپ کا سلوا لایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا کپڑا تو لے لیا اور نیا کپڑا یہ کہتے ہوئے واپس فرمادیا کہ بھئی تمہارا یہ کپڑا بے شک نرم و نازک اور بڑے مزے کا ہے مگر میرا کپڑا پسینہ زیادہ خشک کرتا ہے۔ (عہ)

....

(عہ) :۔ اخرجه الطبرانی ۴/۲۰۳ عن عروة قال لما قدم عمر بن الخطابؓ ایلة ومعه المهاجرون والانصار دفع قمیصا له من کرابیس قد

انجاب موخره عن قعدته من طول السیر الی الاسقف وقال اغسل هذا وارقعه فانطلق الاسقف بالقمیص ورقعه وخاطر له آخر مثله فراح به الی عمر فقال ما هذا اقال الاسقف اما هذا فقمیصک قد غسلته ورقعته واما هذه فکسوة لک هو منی فنظر الیه عمر ومسحه ثم لبس قمیصه ورد علیه ذلک القمیص وقال هذا انشفها للعرق واخرجه ابن المبارک عن عروة عن عامل لعمرؓ بنحوه کما فی المنتخب (۴/۴۰۲) کذا فی حیاة الصحابه ۲/۲۸۶)

....

....

(ت) :۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ بنے ٹھنے رہنے کو ناپسند فرماتے تھے اور یہ ارشاد فرماتے تھے کہ بھائی مجھے تو وہی لباس اچھا لگتا ہے جو مالک کی بندگی بجا لانے کے لئے مجھے کافی ہو جائے۔ (عہ)

....

(عہ) :۔

اخرج ابن المبارک عن زید بن وهب قال خرج علینا علیؓ وعلیه رداء وازار قد وثقه بخرقه فقیل له فقال انما البس هذین الثوبین لیکون ابعد لی من النهو وخیرا لی فی صلاتی وسنة للمومن کذا فی المنتخب ۵/۵۸۵' حیاة الصحابة ۲۰-۲۸۹)

....

(ت) :۔ اس سے معلوم ہوا کہ سادہ لباس اختیار کرنا اور عمدہ و نفیس

کے پھیر میں نہ رہنا افضل ہے اگرچہ اس کی بھی اجازت ہے۔

انسان کے اعمال اور اس کی قسمیں

پھر امام محمد رحمہ اللہ نے موضوع سخن ایک خاص امر کو بنایا جس کا ماحصل یہ کہ مکلف (عاقل وبالغ جو شریعت کے مخاطب ہیں ان) لوگوں کے اعمال تین قسم پر ہیں ایک یہ کہ جو انسان کیلئے ہیں جیسے عبادات (کہ اس میں انسان کی بھلائی مضمر ہے) دوم جو اس کے اوپر (یعنی وبال) ہوتے ہیں جیسے معاصی'۔ سوم وہ اعمال جس میں احتمال ہے کہ نہ اس میں انسان کا کچھ نفع (یعنی اجر) ہے اور نہ نقصان (یعنی عذاب) ہے یہ مباح قسم کی بول چال ہے جیسے کہنا کہ "میں نے کھایا' پیا' یا اٹھا بیٹھا وغیرہ اور یہ مذہب فقہائے عظام کا ہے۔ مگر فرقہ کرامیہ کا کہنا یہ ہے کہ لوگوں کے اعمال فقط دو قسم کے ہیں یا تو نفع پہنچانے والے یا نقصان پہنچانے والے۔ ان دونوں کے درمیان کوئی تیسرا درجہ نہیں۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے :

فما ذا بعد الحق الا الضلال۔

(یونس ۳۲)

ترجمہ : "پھر امر حق کے بعد اور کیا رہ گیا بجز گمراہی کے"۔

کہ حق تعالیٰ شانہ نے اس میں کل امور کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں ان کے درمیان کوئی حد فاصل نہیں امر حق وہی ہے جو انسان کے لئے (نفع مند) ہو اور "ضلال" وہ ہے جو انسان کے لئے (نقصان دہ اور) باعث وبال ہے۔ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے :

لها ما كسبت وعليها ما اكتسبت۔

(البقرہ نمبر ۲۸۶)

ترجمہ : "یعنی اس کو ملتا ہے جو اس نے کمایا اور اسی پر پڑتا ہے جو اس نے کیا"۔

اور لفظ "ما" عمومیت کے اظہار کے لئے آتا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ انسان جو کچھ کرتا ہے وہ یا تو اس کے نفع کا باعث ہوں گے یا نقصان کا باعث۔ نیز حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :

من عمل صالحا فلنفسه ومن اساء فعليها۔

(فصلت نمبر ۴۶)

ترجمہ : "(یعنی) جو شخص نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے نفع کے لئے اور جو شخص برا عمل کرتا ہے اس کا وبال اس پر پڑے گا"۔

اس آیت سے بھی واضح ہوا کہ انسان کے اعمال فقط دو قسم کے ہیں یا صالح (اچھے) اور یا سیئی (برے) تیسرا کوئی درجہ نہیں۔

نیز قرآن پاک میں وارد ہے کہ انسان جو کچھ بولتا ہے سب کا سب لکھ لیا جاتا ہے چنانچہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے :

ما يلفظ من قول الا لديه رقيب عتيد۔

(سورہ ق نمبر ۱۸)

ترجمہ : "وہ کوئی لفظ منہ سے نکالنے نہیں پاتا مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا تیار (موجود ہوتا) ہے (یعنی اگر وہ نیکی کا کلام ہو تو داہنے والا اس کو ضبط و تحریر میں لاتا

ہے اگر بدی کا کلام ہو تو بائیں والا اور جب زبان سے نکلنے والا ایک ایک کلمہ محفوظ و مکتوب ہے تو دوسرے اعمال کیوں نہ ہوں گے)" (ترجمہ حکیم الامت)

اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ انسان جو کچھ کرتا ہے وہ سب لکھ لیا جاتا ہے۔ اور ارشاد ربانی ہے :

وکل شیء فعلوہ فی الزبر۔

(سورہ قمر نمبر ۵۲)

ترجمہ : "جو کچھ بھی یہ لوگ کرتے ہیں (حق تعالیٰ کو معلوم ہے) اعمال ناموں میں (مندرج) ہے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان نے جو کچھ کیا ہو گا سب کا سب اعمال نامے میں حساب کے وقت موجود ہو گا۔ اور ارشاد ربانی ہے :

ووجدوا ماعملوا حاضرا۔

(کہف نمبر ۴۹)

ترجمہ : "اور جو کچھ انہوں نے (دنیا میں) کیا تھا وہ سب (لکھا ہوا) موجود پائیں گے"۔

اس جگہ بھی لفظ "ما" ہے جو عموم کا فائدہ دیتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ کوئی شی چھوڑی نہ جائے گی (یعنی ذرہ ذرہ عمل آنکھوں کے سامنے ہو گا ہر ایک چھوٹی بڑی بدی نیکی اعمال نامہ میں مندرج پائیں گے)

نیز اس کے سمجھنے کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ حق تعالیٰ سے بندہ کا اطاعت اور عبادت کا جو عہد و پیمان ہے وہ ہر وقت اس کے ساتھ لازمی ہے (اور وہ ہر وقت اس کا پابند ہے) چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے

واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا ۔

(النساء نمبر ۳۶)

ترجمہ : "اور بندگی کرو اللہ تعالیٰ کی اور شریک نہ کرو اس کا کسی کو"۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔

(الذاریات نمبر ۵۶)

ترجمہ : "اور میں نے جن اور انسان (دراصل) اسی واسطے پیدا کئے ہیں کہ میری عبادت کیا کریں"۔

پس یا تو انسان اس خدائی عہد و پیمان پر کاربند رہے گا تو یہ اس کے لئے نفع بخش عمل ہو گا' اور یا وہ اس کا تارک ہو گا تو یہ عمل اس کے لئے وبال ہو گا۔ اور تیسری کوئی صورت ہو ہی نہیں سکتی۔

یا اسے اس طرح سمجھیں کہ جسے لوگ مباح کا درجہ دیتے ہیں وہ یا تو ان اعمال میں سے ہے جو انسان کے لئے نفع بخش ہیں بایں طور کہ وہ عمل انسان کو حلال سے قریب کرنے والا ہو گا جس کا وہ مامور ہے یا پھر وہ حرام سے دور کرنے والا ہو گا تو اس کا شمار ان اعمال میں سے ہو جو انسان کیلئے نافع ہیں اور یا پھر وہ عمل ان اعمال میں سے ہو گا جو کہ حرام سے قریب کرتے ہیں اور حلال سے دور کرتے ہیں پس اس پر ایسا ہی حکم لاگو ہو گا چنانچہ یہ عمل انسان کے لئے ضرر رساں اور وبال ہو گا۔

بہر کیف انسان کی تمام مساعی ان ہی دو صورتوں میں دائر ہیں کہ

عمل یا تو نفع بخش ہوگا یا ضرر رساں تیسری کسی اور صورت کی گنجائش ہی نہیں۔

اور ہماری (یعنی فقہائے عظام) کی دلیل یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نیز ان کے تابعین اور جمہور علمائے اسلام اس پر متفق ہیں کہ بندگان خدا کے بعض اعمال ایسے ہیں جن کے وہ مامور بہ ہیں یا جن کی انہیں ترغیب ملی ہے ایسے اعمال تو عبادت اور طاعت ہیں اور بندوں کے لئے نفع بخش ہیں اور بعض اعمال ایسے ہیں جن سے روکا اور منع کیا گیا ہے ایسے اعمال حرام اور انسان کے لئے ضرر رساں ہیں نیز بعض اعمال ایسے بھی ہیں جنہیں مباح کا درجہ دیا گیا ہے اور یہ وہ اعمال ہیں جن کا نہ حکم کیا گیا اور نہ ہی اس کی ترغیب آئی ہے اور نہ ہی اس سے منع کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اعمال کی ایک تیسری قسم بھی اجماع امت سے ثابت ہے جس کا شمار نہ عبادات ومامورات میں ہے نہ منہیات ومحرمات میں۔ اور اس کی وضاحت جب ہی ممکن ہے جب اس پر کوئی حکم لگایا جائے اور وہ یہ کہ اسے مہمل کہا جائے کہ اس کے کرنے پر کوئی ثواب ہے نہ ترک پر کوئی گناہ۔

کیونکہ جو اعمال انسان کی صلاح وفلاح کے ضامن ہیں ان کے بجا لانے پر اجر وثواب کا تحقق ہوتا ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے :

ومن عمل صالحا فلانفسھم یمھدون۔

(الروم - نمبر ۴۴)

ترجمہ : "اور جو نیک عمل کر رہا ہے یہ لوگ اپنے (نفع کے لئے) سامان کر رہے ہیں"۔

ان احسنتم احسنتم لانفسکم

(الاسراء نمبر ۷)

ترجمہ : "اگر تم اچھے کام کرتے رہو گے تو اپنے ہی نفع کے لئے اچھے کام کرو گے"۔

اور جو اعمال کہ انسان کے حق میں ضرر رساں ہیں اس پر سزا وعقاب کا تحقق ہوگا چنانچہ ارشاد ہے :

وان اساتم فلھا ۔

(الاسراء - نمبر ۷)

ترجمہ : "اور اگر تم برے کام کرو گے تو بھی اپنے ہی لئے (برائی کرو گے)"

اور چونکہ انسان کے افعال واقوال کچھ ایسے بھی ہیں جن پر نہ اجر وثواب کا تحقق ہوتا ہے اور نہ ہی سزا وعتاب تو ہمیں سمجھ لینا چاہئے کہ ایسے اعمال مہمل کہلانے کے مستحق ہیں چنانچہ مہمل اعمال کے وجود کا ثبوت قرآن کریم سے یوں ہوتا ہے :

حق تعالی شانہ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں :

لا یواخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم۔

(البقرہ نمبر ۲۲۵ والمائدہ نمبر ۸۹)

ترجمہ : "نہیں پکڑتا تم کو اللہ تعالی تمہاری بیہودہ قسموں پر"۔

اس آیت شریفہ میں بلا قصد وارادہ نکل جانے والی قسم پر مواخذہ نہ ہونے کی تصریح سے یہ بھی واضح طور پر ثابت ہوگیا کہ اس میں اسے

کوئی ثواب بھی نہ ہوگا۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ ایک ایسا درجہ ہے جس پر انسان کو نہ ثواب ہوگا نہ عتاب۔ تو اسے مہمل ہی کہا جائے گا۔ نیز حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا ہے:

ولیس علیکم جناح فیما اخطاتم۔

(الاحزاب نمبر ۵)

ترجمہ: "اور تم کو اس میں جو بھول چوک ہو جائے تو اس سے تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا"۔

اور یہ ایک سیدھی سی بات ہے کہ خطا اور غلطی پر اجر و ثواب نہیں ملتا اور نص صریح سے مواخذہ کی بھی نفی کی گئی تو ثابت ہوا کہ ایسا عمل مہمل ہے، نیز حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

رفع عن امتی الخطا والنسیان۔ (عہ)

(عہ): هو فی الجامع الصغیر ص ۳۳۶ وفی تفسیر ابن کثیر سورۃ الاعراف آیۃ ۱۵۷۔ وقد رواہ ابن ماجہ والبیہقی بلفظ ان اللہ تجاوز عن امتی۔ الحدیث (مشکوۃ الفضائل والمناقب باب ثواب ھذہ الامۃ)

ترجمہ: "یعنی میری امت سے بھول چوک (پر مواخذہ) اٹھالیا گیا (یعنی معاف) ہے"۔

یعنی اس کا گناہ نہ ہوگا اور یقیناً بھول چوک پر کوئی ثواب بھی

نہیں۔

پس ان تمام تصریحات سے ثابت ہوگیا کہ ایسے اعمال جن پر نہ ثواب کا تحقق ہوتا ہے نہ عقاب کا اس کے متعلق یہ کہا جائے گا کہ یہ درمیانہ درجہ ہے کہ اس کا شمار نہ بندہ کے اعمال صالحہ میں ہوگا نہ اعمال بد میں کیونکہ اعمال صالحہ کا نفع ہو یا اعمال بد کا ضرر ہر ایک کا تعلق آخرت کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور جب انسانی اعمال میں سے بعض اعمال کا ایسا ہونا ثابت ہوگیا کہ جن کا تعلق نہ آخرت کے نفع سے ہے نہ ہی اس کے ضرر سے۔ تو انہیں مہمل اعمال تسلیم کرنا ایک ناگزیر امر ہے۔

اعمال مہملہ کے نامہ اعمال میں اندراج کے متعلق علماء کے اقوال

مذکورہ بالا نوع کے مہمل افعال و اقوال کا بندہ کے اعمال نامہ میں اندراج علماء کے درمیان ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے بعض کا خیال ہے کہ چونکہ اعمالنامہ میں کسی شئ کا اندراج بے مقصد نہیں ہوتا کیونکہ اس سے مقصد یا تو (اعمال صالحہ کی) جزاء یا (اعمال بد کی) سزا ہے اور جو افعال و اقوال اس سے خارج ہیں ان کے نامہ اعمال میں لکھے جانے کا کوئی مقصد نہیں لہٰذا ایسے اعمال نامہ اعمال میں نہیں لکھے جاتے۔

مگر اکثر علماء یہ فرماتے ہیں کہ انسان کے تمام افعال و اقوال لکھے

جاتے ہیں چنانچہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے :

ونکتب ما قدموا وآثارھم وکل شیء
احصینہ فی امام مبین۔

(یس نمبر ۱۲)

ترجمہ : "اور ہم لکھتے ہیں جو آگے بھیج چکے اور جو نشان ان کے پیچھے رہے اور ہر چیز گن لی ہے ہم نے ایک کھلی اصل میں"۔

....

(ف) :۔ یعنی جس طرح تمام اعمال و اقوال و آثار وقوع کے بعد ضابطہ کے موافق لکھے جاتے ہیں، قبل از وقوع بھی ایک ایک چیز لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

....

(ت) :۔ ہاں مگر یہ علماء ساتھ میں یہ بھی کہتے ہیں اگر کسی کا دفتر اعمال تمام کا تمام اعمال بد سے بھرپور ہو تو ایسے شخص کے مہمل اعمال بھی اسی کے ساتھ شمار کیے جائیں گے انہیں مٹایا نہ جائے گا۔ جیسا کہ اس آیت شریفہ سے واضح ہوتا ہے :

انا کنا نستنسخ ما کنتم تعملون۔

(جاثیہ۔ نمبر ۲۹)

ترجمہ : "ہم (دنیا میں) تمہارے (سب) اعمال کو (فرشتوں سے) لکھواتے جاتے تھے"۔

نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں وارد ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

"جب نامہ اعمال لکھنے والے دونوں فرشتے بندہ کا اعمال نامہ لیکر اوپر جاتے ہیں تو اگر اس میں اول و آخر نیکیاں ہوتی ہیں تو درمیان کی تمام خطائیں مٹادی جاتی ہیں اور اگر ایسا نہیں ہوتا تو سب کا سب (یعنی مکمل رپورٹ) نامہ اعمال میں باقی رہتا ہے"۔

....

(ف) :۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ آیت شریفہ "مایلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید" کی تفسیر میں فرماتے ہیں : کہ حضرت حسن بصریؒ اور امام قتادہؒ نے فرمایا کہ یہ فرشتے اس کا ایک ایک لفظ لکھتے ہیں خواہ اس میں گناہ ثواب نہ ہو۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ صرف وہ کلمات لکھے جاتے ہیں جن پر کوئی ثواب یا عتاب ہو۔

ابن کثیرؒ نے یہ دونوں قول نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ قرآن کے عموم سے پہلی بات کی ترجیح معلوم ہوتی ہے کہ ہر ہر لفظ لکھا جاتا ہے۔ پھر علی بن طلحہ کی ایک روایت ابن عباسؓ ہی سے ایسی نقل فرمائی کہ جس میں یہ دونوں قول جمع ہو جاتے ہیں۔ اس روایت میں ہے کہ پہلے تو ہر کلمہ لکھ لیا جاتا ہے خواہ گناہ ثواب اس میں ہو یا نہ ہو۔ مگر ہفتہ میں جمعرات کے روز اس پر فرشتے نظر ثانی کر کے صرف وہ رکھ لیتے ہیں جن میں ثواب یا عقاب ہو یعنی خیر ہو یا شر ہو باقی کو نظر انداز کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں یمحو اللہ مایشاء ویثبت کے مفہوم میں یہ محو و اثبات بھی داخل ہے۔

....

(ت) :۔ اور جو حضرات اعمال مہملہ کے نامہ اعمال سے خارج کئے جانے اور مٹائے جانے کے قائل ہیں ان کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اعمال مہملہ کی کٹوتی کب ہوا کرتی ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ ہر دو شنبہ وپنج شنبہ کو یہ کٹوتی ہوتی ہے اور علماء کے ہاں جو (روایت) (عہ) مشہور ہے کہ ان ایام میں اعمال پیش ہوتے ہیں اس کا مطلب یہی ہے کہ ان ایام میں مہمل اعمال جن میں کسی قسم کی جزا سزا نہیں دفتر اعمال سے خارج کئے جاتے ہیں۔

....

(عہ) :

(عہ) روی الترمذی عن ابی هریرہ رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم تعرض الاعمال یوم الاثنین والخمیس فاحب ان یعرض عملی وانا صائم (المشکوۃ الصوم صیام التطوع)

اور اکثر علماء کے نزدیک اعمال مہملہ کا دفتر اعمال سے مٹایا جانا روز قیامت سے متعلق ہے اور اس کی دلیل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وہ روایت ہے جسے امام محمدؒ نے اصل کتاب میں ذکر فرمایا ہے :

ان النبی صلی اللہ علیه وسلم قال الدواوین

عند اللہ ثلاثة دیوان لا یعبا به شیئا وهو مالیس فیه جزاء خیر او شر ودیوان مظالم العباد فلا بد فیه من الانصاف والانتصاف والدیوان الثالث ما فیه جزاء من خیر او شر۔ (عہ)

(عہ) رواہ البیهقی فی شعب بلفظ الدواوین عند اللہ ثلاثة دیوان لا یغفرہ اللہ الاشراک باللہ یقول اللہ عز وجل ان اللہ لا یغفر ان یشرک به ودیوان لا یترکه اللہ ظلم العباد فیما بینهم حتی یقتص بعضهم من بعض ودیوان لا یعبا اللہ به ظلم العباد فیما بینهم وبین اللہ وذاک الی اللہ ان شاء عذبه وان شاء تجاوز عنه (المشکوۃ باب الظلم) وذکرہ فی تفسیر ابن کثیر مع خلاف فی اللفظ وقال تفرد به (ابن کثیر ۱/۵۲۱)

ترجمہ :۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کے ہاں اعمالنامے تین قسم کے ہیں ایک وہ کہ جس پر کوئی لے دے نہ ہو یعنی ان اعمال کا دفتر جن میں کسی قسم کی جزا سزا نہیں۔ دوسرا دفتر مظالم کا (حقوق العباد سے متعلق) جس کا انصاف ضرور ہوگا اور حقدار کو حق دلایا جائے گا۔ اور تیسرا دفتر ان اعمال کا جن پر جزا وسزا ہے"۔

اور یہ حدیث شریف اہل سنت والجماعت کے نزدیک صحیح اور مقبول ہے ہاں مگر اس میں اختلاف ضرور ہے کہ اس روایت میں اس دفتر

سے کیا مراد ہے جس کے متعلق روایت میں آیا ہے کہ اس پر لے دے نہ ہوگی۔

بعض کا خیال ہے کہ وہ اعمال نامہ کا دفتر ہے جن کے متعلق ہم نے وضاحت کی ہے ایسے اعمال جن پر نہ جزا ہے نہ سزا اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ اعمال ہیں جو بندہ اور اس کے رب کے درمیان ہیں (یعنی حقوق اللہ) اور جن کا حقوق العباد سے کوئی تعلق نہ ہو کیونکہ حق تعالیٰ شانہ بڑے معاف کرنے والے اور بے انتہاء کرم فرمانے والے ہیں چنانچہ پروردگار عالم اپنے بندوں سے ایک جگہ اس طرح خطاب فرماتے ہیں:

ما یفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم وآمنتم وکان اللہ شاکرا علیما۔

(سورہ نساء ۱۴۷)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ تم کو سزا دیکر کیا کریں گے اگر تم (ان کی نعمتوں کی جو تم پر ہیں) سپاس گزاری (شکر) کرو اور (اس سپاس گزاری کا طریقہ ہمارا پسندیدہ یہ ہے کہ تم) ایمان لے آؤ (یعنی خدا تعالیٰ کا کوئی کام اٹکا نہیں پڑا ہے جو تم کو سزا دینے سے چل جاوے گا صرف تمہارا کفر جو اشد درجہ کا کفران نعمت ہے سبب ہے تمہاری سزا کا اگر اس کو چھوڑ دو تو پھر رحمت ہی رحمت ہے) اللہ تعالیٰ (تو خدمت کی) بڑی قدر کرنے والے (اور خدمت گزاری کے خلوص وغیرہ کو) خوب جاننے والے ہیں (بس جو شخص اطاعت واخلاص سے رہے

اس کو بہت کچھ دیتے ہیں)

اور بعض کے نزدیک اس سے صغائر الذنوب مراد ہیں کیونکہ جو کبائر سے (یعنی بڑے بڑے گناہوں سے) سے اپنا دامن بچاتا ہے اس کے چھوٹے گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اکرم الاکرمین اور ارحم الراحمین کا ارشاد ہے:

ان تجتنبوا کبائر ما تنھون عنہ نکفر عنکم سیاٰتکم۔

(النساء ۳۱)

ترجمہ: "جن کاموں سے تم کو (شرع میں) منع کیا جاتا ہے (یعنی گناہ کے کام) ان میں سے جو بھاری بھاری کام ہیں (یعنی بڑے بڑے گناہ) اگر تم ان سے بچتے رہو تو ہم تمہاری خفیف برائیاں (یعنی چھوٹے چھوٹے گناہ جو کہ دوزخ میں لے جانے والے ہیں) تم سے دور کر دیں گے (یعنی معاف فرمادیں گے)"۔

یعنی یہ دفتر جس پر کوئی لے دے نہ ہوگی ان ہی صغائر کا دفتر ہوگا۔

اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد کفار ومشرکین کے وہ اعمال ہیں جو صورۃ طاعت ہیں کہ ایمان کے بغیر کسی نیک عمل کا کوئی اعتبار نہیں اور ایسے اعمال آخرت میں کوئی کام نہ آئیں گے کیونکہ شرک ایسا جرم عظیم ہے جو کبھی معاف نہیں ہوگا چنانچہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ۔

(سورہ نساء ۴۸)

ترجمہ: "بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو (سزا دے کر بھی) نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے (بلکہ ہمیشہ دائمی سزا میں مبتلا رکھیں گے"۔

....

(ف) شرک اور اس کی قسمیں :۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے بارے میں جو عقائد ہیں اس طرح کا کوئی عقیدہ کسی مخلوق کیلئے رکھنا یہ شرک ہے اس کی کچھ تفصیلات یہ ہیں :

۱) علم میں شریک ٹھہرانا یعنی کسی بزرگ یا پیر کے ساتھ یہ اعتقاد رکھنا کہ ہمارے سب حال کی اس کو ہر وقت خبر ہے۔ نجومی پنڈت سے غیب کی خبریں دریافت کرنا۔ یا کسی بزرگ کے کلام میں فال دیکھ کر اس کو یقینی سمجھنا یا کسی کو دور سے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ اس کو خبر ہو گئی یا کسی کے نام کا روزہ رکھنا۔

۲) اشراک فی التصرف، یعنی کسی کو نفع نقصان کا مختار سمجھنا۔ کسی سے مرادیں مانگنا۔ روزی اور اولاد مانگنا۔

۳) عبادت میں شریک ٹھہرانا، کسی کو سجدہ کرنا کسی کے نام جانور چھوڑنا، چڑھاوا چڑھانا، کسی کے نام کی منت مانگنا، کسی کی قبر یا مکان کا طواف کرنا، خدا کے حکم کے مقابلہ میں کسی دوسرے کے قول یا رسم کو ترجیح دینا، کسی کے روبرو رکوع کی طرح جھکنا، کسی کے نام پر جانور ذبح کرنا، دنیا کے کاروبار کو ستاروں کی تاثیر سے سمجھنا، اور کسی مہینہ کو منحوس سمجھنا وغیرہ۔ (معارف القرآن ۶، ۴۳۰)

(ت) :۔

اور شرک کے ساتھ ان کے نیک اعمال کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے :

وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ هباء منثورا۔

(الفرقان ۲۳)

ترجمہ : "اور ہم (اس روز) ان (کفار) کے ان (نیک) کاموں کی طرف جو کہ وہ (دنیا میں) کر چکے تھے متوجہ ہوں گے سو ان کو (علانیہ طور پر) ایسا بیکار کر دیں گے جیسے پریشان غبار (کہ کسی کام نہیں آتا اسی طرح ان کفار کے اعمال پر کچھ ثواب نہ ہوگا)"۔

بہرحال اس بارے میں قول اول ہی زیادہ قابل ترجیح ہے کہ "دیوان لا یعبابہ" سے مراد مہمل اعمال کا دفتر ہے۔

اور ما قبل میں ہم نے اعمال کے متعلق جو تیسری قسم مباح ذکر کی کہ جس میں بندہ کا نہ نفع ہے نہ ضرر اس سے مراد یہی اعمال ہیں کہ آخرت میں ان پر کوئی لے دے نہ ہوگی۔ کیونکہ حدیث شریف میں اس کی تشریح ان الفاظ میں فرمائی گئی ہے : "وهو ما ليس فيه جزاء خير ولا شر"۔

نامہ اعمال میں محو و اثبات کی تشریح

اور اصل کتاب میں امام محمد رحمہ اللہ نے آیت شریفہ "یمحو

اللہ ما یشاء ویثبت" (الرعد-۳۹) کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے یہ نقل فرمائی کہ اس سے مراد بعض لوگوں کا نام نامرادوں کے دفتر سے مٹا کر نیک بختوں کے دفتر میں درج کرنا ہے۔ نیز بعضوں کا نام نیک بختوں کے دفتر سے خارج کرکے اشقیاء میں شامل کرنا ہے۔

اور مفسرین حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں آپ یوں دعا فرمایا کرتے :

اللهم ان كنت كتبت اسماء نا فى ديوان الاشقياء فامحها من ديوان الاشقياء واثبتها فى ديوان السعداء فانك قلت فى كتابك وقولك الحق ((يمحو الله ما يشاء ويثبت وعنده ام الكتاب))"۔ (عه)

....

(عه) :-

ذكر فى تفسير ابن كثير عن ابى وائل شقيق بن سلمه وامير المومنين عمر بن الخطابؓ وابن مسعودؓ انهم كانوا يدعون بهذا الدعاء (انظر ابن كثير ۲/۵۳۸)

ترجمہ : "(یعنی) اے خداوندا! اگر تو نے ہمارے نام

اشقیاء (بدبختوں) کے دفتر میں لکھے ہیں تو انہیں اس سے خارج فرما کر سعداء (نیک بختوں) کے دفتر میں شامل فرمالے کیونکہ تو نے اپنی کتاب مبارک میں ارشاد فرمایا ہے اور تیرا ارشاد بالکل بجا ہے کہ "مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہے اور باقی رکھتا ہے اور اسی کے پاس ہے اصل کتاب"۔

....

(ف) :- یعنی اپنی حکمت کے موافق جس حکم کو چاہے منسوخ کرے جسے چاہے باقی رکھے جس قوم کو چاہے مٹائے جسے چاہے اس کی جگہ جمادے۔ جن اسباب کی تاثیر چاہے بدل ڈالے جن کی چاہے نہ بدلے جو وعدہ چاہے شرائط کی موجودگی میں ظاہر کرے جو چاہے شرائط کے نہ پائے جانے پر موقوف کردے۔ غرض ہر قسم کی تبدیل و تغییر محو واثبات نسخ واحکام اسی کے ہاتھ میں ہے، قضا وقدر کے تمام دفاتر اسی کے قبضہ میں ہیں اور سب تفصیلات ودفاتر کی جڑ جسے "ام الکتاب" کہنا چاہیے اسی کے پاس ہے، یعنی "علم ازلی" جو ہر قسم کے تبدل وتغیر سے قطعاً منزہ ومبرا ہے اور لوح محفوظ کا ماخذ ہے۔

....

(ت) :- اور حضرت ابن عباسؓ سے جو روایت مشہور ہے وہ یہ ہے کہ یہ محو واثبات انسان کی سعادت وشقاوت اور موت وحیات میں نہیں ہوتا بلکہ ان کے علاوہ تمام امور میں ہوتا ہے۔ (حوالہ سابقہ)

اور فقہائے کرام میں سے بعضوں نے تو پہلی روایت اختیار

فرمائی ہے (کہ محو واثبات ہر شی میں حتی کہ سعادت وشقاوت اور موت وحیات میں بھی ہوتا ہے) اور یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ہمارا روز مرہ کا مشاہدہ ہے کہ ایک کافر آدمی مسلمان ہوجاتا ہے (یعنی شقاوت سے سعادت کی طرف آجاتا ہے) اور مسلمان مرتد ہوجاتا ہے (یعنی سعادت سے شقاوت کی طرف چلا جاتا ہے) نیز تندرست (اچانک) بیمار ہوجاتا ہے اور بیمار اچھا ہوجاتا ہے تو اسی طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں (کہ محو واثبات سعادت وشقاوت میں بھی ہوتا ہے) چنانچہ سعید شقی بن جاتا ہے اور شقی سعید بن جاتا ہے۔ اللہ تعالی کے "علم ازلی محیط" میں بغیر تبدل وتغیر کے۔

للہ الامر من قبل ومن بعد۔

(الروم۔ نمبر ۴)

ترجمہ : "اللہ تعالی کے ہاتھ میں ہیں سب کام پہلے اور پچھلے (یعنی حالات کو الٹ دینا اللہ تعالی کے قبضہ قدرت میں ہے)"

یفعل ما یشاء۔

(آل عمران۔ نمبر ۴۰)

ترجمہ : "وہ جو چاہے کرتا ہے"۔

....

(ف) :۔ یعنی اس کی قدرت ومشیت سلسلہ اسباب کی پابند نہیں۔ (تفسیر عثمانی سورہ آل عمران)

....

(ت) :۔ یحکم ما یرید (المائدہ ۱) اور جو چاہے فیصلہ فرماتا ہے"۔

اور یہ حضرات آیت شریفہ فمنھم شقی وسعید (ھود۔ ۱۰۵) کہ ان میں سے بعض تو شقی ہونگے اور بعض سعید ہوں گے" کہ اسی پر محمول کرتے ہیں۔

....

(ف) :۔ بلاشبہ خدا تعالی کو اپنی مخلوقات میں یہ حق حاصل ہے کہ اپنے اختیار کامل، علم محیط اور حکمت بالغہ کے اقتضاء سے جس چیز کیلئے جن حالات میں جو چاہے فیصلہ فرمادیں۔ لایسئل عما یفعل وھم یسئلون۔ (تفسیر عثمانی بتغیر یسیر)

اور اکثر علماء کے نزدیک دوسری روایت یعنی حضرت ابن عباسؓ کی روایت صحیح اور قابل قبول ہے (کہ سعادت وشقاوت اور موت وحیات اس محو واثبات سے مستثنٰی ہیں) کیونکہ یہی قول مشہور حدیث سے اقرب الی الموافقہ ہے اور وہ حدیث شریف یہ ہے :

السعید من سعد فی بطن امہ والشقی من شقی فی بطن امہ

(الجامع الصغیر ص ۴۸۰۹)

ترجمہ : "سعید ونیک بخت وہی ہے جو شکم مادر ہی میں سعید قرار پاگیا نیز شقی (وبد بخت بھی) وہی ہے جو شکم مادر میں شقی قرار پاگیا"۔

اور آیت شریفہ یمحوا اللہ ما یشاء ویثبت کی تفسیر یہ ہے کہ اس

محو سے مراد بندے کے نامہ اعمال سے ان اعمال کا مٹایا جاتا ہے جن پر کوئی جزا و سزا نہیں۔ اور اثبات سے مراد ان اعمال کا باقی رکھنا ہے جن پر جزاء ہے جیسا کہ ہم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں بیان کیا کہ "الدواوین عند اللہ ثلاثۃ" اور یہی وجہ ہے کہ امام محمدؒ نے اس روایت کو اس حدیث شریف کے متصل ہی بیان فرمایا ہے۔

نیز ایک قول یہ بھی ہے کہ اس محو و اثبات سے مراد بعض قلوب کو معرفت الٰہیہ سے محروم کر کے بعض دوسرے قلوب میں اس کا پیدا کیا جانا ہے چنانچہ اس کی نظیر حق تعالیٰ شانہ کا یہ ارشاد ہے :

یضل من یشاء ویھدی من یشاء۔

(ابراھیم - نمبر ۴)

ترجمہ : "راستہ بھلاتا ہے اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اور راستہ دکھلا دیتا ہے جس کو چاہے"۔

یا اس محو و اثبات سے مراد ہے کہ بندوں کے لئے رزق، سلامتی، بلا و مصیبت اور بیماریاں نیز اسی نوع کے دیگر امور جو قسمت میں لکھے گئے ہیں ان میں یہ محو و اثبات ہوتا ہے۔

پھر امام محمدؒ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وہ روایت نقل فرمائی جسے ہم بتمامہ نقل کر چکے ہیں (جس میں حضرت ابو الہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ کے ہاں کھانا تناول فرمانے کا ذکر اور اس پر حساب کے متعلق استفسار ہے)۔

اور امام محمد رحمہ اللہ کی روایت میں مزید اس قدر اضافہ وارد ہے :

فاما المومن فشکرہ اذا وضع الطعام بین یدیہ ان یقول بسم اللہ واذا فرغ یقول الحمد للہ۔

ترجمہ : "پس مومن کا شکر یہ ہے کہ جب کھانا سامنے آئے تو بسم اللہ کہے اور جب فارغ ہو تو الحمد للہ کہے"۔

اگرچہ علمائے محدثین کی کتب میں یہ زیادتی منقول نہیں مگر امام محمد رحمہ اللہ روایت نقل کرنے میں محدثین کے نزدیک ثقہ و معتمد علیہ ہیں اور احتمال یہ بھی ہے کہ یہ امام محمد رحمہ اللہ کا اپنا کلام ہو جو انہوں نے روایت ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرمایا ہے۔ (عہ)

....

(عہ) :-

وھو الاظھر فالروایۃ التی زادھا الامام محمد علی خبر ابی الھیثم انما ھی من احادیث اخری فقد روی الترمذی وابو داود من حدیث عائشۃؓ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اکل احدکم فنسی ان یذکر اللہ علی طعامہ فلیقل بسم اللہ اولہ وآخرہ۔ (المشکوۃ، الاطعمہ فص ۲) وفی روایۃ اذا اکل احدکم طعاما فلیقل بسم اللہ ..... الحدیث (ح ک وعزاہ الی الترمذی)

اور ویسے روایات میں اس کے ہم معنی احادیث منقول ہیں چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب مومن کے سامنے کھانا رکھا جائے اور وہ بسم اللہ کہے اور فراغت پر الحمد للہ کہے تو اس کے گناہ ایسے جھڑ جاتے ہیں جیسے (پت جھڑ میں) درختوں کے پتے اگرچہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ (عد)

(عہ) رواہ الترمذی بلفظ ان رسول اللہ ﷺ مر علی شجرۃ یابسۃ الورق فضربها بعصاہ فتناثر الورق فقال ان الحمد للہ وسبحان اللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر تساقط ذنوب العبد کما یتساقط ورق ھذہ الشجرۃ۔ (مشکوۃ الدعوات باب ثواب التسبیح وغیرہ)

نیز ایک روایت ہے: "الحمد للہ ہر نعمت کا بدل ہے"۔ (عد) نیز ارشاد ہے کہ "اگر ساری دنیا (کی نعمتیں) ایک لقمہ بنادی جائیں اور مومن اسے کھاکر الحمد للہ کہے تو اس کا یہ کہنا اس سے بڑھ کر ہوگا جو کچھ اسے ملا۔" (عد)

....

(عد) :-

رواہ البیہقی فی الشعب بلفظ الحمد للہ راس الشکر .... الحدیث (مشکوۃ الدعوات باب ثواب التسبیح والتحمید والتکبیر والتہلیل۔

....

(عہ) :-

رواہ ابن ماجہ بالفاظ متقاربۃ وقد تقدم۔

اور یہ حقیقت واضحہ ہے کیونکہ حق تعالی شانہ نے دنیا کو قلت اور حقارت سے موصوف فرمایا چنانچہ ارشاد ہے:

قل متاع الدنیا قلیل۔

(النساء۔ نمبر ۷۷)

ترجمہ: "(یعنی) کہہ دے کہ فائدہ دنیا کا تھوڑا ہے"۔

اور اس کے مقابلہ میں ذکر الٰہی یعنی الحمد للہ کہنے کا مرتبہ بہت ہی اونچا اور افضل ہے۔ کیونکہ بندہ نے اپنے پروردگار کی تعظیم کی اور حق شکر ادا کیا لہذا یہ کلمہ دنیا ومافیہا سے بڑھ کر ہوا۔

مردوں کے لئے ریشمی لباس کا حکم

پھر امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا:

"مردوں کے لئے ریشمی لباس کا استعمال سوائے حالت جنگ کے کہیں جائز نہیں"۔

یہ مسئلہ اس کتاب سے متعلق نہیں کیونکہ یہ کتاب "زھد" (یعنی دنیا سے بے رغبتی) سے متعلق ہے۔ چنانچہ امام محمد رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ جب وہ کتابوں کی تصنیف سے فارغ ہوگئے تو ان سے عرض کیا گیا کہ زھد وورع کے متعلق بھی آپ کچھ تصنیف فرمادیتے تو بہت اچھا ہوتا۔ امام صاحب نے فرمایا میں کتاب البیوع (جو اس موضوع کو بھی

شامل ہے) تصنیف کرچکا ہوں پھر آپؒ نے مستقل اس کتاب زھد کی تصنیف کا آغاز فرمایا۔ مگر آپ پر ایسی سخت بیماری کا حملہ ہوا کہ آپ کے دماغ میں خشکی پیدا ہوگئی اور آپ اپنی مراد پوری نہ کرسکے۔

(ف) :۔ یعنی امام محمدؒ نے کتاب الیوع (جس میں سے یہ کتاب الکسب بھی ہے) سے فراغت کے بعد کتاب الزھد والورع تصنیف فرمانے کا ارادہ فرمایا اور اسے شروع بھی فرمادیا تھا مگر چونکہ عمر کا آخری حصہ تھا ضعف کی وجہ سے آپ کی مراد پوری نہ ہوسکی۔

(ت) :۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ اپنی تصنیف میں جو کچھ تحریر فرمانا چاہتے تھے تو کم از کم اس کی فہرست ہی لکھوادیں چنانچہ آپ نے زھد وورع سے متعلق ایک ہزار عنوانات لکھوائے جو آپ اس کتاب میں شامل فرمانا چاہتے تھے۔ اسی بناء پر بعض علمائے متاخرین کا یہ مقولہ نقل کیا گیا ہے کہ امام محمدؒ کی وفات ہوجانا اور امام ابو یوسفؒ کا امور قضاء میں مشغول ہوجانا امام ابو حنیفہؒ کے متبعین کیلئے رحمت ہے ورنہ تو یہ حضرات ایسی ایسی تصانیف چھوڑ جاتے کہ اس سے استفادہ کرنے والے بڑی مشکل میں پڑجاتے۔

اور وہ کتاب زھد وورع کے موضوع پر پہلی تصنیف ہے۔ اس میں امام صاحبؒ نے اخیر میں موضوع کی مناسبت سے چند مسائل درج فرمائے ہیں ان میں سے ایک مسئلہ "لبس حریر" کا ہے۔ اس کی حرمت

کی دلیل ایک روایت ہے (ص) وہ یہ کہ ایک روز نبی کریم ﷺ گھر سے باہر تشریف لائے آپ کے دائیں ہاتھ میں سونا اور بائیں میں ریشم تھا اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "یہ دونوں شے میری امت کے مردوں کے لئے حرام ہیں اور عورتوں کے لئے حلال ہیں"۔

(ص) :۔

روی احمد وابو داود والنسائی ان النبی ﷺ اخذ حریرا فجعله فی یمینه واخذ ذهبا فجعله فی شماله ثم قال ان هذین حرام علی ذکور امتی۔ (المشکوۃ،اللباس،الخاتم) وفی جامع الصغیر بلفظ حرم لباس الحریر والذهب علی ذکور امتی واحل لاناثهم۔ (حدیث ۳۶۹۹)

امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک تو اس کا استعمال حالت جنگ میں ہو یا ویسے ہی ہو ناجائز ہے مگر صاحبین (امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ) کے نزدیک اگر یہ اتنا موٹا اور دبیز ہے کہ اس پر اسلحہ (تلوار وغیرہ) اثر انداز نہیں ہوسکتا تو اس کا حالت جنگ میں استعمال کرنا جائز ہے۔ اور جس کپڑے کا تانا یا بانا ریشمی نہ ہو (یعنی خالص ریشمی کپڑا نہ ہو) ایسے کپڑے کا استعمال کسی ضرورت کے تحت حالت جنگ کے علاوہ بھی جائز ہے مثلاً حد سے زیادہ جوئیں پڑجانے یا اسی قسم کی دوسری مجبوریوں میں اس کا استعمال جائز ہے۔ اور اس کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

گھر کی آرائش وزیبائش میں سونے چاندی کا استعمال

اگر آدمی گھر میں ذاتی استعمال کے بجائے لوگوں میں خوشنمائی کے لئے سونے چاندی کی مسہری جس پر دیباج اور کمخواب کے بستر ے ہوں بشرطیکہ اسے بیٹھنے یا سونے کے کام میں نہ لائے تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ ایسا کرنا سلف میں سے بعض صحابہ وتابعین سے منقول ہے چنانچہ حضرت حسنؓ یا حضرت حسینؓ (علی اختلاف الروایہ) میں سے کسی نے ایران کی شہزادی شاہ بانو سے شادی کی تو آپ کا گھر کمخواب کے بچھونوں نیز سونے چاندی کے برتنوں سے سجایا گیا تھا۔ پھر کوئی صحابی رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لائے تو انہوں نے اس پر اشکال کیا اور فرمایا کہ اے رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے آپ کے گھر میں یہ کیا ہو رہا ہے؟ تو سبط رسول ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ عورت جس سے شادی ہوئی ہے وہ یہ سب کچھ لے کر آئی ہے اور مجھے اسے منع کرتے ہوئے اچھا نہ لگا۔

....

(ف) :- موقع محل و مصلحت کے اعتبار سے بعض وقت بعض اشیاء کا حکم تبدیل ہو جاتا ہے چنانچہ فقہاء کا ایک مقولہ مشہور ہے "الضرورات تبیح المحظورات" اور ان جلیل القدر صحابی وتابعی کی موقع شناسی اور حکمت عملی پر کے کلام ہو سکتا ہے۔ مگر چونکہ آئندہ آنے والوں کے متعلق

اندیشہ تھا کہ وہ اسے اپنی خوش عیشی وآرام طلبی کی دلیل نہ بنالیں اور ان حضرات کی مجاہدانہ زندگی سے صرف نظر نہ کرلیں اس لئے ایک صحابی نے انہیں ایسا کرنے پر حضور ﷺ کی قرابت کا حوالہ دیا مگر جب مصلحت سامنے آگئی تو انہوں نے اصرار بھی نہیں فرمایا۔ یہاں حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کی توجیہ کا مکرر نقل کر دینا فائدے سے خالی نہیں۔ وہ ارشاد فرماتے ہیں :

> "یہاں ایک بات خاص طور سے قابل لحاظ ہے وہ یہ کہ ان حضرات حمول صحابہ کرامؓ کے ان احوال سے مال کی کثرت کے جواز پر استدلال تو ہو سکتا ہے کہ خیر القرون اور خلفائے راشدین کے دور میں یہ مثالیں بھی ملتی ہیں لیکن ہم لوگوں کو اس زہر کے اپنے پاس رکھنے میں ان کے اتباع کو آڑ بنانا ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی تپ دق کا بیمار کسی جوان قوی تندرست کے اتباع میں روزانہ صحبت کیا کرے وہ تین چار دن میں قبر کا گڑھا ہی دیکھے گا۔" (فضائل صدقات ص ۱۸۴)

ویسے بھی امام صاحبؒ کی یہ روایت بعینہٖ باوجود تلاش بسیار کے مجھے نہ مل سکی اس کے لئے میں نے البدایہ والنہایہ اور سیر اعلام النبلاء کا مراجعہ کیا اس میں بھی نہ مل سکی ممکن ہے کسی اور تاریخ کی کتاب میں مذکور ہو ہاں ان مذکورہ دو کتابوں میں ان حضرات کی فراخدلی اور سخاوت کے واقعات ضرور ملتے ہیں مگر ان شاذ ونادر واقعات کو دولت جمع کرنے کی دلیل بنانا کسی طرح ہمارے لئے درست نہیں خصوصا اس گئے گزرے زمانے میں تو یہ اور بھی فتنہ وفساد اور ہلاکت کا باعث ہے۔

(ت) :۔ نیز محمد بن الحنفیہؒ سے بھی منقول ہے کہ انہوں نے بھی اسی طرح اپنے گھر کی زیبائش کی تو بعض صحابیؓ نے ان کے ایسا کرنے پر ناراضگی کا اظہار فرمایا حضرت محمد بن الحنفیہ نے عرض کیا کہ میرا مقصود اس سے لوگوں میں اپنی ساکھ رکھنا ہے ورنہ میں اسے استعمال تو کرتا نہیں بس یہ تو ایک بہانہ ہے تاکہ کسی کا قلب میرے متعلق جلائے فکر نہ ہو یا کوئی مجھے حقارت کی نظر سے نہ دیکھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نیک مقصد سے اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں مگر افضل یہی ہے کہ آدمی ان بکھیڑوں میں نہ پڑے۔ اور یہ آیت شریفہ قل من حرم زینۃ اللّٰہ الخ (جس کی تفسیر گزر چکی) میں داخل ہے (یعنی ایسا کرنے کا جواز اسی آیت سے ثابت ہے)۔

اور ریشمی کپڑے پر نہ بیٹھنے یا نہ لیٹنے کی جو شرط مذکور ہوئی وہ امام محمد رحمہ اللہ کی رائے ہے ورنہ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر بیٹھنا یا سونا منع نہیں بلکہ ممانعت ریشمی لباس پہننے کی حد تک ہے کیونکہ لباس پہننے والے کے تابع ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ اس پر بیٹھنے یا لیٹنے سے یہ صورت لازم نہیں آتی اس لئے ایسا کرنا ممنوع نہیں۔

مساجد میں نقش ونگار کا حکم

امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "مسجد میں چونہ گچ اور ساج کی لکڑی نیز سونے کے پانی سے نقش ونگار کرنا لاباس بہ (یعنی اس میں کوئی گناہ نہیں) ہے۔

گویا کہ لاباس بہ کہہ کر امام صاحبؒ نے یہ ارشاد فرمایا کہ ایسا کرنا کار ثواب نہیں کیونکہ لفظ لاباس بہ دفع حرج (گناہ کی نفی) کیلئے ہے نہ کہ ثواب ثابت کرنے کے لئے جس کا مطلب یہ ہوا کہ آدمی اس پر بغیر جزا وسزا کے چھوٹ جائے یہی اس کے لئے کافی ہے۔ اور یہی فقہاء کا مذہب ہے۔

اور اصحاب ظواہر (ظاہر حدیث پر عمل کرنے والے) اسے ناجائز قرار دیتے ہیں اور ایسا کرنے والے کو گنہگار ٹھہراتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ فعل سنت مصطفویہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ جب حضور اقدس ﷺ سے پرانی مسجد منہدم کرکے نئی مسجد تعمیر کرنے کی فرمائش کی گئی تو حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا "نہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سائبان جیسا سائبان"۔ (عہ)

....

(عہ) :۔

اخرجہ الطبرانی فی الکبیر بلفظ لیس لی رغبۃ عن اخی موسیٰ (علیہ السلام) عریش کعریش موسیٰ۔

اور آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مسجد نبوی کی چھت کھجور کی ٹہنیوں کی تھی جو بارش میں خوب ٹپکتی تھی یہاں تک کہ بعض اوقات لوگوں کو مٹی پانی میں سجدہ کرنا پڑتا تھا۔ (عہ)

....

کما ورد ذلک فی حدیث تحری لیلة القدر- رواه الشیخان-

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کا گزر ایک خوبصورت (نقش ونگار والی) مسجد پر ہوا آپ فرمانے لگے "یہ گرجا گھر" کس کا ہے؟ یعنی مسجد کے ساتھ ایسا کرنے پر آپ نے اس طرح ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

اور جب خلیفہ ولید بن عبدالملک نے مسجد نبوی کی تزئین وآرائش کے واسطے چالیس ہزار دینار روانہ کئے اور اس کا ذکر حضرت عمربن عبدالعزیزؒ پر ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا غرباء ومساکین اس دولت کے زیادہ مستحق ہیں (دیواروں اور) ستونوں سے۔

اس کی ممانعت اور ناپسندیدگی کے متعلق یہ روایت اصل (دلیل) ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

من اشراط الساعة ان تزخرف المساجد وتعلی المنارات وقلوبهم خاویة من الایمان-

ترجمہ: "یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ مساجد کو خوب سجایا جائے گا اور منارے اونچے اونچے تعمیر ہوں گے مگران (کے منتظمین ومصلین) کے قلوب ایمان سے بے بہرہ ہوں گے"۔(ع)

....

(ع):- رواه ابو داود والنسائی والدارمی وابن ماجه "من اشراط الساعة ان یتباهی الناس فی المساجد وروی ابو داود ما امرت بتشیید المساجد قال ابن عباس تزخرفها کما زخرفت الیهود والنصاری-

(مشکوة الصلوة المساجد ومواضع الصلوة)

مگر ہمارے نزدیک ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اس میں مسجد کی جماعت میں زیادتی کی توقع ہے اور (آج کل کی طبیعتوں کے اعتبار سے) ایسا کرنا لوگوں کے مسجد میں آنے اور اعتکاف کرنے اور نماز کے انتظار میں بیٹھنے کے واسطے ترغیب وتشویق کا ذریعہ ہے اور مسجد میں اعتکاف کرنا اور نماز کے انتظار میں بیٹھنا یہ سب مستقل عبادت وقربت ہے اور اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔

نیز اس کے جواز کی دلیل یہ روایت بھی ہے کہ پہلے پہل جس نے بیت المقدس کی تعمیر کی وہ حضرت داود علیہ السلام ہیں۔ پھر اس تعمیر کی تکمیل ان کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے کی نیز انہوں نے اس کی تزئین کا اس قدر اہتمام فرمایا کہ اس کے گنبد میں اس وقت کا سب سے نایاب اور بیش بہا پتھر کبریت احمر نصب کروایا کہ اس کی روشنی ایک میل تک پھیلی تھی اور سوت کاتنے والیاں راتوں کو اس کی روشنی میں ایک میل دور بیٹھ کر بھی اپنے سوت کاتا کرتی تھیں۔

اور حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد مسجد حرام کی

تزئین فرمائی۔ اور امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کی تزئین وتوسیع فرمائی اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے بعد اپنے ذاتی خرچ پر مزید اس کی توسیع فرمائی اور اس کی آرائش کا بطور خاص اہتمام فرمایا۔

....

(عہ) :۔

اخرج البخاری وابو داود عن نافع ان عبد اللہ یعنی ابن عمر اخبرہ ان المسجد کان علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبنیا باللبن وسقفہ الجرید وعمدہ خشب النخل۔

فلم یزد فیہ ابو بکرؓ شیئا وزاد فیہ عمرؓ وبناہ علی بنائہ فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باللبن الجرید واعاد عمدہ خشبا ثم غیرہ عثمانؓ فزاد فیہ زیادۃ کبیرۃ وبنی جدارہ بالحجارۃ المنقوشۃ وسقفہ بالساج۔ (کذا فی حیاۃ الصحابۃ ۳ر۱۰۰)

....

(ت) :۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور وہ روایات جو عدم جواز کی طرف مشیر ہیں جیسا کہ ایک روایت کے آخر میں "وقلوبھم خاویۃ من الایمان" وارد ہوا ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسجدوں کی سجاوٹ بناوٹ کا تو خیال رکھتے ہیں لیکن اس میں نماز با جماعت کا کوئی اہتمام نہیں۔ یا ان

روایات میں مراد وہ تزئین وآرائش جو غیر طیب مال سے ہو یا جو نام ونمود کے لئے ہو۔ اور اسی پر ان روایات کو محمول کرنا چاہئے تاکہ دونوں قسم کی روایات پر جمع ہو جائے۔

اور یہ تمام تفصیل اس وقت ہے جب کہ آدمی اپنے ذاتی حلال مال سے مسجد کی آرائش کرے ورنہ اگر اس نے مسجد کے مال کو اس میں لگایا تو وہ گناہگار ہے کیونکہ مسجد کے مال میں تصرف کا حق صرف اسی حد تک ہے جس سے اس کی عمارت میں مضبوطی اور استحکام پیدا ہو اور آرائش سے عمارت میں کوئی استحکام نہیں آتا حتی کہ ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ "متولی کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ مسجد کے مال سے اس کی دیواروں پر گچ کاری کروائے مگر یہ جائز نہیں کہ مسجد کے مال سے گچ پر نقش ونگار کروائے اگر وہ ایسا کرے گا تو اس مال کا ضامن وہ خود ہوگا۔" کیونکہ گچ کاری (پلاسٹر) سے تو عمارت میں مضبوطی آتی ہے مگر اس پر نقش ونگار کرنے سے مضبوطی کے بجائے کمزوری آتی ہے لہٰذا متولی جو مال مسجد کی آرائش پر خرچ کرے گا وہ اسے اپنی طرف سے ادا کرنا ہوگا۔

حضرت امام صاحبؒ فرماتے ہیں :

"دیکھنے کی بات ہے کہ آدمی اپنا گھر بناتا ہے اور
اس کی چھت سونے کے پانی سے منقش کراتا ہے مگر اس
میں وہ گناہ گار نہیں ہوتا"۔

مراد یہ ہے کہ انسان جو کچھ اپنے گھر کی آرائش پر صرف کرتا ہے اس میں اسے اپنی ذاتی منفعت مقصود ہوتی ہے اور مسجد کی

آرائش پر کچھ خرچ کرتا ہے تو اس میں ذاتی منفعت کے ساتھ غیروں کی منفعت بھی شامل ہوتی ہے۔ اور جب انسان کو ذاتی منفعت کے لئے اس طور پر خرچ کرنا درست ہے تو عمومی منفعت کے لئے ایسا کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ اور چونکہ ہمیں مساجد کی تعظیم و تکریم کا حکم ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ عوام میں سے بعض لوگوں کے قلوب میں مسجد کی عظمت اس کی آرائش کی وجہ سے دوچند ہو جاتی ہے اور اس معنی پر محمول کرتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایسا کرنے والا اجر وثواب کا مستحق معلوم ہوتا ہے۔

....

(ف) :۔ فی بیوت اذن اللہ ان ترفع۔ میں رفع مساجد کا مفہوم جمہور صحابہ و تابعین کے نزدیک یہی ہے کہ مسجدیں بنائی جائیں اور ان کو ہر بری چیز سے پاک صاف رکھا جائے۔ بعض حضرات نے اس میں مسجدوں کی ظاہری شان وشوکت اور تعمیری بلندی کو بھی داخل قرار دیا ہے اور استدلال کیا ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ نے مسجد نبوی کی تعمیر سال کی لکڑی سے شاندار بنائی تھی اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد نبوی میں نقش ونگار اور تعمیری خوبصورتی کا کافی اہتمام فرمایا تھا اور یہ زمانہ اجلہ صحابہ کا تھا، کسی نے ان کے اس فعل پر انکار نہیں کیا اور بعد کے بادشاہوں نے تو مسجدوں کی تعمیرات میں بڑے اموال خرچ کئے ہیں۔ ولید بن عبدالملک نے اپنے زمانہ خلافت میں دمشق کی جامع مسجد کی تعمیر وتزئین پر پورے ملک شام کی سالانہ آمدنی سے تین گنا زیادہ مال خرچ کیا تھا۔ ان کی بنائی ہوئی یہ

مسجد آج تک قائم ہے، امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر نام ونمود وشہرت کے لئے نہ ہو اور اللہ کے گھر کی تعظیم کی نیت سے کوئی شخص مسجد کی تعمیر شاندار بلند و مستحکم خوبصورت بنائے تو کوئی ممانعت نہیں بلکہ امید ثواب کی ہے۔ (معارف القرآن ۶ر۴۲۷ تفسیر سورہ نور)

....

(ت) :۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

یثاب المومن علی انفاق مالہ فی کل شیء الا فی البنیان۔ (عہ۱)

(زاد فی بعض الروایات ما خلا المسجد۔ (عہ۲)

....

(عہ۱) :۔

رواہ الترمذی وابن ماجہ بلفظ ما انفق مومن من نفقة الا اجرفیھا الا نفقة فی ھذہ التراب۔ (مشکوة الرقاق فصل ۲)

....

(عہ۲) :۔

روی الشیخان فی فضل بناء المسجد من بنی للہ مسجدا بنی اللہ لہ بیتا فی الجنة وفی

الجامع الصغیر من بنی للہ مسجدا ولوکمفحص قطاۃ لبیضھا بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ (ص۸۵۱۶)

ترجمہ : "مومن کو مال خرچ کرنے پر ہر جگہ اجر و ثواب ملتا ہے۔ سوائے تعمیرات کے اور بعض روایات میں یہ زیادتی وارد ہے۔ ما خلا المسجد یعنی مسجد کی تعمیر اس سے مستثنیٰ ہے (یعنی اس پر مال خرچ کرنے میں بھی اجر و ثواب ہے)۔

اگر یہ زیادتی (ما خلا المسجد) ثابت ہے تو یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مسجد کی تعمیر و تزئین پر انسان جو کچھ خرچ کرتا ہے اس پر اسے ثواب ملتا ہے۔

انفرادی عیش و تنعم کے حدود

ملبوسات کا بھی یہی حکم ہے کہ انسان کے لئے بیش قیمت اور عمدہ ونفیس پوشاک کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں چنانچہ حضور اکرم ﷺ کے پاس فنک (ایک عمدہ قسم کی اون) کی پوستین تھی جس پر ریشمی کام تھا آپؐ اسے عید کے موقع پر یا مہمانوں کی آمد پر زیب تن فرمایا کرتے تھے۔

مگر اولیٰ وافضل یہی ہے کہ لباس فاخرہ کے بجائے معمولی لباس پر اکتفا کرنے کی عادت رکھے چنانچہ روایت میں حضور اکرم ﷺ کے معمول کے لباس کے متعلق یہ الفاظ وارد ہیں : "کانہ ثوب دھان" (عہ) یعنی گویا کہ کثرت سے تیل استعمال کرنے والے کے لباس میں"۔

(عہ) :-

ذکر الامام ابو الفرج عبدالرحمٰن بن الجوزی عن انس کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکثر القناع کان ثوبہ ثوب زیات۔ (الوفاء با حوال المصطفیٰ۔ ا۔ ۵۶۹)

اور اسی طرح اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کہ آدمی خوبصورت باندی اپنے سرور وانبساط کے لئے رکھ چھوڑے چنانچہ حضور اکرم ﷺ کے حرم میں متعدد ازواج مطہرات کے ساتھ باندیوں کا بھی ذکر ہے حتی کہ حضرت ماریہ قبطیہؓ جو ابراھیم ابن النبی الکریم علیھما افضل الصلوۃ وازکی التسلیم کی والدہ ہوئیں۔

(ف) :- یوں تو ہر شخص اپنے روپے پیسے اور ذرائع آمدنی کو انفرادی ملکیت کی بنا پر اپنی راحت اور اپنے عیش پر صرف کرنے میں مختار ومجاز ہے' لیکن اگر یہی اختیارات واجازت حد اعتدال سے نکل کر اس غلط راہ پر پڑجائے کہ عورتوں میں زیور کی کثرت' زیب وزینت کی گراں قیمت اشیاء کی خریداری' فیشن کی دلدادگی اور مردوں میں اسراف ونمائشی اخراجات وضروریات انسانی سے الگ خارج از اعتدال تفریحی اخراجات کا ایسا ہمہ گیر شوق وذوق پیدا ہوجائے کہ قوم کی قوم اس میں مبتلا نظر آئے اور یہاں تک نوبت پہنچ جائے کہ بازاروں میں عام حاجات کی اشیاء کے مقابلہ میں بناوٹی

حسن اور زیبائش کی اشیاء کا لین دین بڑھ جائے' اہل صنعت وحرفت کی نظر ان ہی امور کی دیدہ ریزی اور لطافت آفرینی میں محو اور مصروف ہوجائے۔ تجار کی تجارت کا فروغ صرف اسی پر رہ جائے' مردوں کی محنت کا ثمرہ دولت اسی پر صرف ہونے لگے اور عام ضروریات کی تجارت خام اجناس کی زراعت اور رفاع عام کے سلسلہ کی صنعت وحرفت کساد بازاری کی نذر ہونے لگے' تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس قوم کا اقتصادی جہاز گرداب ہلاکت میں گھر چکا ہے اور آج نہیں تو کل اس کے لئے تخت کی جگہ تختہ اور زربفت وکمخواب کی جگہ ٹاٹ وپلاس بھی میسر نہیں آئے گا۔ (اسلام کا اقتصادی نظام ص ۳۰۱)

....

(ت) :-

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی روایات سے ثابت ہے کہ آپ نے دیگر ازواج کے ساتھ باندی رکھی جن سے حضرت محمد بن الحنفیہ تولد ہوئے۔ تو معلوم ہوا کہ ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور اس کا جواز درحقیقت حق تعالیٰ شانہ کے اس ارشاد سے نکلتا ہے "قل من حرم زینۃ اللّٰہ (الاعراف ۳۲)

اور حضرت امام صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ :

"اگر لوگ اس (طرح کی خوش عیشی کو بھی ترک کردیں اور اس) سے کم پر قناعت کرتے ہوئے بقیہ کو آخرت کے لئے آگے چلتا کردیا کریں تو یہ ان کے لئے

بہت بہتر ہے"۔

اور اس کی دلیل حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی ایک نصیحت ہے' چنانچہ روایت میں ہے کہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ موسم حج میں خانہ کعبہ کا پردہ پکڑ کر باواز بلند یہ ارشاد فرماتے سن لو! جو مجھے پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہی ہے اور جو مجھے پہچانتا نہیں تو وہ اب پہچان لے کہ میں ابو ذر جندب بن جنادہ صحابی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں اور بے شک جب تم میں سے کوئی (دنیاوی) سفر اختیار کرتا ہے تو اس کے لئے پوری تیاری کرتا ہے تو تمہیں کیا ہوگیا کہ تم آخرت کے سفر کے لئے تیاری نہیں کررہے حالانکہ تمہیں اس کا اچھی طرح یقین ہے کہ تمہیں سفر آخرت کرنا ضرور ہے۔ اور یہ جان لو کہ دنیاوی سفر میں آدمی جب چاہتا ہے اپنی مرضی سے گھر لوٹ جاتا ہے اور کسی سے قرض مانگتا ہے تو وہ بھی مل جاتا ہے حتی کہ اگر کسی سے کچھ مفت ہی طلب کرتا ہے تو بسا اوقات اس کی مراد پوری ہوجاتی ہے مگر سفر آخرت میں یہ سب کچھ نہیں ہوگا (ا) (وہاں تو وہی کچھ ملے گا جو انسان نے اپنے لئے آگے بھیج رکھا ہوگا)

اور حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا بات ہے ہم موت کا یقین رکھتے ہیں مگر مرنا پسند نہیں کرتے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ بات یہ ہے کہ تم نے دنیا سے لو لگالیا ہے اس لئے تم اسے چھوڑ کر جانا نہیں چاہتے اگر تم اپنے محبوب کو آگے بھیج دو تو پھر تمہیں اپنے محبوب سے ملنے کا شوق پیدا ہوجائے گا۔

پس ہمیں معلوم ہوا کہ افضل واعلیٰ مقام یہی ہے کہ انسان اپنی

ضرورت بھر روزی پر قناعت کرکے اپنی بقیہ کمائی کو آخرت کے لئے جمع کردیا کرے۔ لیکن اگر وہ (کبھی کبھار) تھوڑا بہت دنیا ہی میں اس سے متمتع ہوتا ہے اور کمائی حلال ہے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور ایسے شخص کو جو حلال کماکر اپنے اوپر اور اپنے اہل وعیال پر (بافراغت) خرچ کرتا ہے اور حقوق اللہ کا خیال رکھتا ہے' گنہگار کہنا درست نہیں' ہاں یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ (گزارہ کرنے کا) بہتر طریقہ وہی ہے جسے انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام نے اختیار فرمایا اور وہ جیسا کہ ہم بیان کرچکے یہ ہے کہ انہوں نے دنیا سے اسی قدر استفادہ فرمایا جس کے بغیر چارہ نہیں خصوصا ہمارے آقا سرکار دوعالم ﷺ کی شان عالی اس میں سب سے نمایاں ہے چنانچہ آپ پر زمین کے خزانوں کی کنجیاں پیش کی گئیں مگر آپؐ نے یہ فرماتے ہوئے انہیں لوٹادیا کہ "مجھے تو بندہ خدا (نیاز مند) نبی بن کر رہنا منظور ہے تاکہ کبھی فاقہ ہو کبھی سیری کہ فاقہ پر صبر کروں اور سیری پر شکر بجالاؤں"۔

حضور اکرم ﷺ کا معمول تو یہی تھا مگر آپؐ کبھی کبھار طیبات کا استعمال بھی فرمالیتے تھے چنانچہ ایک دن آپؐ نے اپنی رغبت کا اظہار یوں ارشاد فرمایا : "لیت لنا خبز بر مقد لبق بسمن وعسل فناکلہ"۔ یعنی کاش کہ گندم کی روٹی گھی اور شہد میں بھگوئی ہوئی ہوتی کہ ہم اسے کھاتے"۔

پس حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایک بڑے پیالہ میں اسے تیار کرکے لائے' بعض روایت میں کہا گیا ہے کہ آپؐ نے اس میں سے نوش نہیں فرمایا مگر زیادہ صحیح یہ ہے کہ آپؐ نے اس میں سے تھوڑا سا تناول

فرماکر بقیہ صدقہ کروادیا۔ نیز حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک فربہ بکری کا بچہ بھنا ہوا ھدیۃً آیا اسے آپؐ نے مع اصحاب کے تناول فرمایا۔ نیز زہر آلودہ بکری سے تناول فرمانا بھی مشہور واقعہ ہے۔ اور ایک بار جب آپ کی خدمت میں بھنا ہوا بکرا لایا گیا تو آپ نے ایک صاحب سے ارشاد فرمایا "ناولنی الذراع" یعنی اگلی دست مجھے بڑھاؤ۔

پس ان روایات سے یہ بات آشکارا ہوگئی کہ آنحضرت ﷺ نے بیان جواز کے لئے بعض اوقات لذیذ اور مرغوب اشیاء کا استعمال فرمایا ہے۔ اور عامۃً آپؐ کا معمولی غذا پر اکتفاء فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ قناعت اور سادگی افضل ہے۔ چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم ﷺ کی سادگی یاد کرکے رویا کرتی تھیں اور فرماتی تھیں "وہ ذات پاک جس نے نہ کبھی ریشمی لباس پہنا نہ کبھی سیر ہوکر جو کی روٹی کھائی"۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ انسان کا کم سے کم پر جو اس کی ضروریات کے لئے کافی ہو گزارہ کرنا عزیمت اور مزید نعمتوں اور مرغوبات کا استعمال رخصت ہے اور حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے :

ان اللہ یحب ان یوتی برخصہ کما یحب ان
یوتی بعزائمہ (۱)

ترجمہ : "بلاشبہ اللہ تعالی کو (اپنی دی ہوئی) رخصت پر عمل کرنا اتنا ہی محبوب ہے جتنا عزیمت پر عمل کرنا"۔

نیز آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے :

بعثت بالحنیفیة السمحة ولم ابعث بالرهبانیة الصعبة۔ (عه)

(عه) انی لم ابعث بالیهودیة ولا بالنصرانیة ولکنی بعثت بالحنیفیة السمحة رواه احمد (المشکوة الجهاد فص ۳)

وفی الجامع الصغیر بعثت بالحنیفیة السمحة ومن خالف سنتی فلیس منی ص ۲۱۵۔

ترجمہ : "میں آسان دین لے کر آیا ہوں تشدد پسند رہبانیت لے کر نہیں آیا۔

....

(ف)

رہبانیت کیا ہے؟ :۔ رہبانیت رہبان کی طرف منسوب ہے، راہب اور رہبان کے معنی ہیں ڈرنے والا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جب بنی اسرائیل میں فسق وفجور عام ہوگیا خصوصا ملوک اور روٴساء نے احکام انجیل سے کھلی بغاوت شروع کردی ان میں جو کچھ علماء وصلحاء تھے انہوں نے اس بد عملی سے روکا تو انہیں قتل کردیا گیا۔ جو کچھ بچ رہے انہوں نے دیکھا کہ اب منع کرنے اور مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں اگر ہم ان لوگوں میں مل جل کر رہیں تو ہمارا دین بھی برباد ہوگا۔ اس لئے ان لوگوں نے اپنے اوپر یہ بات لازم کرلی کہ اب دنیا کی سب جائز لذتیں اور آرام بھی چھوڑدیں، نکاح نہ کریں، کھانے پینے کے سامان جمع کرنے کی فکر نہ کریں، رہنے سہنے کے لئے مکان اور گھر کا اہتمام نہ کریں، لوگوں سے دور کسی جنگل پہاڑ میں بسر کریں یا خانہ

بدوشوں کی طرح زندگی سیاحت میں گزاریں تاکہ دین کے احکام پر آزادی سے پورا پورا عمل کرسکیں۔ ان کا یہ عمل چونکہ خدا تعالیٰ کے خوف سے تھا اس لئے ایسے لوگوں کو راہب یا رہبان کہا جانے لگا۔ اور ان کی طرف نسبت کرکے ان کے طریقہ کو رہبانیت سے تعبیر کرنے لگے۔

کیا رہبانیت مطلقاً مذموم ہے یا اسمیں کچھ تفصیل ہے؟ :۔
صحیح بات یہ ہے کہ لفظ "رہبانیت" کا عام اطلاق ترک لذات وترک مباحات کیلئے ہوتا ہے اس کے چند درجے ہیں :

ایک یہ کہ کسی مباح وحلال چیز کو اعتقادا یا عملا حرام قرار دے یہ تو دین کی تحریف وتغییر ہے اس معنی کے اعتبار سے رہبانیت قطعا حرام ہے اور آیت قرآنی "یا ایها الذین آمنوا لا تحرموا طیبات ما احل الله لکم" اور اس کی امثال میں اس کی ممانعت وحرمت کا بیان ہے۔ اس آیت کا عنوان "لا تحرموا" خود یہ بتلا رہا ہے کہ اس کی ممانعت اس لئے ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیز کو اعتقادا یا عملا حرام قرار دے رہا ہے جو احکام الٰہیہ میں تبدیل وتحریف کے مرادف ہے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ مباح کے کرنے کو اعتقادا یا عملا حرام قرار نہیں دیتا مگر کسی دنیوی یا دینی ضرورت کی وجہ سے اس کو چھوڑنے کی پابندی کرتا ہے۔ دنیوی ضرورت جیسے بیماری کے خطرے سے کسی مباح چیز سے پرہیز کرے اور دینی ضرورت یہ کہ یہ محسوس کرے کہ میں نے اس مباح کو اختیار کیا تو انجام کار میں کسی گناہ میں مبتلا ہوجاؤں گا، جیسے جھوٹ غیبت وغیرہ سے بچنے کے لئے آدمی لوگوں سے اختلاط ہی چھوڑدے یا کسی نفسانی رذیلہ کے علاج کے لئے چند روز بعض مباحات کو ترک

کردے اور اس ترک کی پابندی بطور علاج ودواء کے اس وقت تک کرے جب تک یہ رذیلہ اس سے دور نہ ہوجائے' جیسے صوفیاء کرام مبتدی کو کم کھانے کم سونے کم اختلاط کی تاکید کرتے ہیں کہ یہ ایک مجاہدہ ہوتا ہے نفس کو اعتدال پر لانے کا' جب نفس پر قابو ہوجاتا ہے کہ ناجائز تک پہنچنے کا خطرہ نہ رہے تو یہ پرہیز چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ درحقیقت "رہبانیت" نہیں "تقویٰ" ہے جو مطلوب فی الدین ہے اور اسلاف کرام صحابہ وتابعین وائمہ دین سے ثابت ہے۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ کسی مباح کو حرام قرار تو نہیں دیتا مگر اس کا استعمال جس طرح سنت سے ثابت ہے اس طرح کے استعمال کو بھی چھوڑنا ثواب اور افضل جان کر اس سے پرہیز کرتا ہے۔ یہ ایک طرح کا "غلو" ہے جس سے احادیث کثیرہ میں رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ اور جس حدیث میں "لارهبانية فى الاسلام" آیا ہے یعنی اسلام میں رہبانیت نہیں اس سے مراد ایسا ہی ترک مباحات ہے کہ ان کے ترک کو افضل سمجھ بیٹھے۔ (معارف القرآن ۸ر۳۲۸)

....

(ت) :۔ پس اس سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص رخصت پر عمل کرنے کے خیال سے ناز ونعمت والی زندگی گزارتا ہے تو کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ اسے گنہگار ٹھہرائے اور اگر وہ (اس کے بجائے) اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور خواہشات کو توڑ دیا کرے (یعنی صبر وشکر اور قناعت والی زندگی اختیار کرے) تو یہ اس کے لئے زیادہ بہتر اور افضل ہے اور ایسا کرنے سے وہ ان خوش نصیبوں میں شامل ہوگا جو بغیر حساب

کے جنت میں داخل ہوں گے۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

ان (ا) الله وعدنی ان يدخل سبعين الفا من امتى الجنة فقيل من هم يا رسول اللهؐ قال هم الذين لا يسترقون ولا يتطيرون ولا يكتوون وعلى ربهم يتوكلون۔

ترجمہ : "(یعنی) بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ میری امت میں سے ستر ہزار افراد کو بلا حساب جنت میں داخل فرمائیں گے۔ دریافت کیا گیا یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا یہ لوگ وہ ہیں جو نہ جھاڑ پھونک کرواتے ہیں نہ فال کھلواتے ہیں اور نہ داغ لگواتے ہیں (لوہے کو آگ میں گرم کرکے کسی عضو کو داغ دینا یہ بھی علاج کی ایک قسم ہے۔ ۱۲) اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں"۔

اور ایک روایت میں ہے "ثم زادلی معهم سبعين الفا" یعنی پھر میرے لئے ان کے ساتھ مزید ستر ہزار افراد کا اضافہ حق تعالیٰ نے فرمایا نیز ایک اور روایت میں ہے "ثم اضعف لی مع الفريق الاول والاخر سبعين الفا" یعنی پھر ان دو گروہوں پر مزید ستر ہزار بڑھا دیا گیا۔

محشر میں ہر انسان سے چند اہم سوالات

اور ایک مشہور ومعروف حدیث شریف ہے کہ حضور

اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے :

لا تزول قدما عبد يوم القيامة حتى يسال عن اربع عن عمره فيما افناه وعن شبابه فيما ابلاه وعن ماله من اين اكتسبه والى اى محل صرفه (وما ذا (ا) عمل بما علم)

ترجمہ : "(یعنی) کسی آدمی کے قدم محشر میں اس وقت تک اپنی جگہ سے سرک نہ سکیں گے جب تک اس سے چار سوالوں کا جواب نہ لیا جائے۔ ایک یہ کہ اس نے اپنی عمر کس کام میں فنا کی دوسرے یہ کہ اپنی جوانی کس شغل میں برباد کی تیسرے یہ کہ اپنا مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا (اور چوتھے یہ کہ اپنے علم پر کتنا عمل کیا)۔

پس جو بندہ مال و دولت ایسی جگہ پر خرچ کرے گا جس میں حق تعالیٰ شانہ کی رضا ہے تو اس کا حساب اس کے لئے (قیامت کے ہولناک منظر اور کٹھن وقت میں) آسان ہو گا اور اگر وہ اسے صرف اپنی مرضی میں لگائے گا (اور اسے محض اپنی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ بنائے گا) تو اس کا حساب دینا اس کے لئے اتنا سہل نہ ہو گا۔"

....

(ف) :۔ موقف حساب (یعنی محشر) میں اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ برگزیدہ و مقبول بندے کھڑے ہیں اور لرز رہے ہیں تو دوسروں کا کیا حال ہو گا؟ اس لئے اس روز کی فکر آج سے چاہیے۔ اور فرصت عمر کو اس حساب کی تیاری کے لئے غنیمت سمجھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے غایت

رحمت و شفقت سے اس امتحان کا پرچہ سوالات بھی پہلے ہی نبی کریم ﷺ کے ذریعہ امت کو بتلا دیا اب ان کا کام صرف اتنا رہ گیا ہے کہ ان سوالات کا حل سیکھے اور محفوظ رکھے، امتحان سے پہلے ہی سوالات بتلا دینے کے بعد بھی کوئی اگر ان میں فیل ہو جائے تو اس سے زیادہ محروم کون ہو سکتا ہے؟ ۔ (تفسیر معارف القرآن سورہ مائدہ ۳ر ۲۶۴)

....

(ت)

حرف آخر :۔ حضرت امام صاحبؒ نے ارشاد فرمایا :

"آدمی کو جن باتوں کا بطور خاص اہتمام ہونا چاہیے اور جو صفتیں ایک مومن کیلئے شایان شان ہیں وہ کئی ایک ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ تمام قسم کی فحش اور بے حیائی کی باتوں سے بچے، نیز ان میں سے یہ ہے کہ تمام فرائض کو اس کے اوقات میں مداومت کے ساتھ ادا کرے۔ نیز حرام کھانے سے اور ناجائز طریقوں سے مال و دولت جمع کرنے سے بچے۔ نیز ان میں سے یہ بھی ہے کہ وہ ہر کسی پر ظلم و زیادتی سے احتراز کرے خواہ وہ کوئی مسلمان ہو یا معاہد (وہ کافر جسے معاہدہ کے تحت اسلامی ملک میں رہنے کا جواز ہوتا ہے) اور اس کے بعد چونکہ حق تعالیٰ شانہ نے اس امر (معاش کے معاملہ) میں ہمارے لئے وسعت رکھی لہٰذا ہم بھی نہ اسے اپنے لئے تنگ کرتے (اور اس گنجائش

میں شدت اختیار کرتے ہیں) اور نہ ہی کسی دوسرے مومن
کے واسطے"۔

(ف) .. حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

وتری کثیرا منهم یسارعون فی الاثم
والعدوان واکلهم السحت لبئس ما کانوا یعملون۔
(المائدہ۔ ۶۲)

ترجمہ: "اور آپ ان (یہودیوں) میں بہت آدمی ایسے دیکھتے ہیں جو دوڑ دوڑ کر گناہ (یعنی جھوٹ) اور ظلم اور حرام (مال) کھانے پر گرتے ہیں واقعی ان کے یہ کام برے ہیں"۔

تفسیر روح المعانی وغیرہ میں ہے کہ ان لوگوں کے متعلق دوڑ دوڑ کر گناہوں پر گرنے کا عنوان اختیار کر کے قرآن کریم نے اس کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ لوگ ان بری خصلتوں کے عادی مجرم ہیں اور یہ برے اعمال ان کے ملکات راسخہ بن کر ان کے رگ وپے میں اس طرح پیوست ہوگئے ہیں کہ بلا ارادہ بھی یہ لوگ اس طرف چلتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ نیک عمل ہو یا بد جب کوئی انسان اس کو بکثرت کرتا ہے تو رفتہ رفتہ وہ ایک ملکہ راسخہ اور عادت بن جاتی ہے پھر اس کے کرنے میں اس کو کوئی مشقت اور تکلف باقی نہیں رہتا، بری خصلتوں میں یہود اسی حد پر پہنچے ہوئے تھے۔ اس کو ظاہر کرنے کے لئے ارشاد فرمایا "یسارعون فی الاثم"۔ اور اسی طرح اچھی خصلتوں میں انبیاء واولیاء کا حال ہے ان کے بارے میں بھی قرآن کریم نے

"یسارعون فی الخیرات" (کہ وہ دوڑتے ہیں نیک کاموں کی طرف) کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں"۔ (معارف القرآن ۳ ر ۱۸۳)

بظاہر امام محمد رحمہ اللہ نے اپنے آخری ارشاد میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ ایک مومن کے لئے کسی طرح یہ زیبا نہیں کہ وہ اپنی اصلاح سے بے فکر ہوجائے اور اس دنیائے فانی کی چند روزہ عیش وعشرت کے حصول میں اپنی دائمی زندگی اور دائمی خوشحالی کو بھول جائے بلکہ اسے چاہئے کہ اپنی منزل مقصود کو ہر وقت پیش نظر رکھے اور ہمت وجرات سے کام لے اور کسی موقع پر اپنی شان مسلمانی پر کوئی آنچ نہ آنے دے تاکہ پھر اس کا شمار ان خوش نصیبوں میں سے ہو جن کے متعلق رب کریم نے ارشاد فرمایا ہے:

رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله
واقام الصلوة وايتاء الزكوة يخافون يوما تتقلب
فيه القلوب والابصار ليجزيهم الله احسن
ما عملوا ويزيدهم من فضله والله يرزق من يشاء
بغير حساب۔

ترجمہ: "جن لوگوں کو اللہ کی یاد (یعنی بجا آوری احکام) سے (جس وقت کے متعلق جو حکم ہو) اور (بالخصوص) نماز پڑھنے سے اور زکوۃ دینے سے (کہ یہ احکام فرعیہ میں سب سے اہم ہیں) نہ خرید غفلت میں ڈالنے پاتی ہے اور نہ فروخت (اور باوجود اطاعت اور عبادت کے ان کی خشیت کا یہ حال ہے کہ) وہ ایسے دن (کی داروگیر) سے ڈرتے رہتے

ہیں جس میں بہت سے دل اور آنکھیں الٹ جاویں گی۔

(مقصود اس سے اہل نور ہدایت کے اوصاف واعمال کا بیان فرمانا ہے۔ اور آگے ان کے انجام کا ذکر ہے کہ) انجام (ان لوگوں کا) یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کا بہت ہی اچھا بدلہ دیگا (یعنی جنت) اور (علاوہ جزا کے) ان کو اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دیگا (جزا وہ جس کا وعدہ مفصل مذکور ہے اور زیادہ وہ جس کا مفصل وعدہ نہیں گو مجمل عنوانوں سے ہوا ہو) اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بیشمار (یعنی بہت کثرت سے) دیتا ہے (پس ان لوگوں کو جنت میں اسی طرح بے شمار دیگا)"۔

یہ وہ حضرات ہیں جو ہر وقت ذکر اللہ اور طاعات وعبادات میں مشغول ہونے کے باوجود بے فکر اور بے ڈر بھی نہیں ہوجاتے بلکہ قیامت کے حساب کا خوف ان پر مسلط رہتا ہے اور یہ اس نور ہدایت کا کمال ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو عطا ہوا ہے۔ جس کا ذکر آیت کریمہ "یھدی اللہ لنورہ من یشاء" میں ہوا۔ (معارف القرآن ۶، ۴۲۸)

اصلاح اعمال کا طریقہ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب "آیت کریمہ وتری کثیرا منھم یسارعون فی الاثم" الخ" کے تحت تحریر فرماتے ہیں :

"اصلاح اعمال کا سب سے زیادہ اہتمام کرنے والے حضرات صوفیائے کرام اور اولیاء اللہ ہیں' ان

حضرات نے انہی ارشادات قرآنیہ سے یہ اہم اصول اخذ کیا ہے کہ جتنے برے یا بھلے اعمال انسان کرتا ہے اصل میں ان کا اصل سرچشمہ وہ مخفی ملکات اور اخلاق ہوتے ہیں جو انسان کی طبیعت ثانیہ بن جاتے ہیں' اسی لئے برے اعمال اور جرائم کی روک تھام کے لئے ان کی نظر انہی مخفی ملکات پر ہوتی ہے اور ان کی اصلاح کردیتے ہیں تو تمام اعمال خودبخود درست ہونے لگتے ہیں۔ مثلاً کسی کے دل میں مال دنیا کی حرص کا غلبہ ہے وہ اس کے نتیجہ میں رشوت بھی لیتا ہے' سود بھی کھاتا ہے' اور موقع ملے تو چوری اور ڈاکہ تک کی بھی نوبت پہنچ جاتی ہے' حضرات صوفیائے کرام ان جرائم کا الگ الگ علاج کرنے کے بجائے وہ نسخہ استعمال کرتے ہیں جس سے ان سب جرائم کی بنیاد منہدم ہوجائے اور وہ ہے دنیا کی ناپائیداری اور اس کی عیش وعشرت کے زہر آلود ہونے کا استحضار۔

اسی طرح کسی کے دل میں تکبر' غرور ہے یا وہ غصہ میں مغلوب ہے اور دوسروں کی تحقیر وتوہین کرتا ہے دوستوں اور پڑوسیوں سے لڑتا ہے' یہ حضرات فکر آخرت اور خدا تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کو مستحضر کرنے والا نسخہ استعمال کرتے ہیں جن سے یہ اعمال خودبخود ختم ہوجائیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس قرآنی اشارہ سے معلوم ہوا کہ انسان میں کچھ ملکات ہوتے ہیں جو طبیعت ثانیہ بن جاتے ہیں

یہ ملکات برے ہیں تو برے اعمال کی طرف انسان خودبخود دوڑنے لگتا ہے' مکمل اصلاح کے لئے ان ملکات کی اصلاح ضروری ہے۔" (معارف القرآن ۳ر۱۸۵)

لہٰذا ہر انسان کو چاہئے کہ اپنے ان ملکات کی اصلاح کے لئے کسی ماہر طبیب روحانی کی طرف رجوع کرے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

"شیخ کیسا ہو؟"

"ایک رسالہ میں ایک ایسا جامع مضمون لکھا دیکھا کہ اگر وہ ذہن میں آجائے تو پھر سارے رسالے کی ضرورت ہی نہ رہے۔ کہتے ہیں کہ (۱) شیخ میں دین ہونا چاہئے انبیاء کا سا یعنی اس کے اعمال میں غوائل دنیا اور خواہشات نفس کی آمیزش نہ ہو۔ (۲) سیاست یعنی داروگیر' محاسبہ' معاقبہ سلاطین کا سا ہو' (۳) تجویز اطباء کی سی۔ تاکہ وہ ہر شخص کا جدا علاج تجویز کرتا رہے' جن میں یہ باتیں ہوں وہ شیخ ہو سکتا ہے"۔

(ماخوذ از الفاروق بابت ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ۔ ملفوظات حکیم الامت مرسلہ محترم ابراہیم یوسف باوا رنگونی)

....

(ت) (راوی کتاب):۔ محمد بن سماعہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام

محمد رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو کچھ کتاب میں بیان ہوا یہ اصحاب رسول میں سے حضرت عمر و عثمان و علی اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم جیسے دیگر اجلہ صحابہ کا قول ہے اور یہی مذہب امام اعظم ابو حنیفہ" امام ابو یوسف" امام زفرؒ اور ان کے بعد تمام فقہاء کرام کا اور ہم بھی اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

والحمد لله وحده وصلى الله تعالى على سيد نا محمد وآله وصحبه۔ حسبنا الله ونعم الوكيل۔ امام رحمه الله کی کتاب پوری ہوئی۔

اللهم آت نفوسنا تقواها وزكها انت خير من زكها انت وليها ومولاها۔ اللهم لا تجعل الدنيا اكبر همنا ولا مبلغ علمنا ونسالک الهدى والتقى والعفاف والغنى وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين وصلى الله تعالى على خير خلقه سيدنا ومولانا محمد وآله وصحبه اجمعين برحمتك يا ارحم الراحمين۔

بندہ ولی اللہ صدیقی مظاہری
مدینہ منورہ
تحریراً فی ۲۹ر۷ر۱۴۱۷ھ

طوبیٰ ریسرچ لائبریری

اسلامی اردو، انگلش کتب،

تاریخی، سفرنامے، لغات،

اردو ادب، آپ بیتی، نقد و تجزیہ

toobaa-elibrary.blogspot.com